مطالعۂ پاکستان

برائے جماعت 11 & 12

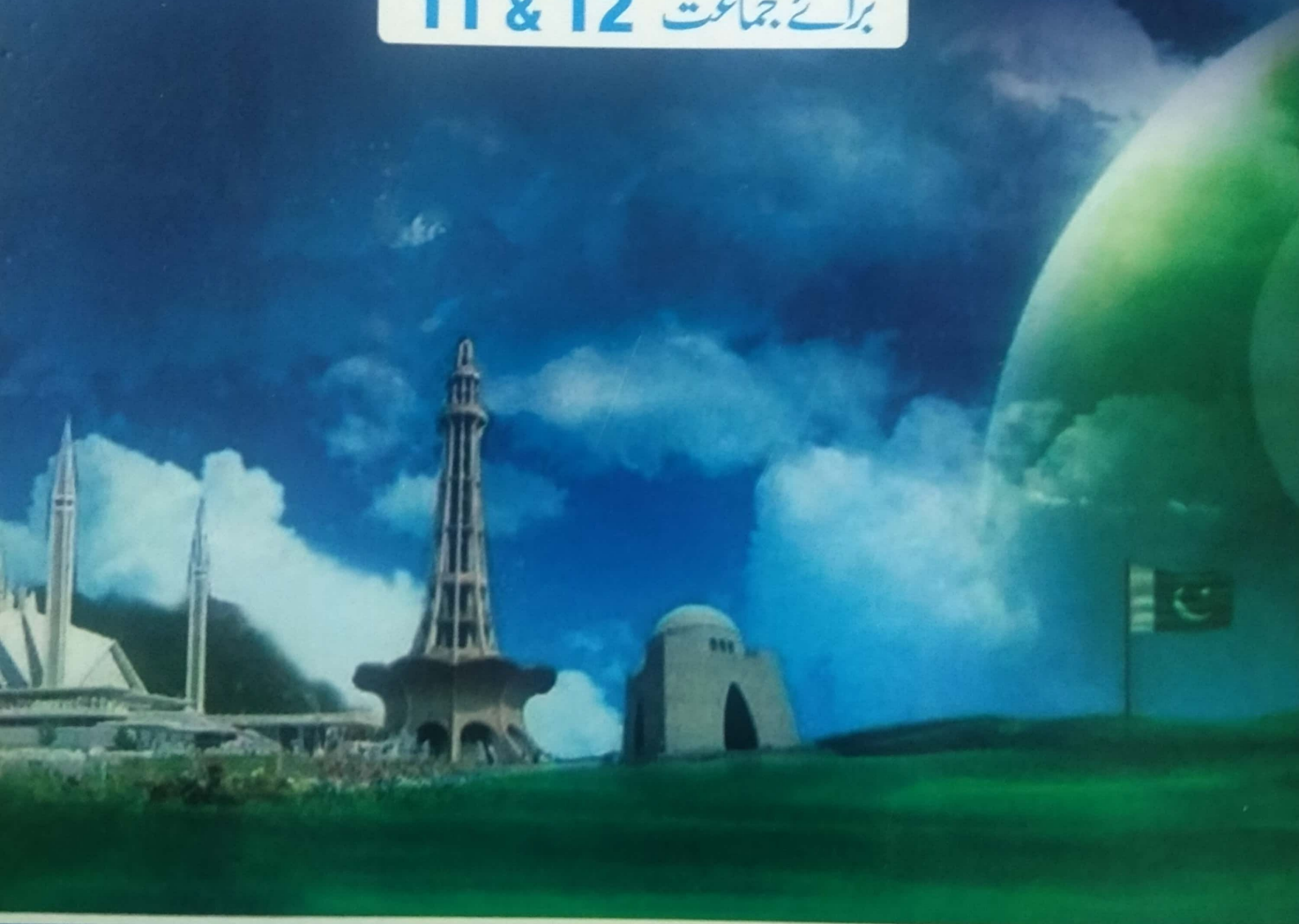

نیشنل بک فاؤنڈیشن
بطور
وفاقی ٹیکسٹ بک بورڈ، اسلام آباد

مطالعہ پاکستان

برائے جماعت

11&12

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

نیشنل بک فاؤنڈیشن

بطور

وفاقی ٹیکسٹ بک بورڈ، اسلام آباد

ہمارا نصب العین

معیار ● حاصلات ● رسائی ● اُسلوب

©2020ء نیشنل بک فاؤنڈیشن، بطور وفاقی ٹیکسٹ بک بورڈ، اسلام آباد
جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ یہ کتاب یا اس کا کوئی بھی حصّہ کسی بھی شکل میں
نیشنل بک فاؤنڈیشن کی باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر شائع نہیں کیا جا سکتا۔

ٹیکسٹ بک: **مطالعہ پاکستان برائے جماعت گیارھویں/بارھویں**

مصنّفِ اسباق : پروفیسر ڈاکٹر عبدالقادر خان، انچارج شعبہ تاریخ/مطالعہ پاکستان، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

تدوین : پروفیسر ڈاکٹر ثمینہ ندیم، سابقہ پرنسپل آئی ایم سی جی، I-10/4، اسلام آباد
محمد حسنین اختر، لیکچرار، ایف جی سرسید کالج، راولپنڈی

زیرِ انتظام: اشتیاق احمد ملک، سیکرٹری، این بی ایف

انچارج نصابی کتب: محمد رفیق، اسسٹنٹ ڈائریکٹر، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

اشاعت اوّل : 2004ء

اشاعت دوم : 2019ء تعداد: 10,000

اشاعت سوم : ستمبر 2019ء تعداد: 4000

نظر ثانی شدہ ایڈیشن : جولائی 2020ء تعداد: 25,000

قیمت : -/130 روپے

کوڈ نمبر : STU-384

آئی ایس بی این : 978-969-37-1188-2

طابع : ایم پی ایس پرنٹرز، راولپنڈی

نیشنل بک فاؤنڈیشن کی دیگر مطبوعات کے بارے میں معلومات کے لیے رابطہ:

ویب سائٹ: http://www.nbf.org.pk فون:,92-51-9261125 , 92-51-9261124

ای میل: books@nbf.org.pk , nbftextbooks@gmail.com

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

پیش لفظ

درسی کتاب مطالعہ پاکستان برائے گیارھویں اور بارھویں (انٹر میڈیٹ) قومی نصاب 2000ء کے مطابق پہلی بار 2004ء میں شائع ہوئی تھی۔

کتاب کے موضوعات پاکستان کی تاریخ، تحریک اور تکمیل کے بہت سے پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں لہٰذا اس میں ایسا مواد موجود ہے جس سے وہ تمام لوگ استفادہ کر سکتے ہیں جو پاکستان کے بارے میں مستند معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں۔

اس کتاب کا مقصد طلبہ میں دو قومی نظریے کا شعور پختہ کرنا اور پاکستان کے قومی مقاصد کے بارے میں معلومات فراہم کرنا ہے۔ نیز اس امر کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے کہ طلبہ میں ایسی صلاحیتیں پیدا ہوں کہ مطالعہ ان کے لیے ایک با مقصد عمل بن جائے اور وہ پاکستان کے نمائندہ معاشرتی تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں، اُن میں مہذب طرزِ عمل فروغ پائے اور وہ پروقار اور پرامن شہری بنیں۔ اس کتاب میں اگر کوئی جدت ہے تو وہ اندازِ تحریر اور پیش کاری کے حوالے سے ہے۔ جہاں تک مواد کا تعلق ہے تو اس کے لیے مطبوعہ کتابوں اور دیگر مستند مآخذ سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

معیار کی رفعت، تدریسیاتی حاصلات، ذہنی رسائی اور اسلوب کی پیروی ہمارا نصب العین ہے۔ نیشنل بُک فاؤنڈیشن نے موثر تدریسی مراحل کو مد نظر رکھتے ہوئے اور خصوصی کوششیں بروئے کار لاتے ہوئے تدریسی مواد ور مثالوں سے اس درسی کتاب کو شائع کیا۔ فیڈرل بورڈ آف ایجوکیشن اور دیگر علمی اداروں اور اساتذہ کرام کی آرا کی روشنی میں اور نظر ثانی کے بعد 2020ء میں ایک بار پھر شائع کیا جا رہا ہے۔

نیشنل بک فاؤنڈیشن

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03439812886

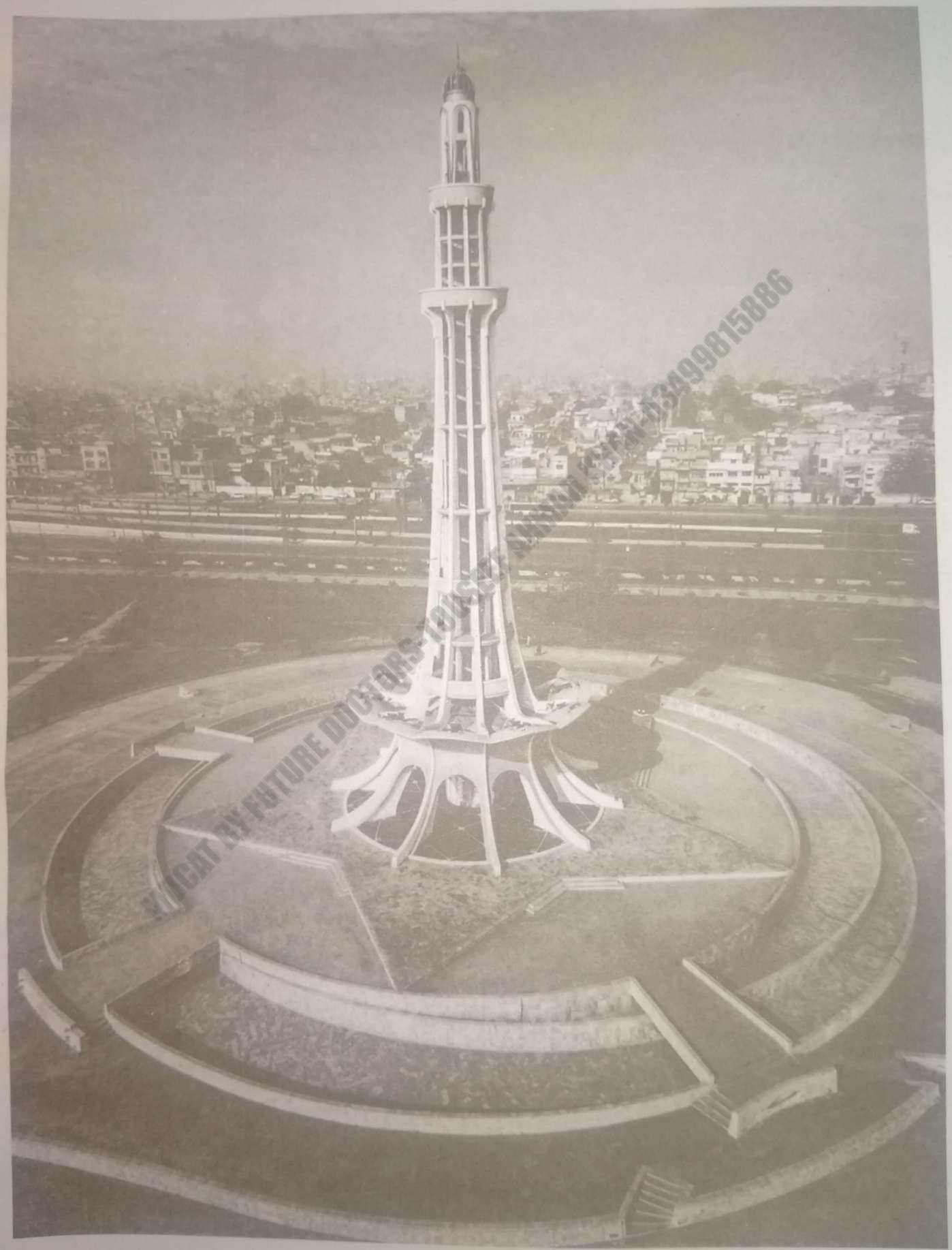

NOTICAT BY FUTURE DOCTORS HOUSE OF KHUSHI KHAN 03499815886

فہرست مضامین

باب نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۱۔	نظریہ پاکستان	06
۲۔	اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مسائل	31
۳۔	اسلامی جمہوریہ پاکستان کا جغرافیہ	45
۴۔	اسلامی جمہوریہ کے قیام کی طرف پیش قدمی	65
۵۔	پاکستان کا انتظامی ڈھانچہ اور اچھی حکمرانی کا تصور	86
۶۔	اسلامی جمہوریہ پاکستان کا کلچر	105
۷۔	پاکستانی زبانیں	119
۸۔	قومی یکجہتی اور خوش حالی	130
۹۔	اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اقتصادی منصوبہ بندی اور ترقی	138
۱۰۔	اسلامی جمہوریہ پاکستان کی خارجہ حکمت عملی	154

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499865886

1 نظریہ پاکستان

پڑھیں

نظریہ یا Ideology کسی جماعت، قوم یا ملت کے اجتماعی نصب العین اور اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے قائم کردہ اصول، ضوابط کو کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے نظریہ زندگی صرف اسلام ہی ہے۔

اسلام کا نظریہ قومیت:۔

اسلام کے ماننے والے خود کو دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلے میں ایک جداگانہ قومیت سمجھتے ہیں۔ اسی کا نام دو قومی نظریہ ہے۔ اسلام ایک جمہوری ضابطہ ہے اور مسلمان حق خود اختیاری کے جمہوری اصول پر یقین رکھتے ہیں۔ اس اصول کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ دنیا کے جس خطے میں مسلمان اتنی بڑی تعداد میں آباد ہوں کہ وہ اپنی آزاد ریاست، قائم کر سکیں، انہیں ایک خود مختار جمہوری ریاست قائم کر کے اپنے ایمان اور عقیدے کے مطابق زندگی گزارنے کا حق ملنا چاہیے۔

نظریہ پاکستان: تعریف و توضیح

ہندوستان کے مسلمان ابتدا ہی سے ایک جداگانہ قوم تھے۔ وہ سینکڑوں سال ہندوستان پر حکمران رہے۔ بیسویں صدی میں بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے جن کے باعث ہندوستان کے مسلمان ایک آزاد اسلامی ریاست کا مطالبہ کرنے پر مجبور ہوئے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اپنی آزاد سرزمین کے لیے "پاکستان" جیسے خوبصورت نام کا انتخاب کیا۔ اسی نام کے حوالے سے دینِ اسلام کے اس بنیادی عقیدے یعنی دو قومی نظریہ کو "نظریہ پاکستان" کہا جانے لگا۔

تعریف:۔

نظریہ پاکستان اس عقیدہ اور نصب العین کو کہا جاتا ہے جس کی بنیاد پر قیام پاکستان کی تحریک چلائی گئی۔ یہ عقیدہ بلاشبہ اسلام تھا اور نصب العین یہ تھا کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو دو الگ الگ قومیں سمجھتے ہوئے جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی ایک ایسی آزاد جمہوری ریاست قائم کی جائے جس میں رہتے ہوئے وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تنظیم اسلامی اصولوں کے مطابق کر سکیں۔

اس علاقے میں جواب پاکستان کہلاتا ہے۔ غیر مسلم آبادی کا تناسب تین فیصد کے قریب تھا۔ اس خطے کے غیر مسلم یہ جانتے تھے کہ ایک اسلامی ریاست میں تمام شہریوں کو یکساں شہری اور سیاسی حقوق حاصل ہوتے ہیں لہٰذا اس خطے کے غیر مسلم شہریوں نے جن میں عیسائی، ہندو اور دوسرے مذاہب کے لوگ شامل تھے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قیام پاکستان سے پہلے اس خطے کی غیر مسلم اقلیتوں کا جذبہ ایثار اور قیام پاکستان کے بعد ان کا جذبہ حب الوطنی اقوام عالم کے لیے ایک نمونہ اور مثال بن چکا ہے۔

MCQAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499813886

نظریہ پاکستان کے اجزائے ترکیبی

اسلام:۔

ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرق میں وسیع وعریض علاقے پر آباد لوگوں کا اسلامی عقیدہ وایمان درحقیقت قیام پاکستان کا سب سے بنیادی محرّک تھا۔ 13 جنوری 1948ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ قائم کرنا چاہتے ہیں جہاں ہم اسلام کے اصولوں کی سچائی کو ثابت کر سکیں۔"

ایک اسلامی ریاست کے رہنما اصول بیان کرتے ہوئے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"بنیادی طور پر ایک اسلامی ریاست میں اقتدار اللہ رب العزت کو حاصل ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست کا نظام قرآنی اصول واحکام کی روشنی میں چلتا ہے۔ ایک اسلامی ریاست میں پارلیمنٹ یا کسی اور ادارے یا شخص کو کسی معاملے میں اپنی من مانی کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ قرآنی احکام ہی معاشرت اور سیاست کے تمام معاملات میں ہمارے طرزِ عمل کو متعین کرتے ہیں۔"

جمہوریت:۔

ایک اسلامی ریاست جمہوری اصولوں پر قائم ہوتی ہے۔ فروری 1948ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے عوام سے اپنے ایک ریڈیو خطاب میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"پاکستان کا آئین ابھی بننا ہے، اسے دستور ساز اسمبلی بنائے گی۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کی حتمی شکل وصورت کیا ہوگی لیکن مجھے اتنا یقین ضرور ہے کہ یہ جمہوری یعنی اسلام کے بنیادی اصولوں کے عین مطابق ہوگا۔ یہ اصول آج کی عملی زندگی میں بھی اسی طرح قابلِ عمل ہیں جس طرح آج سے 1400 سال پہلے تھے۔ اسلام اور اس کی معیار پسندی نے ہمیں جمہوریت کا سبق سکھایا ہے۔"

سماجی انصاف، مساوات، احساسِ ذمہ داری:۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی ریاست کے اساسی اصولوں کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"اسلام نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہم تمام انسانوں کو برابر سمجھیں، ہر شخص کے ساتھ انصاف اور حسن سلوک کا معاملہ کریں۔ ہم شاندار روایات کے امین ہیں اور پاکستان کے مستقبل کے معمار کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے پوری طرح آگاہ ہیں۔"

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499315886

بنیادی انسانی حقوق:۔

جنوبی ایشیا کی ہندو قیادت میں دو طرح کے لوگ تھے۔ انتہا پسند اور اعتدال پسند۔ بد قسمتی سے تاریخ کے اس مرحلے میں جب انگریز ہندوستان چھوڑنے کا فیصلہ کر چکے تھے اور برّصغیر کی قیادت مقامی ہاتھوں میں منتقل ہونے والی تھی کانگرس کی سیاست پر انتہا پسندوں نے مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔ اس صورتِ حال میں مسلمان قوم اور خطے کے دوسرے اقلیتی گروہوں نے یہ محسوس کیا کہ اگر ہندوستان پر ہندو انتہاء پسندوں کی حکومت قائم ہو گئی تو وہ غیر ہندوؤں کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم کر دیں گے۔ یہ بات مطالبہ پاکستان کا ایک بہت بڑا محرک بن گئی اور اسی وجہ سے مطالبہ پاکستان کو شمال مغربی ہندوستان کی غیر مسلم اقلیتوں کی حمایت بھی حاصل ہو گئی۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے حصول کا مقصد ہی اس خطے کے لوگوں یعنی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ تھا۔ قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ انسانی حقوق کے بہت بڑے علمبردار تھے۔ انہوں نے 11 اگست 1947ء کو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے ایک پیغام پاکستان کے شہریوں کو بھی دیا۔ انہوں نے فرمایا:

> "آپ آزاد ہیں۔ آپ اپنے مندروں میں جانے کے لیے آزاد ہیں۔ آپ اپنی مسجدوں میں جانے کے لیے آزاد ہیں، آپ کا مذہب کچھ بھی ہو آپ اپنی عبادت گاہوں میں جانے کے لیے مکمل طور پر آزاد ہیں، مملکتِ پاکستان کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہو گی کہ آپ کا عقیدہ، مذہب یا ذات کیا ہے۔۔ ہم اپنے سفر کا آغاز اس بنیادی اصول کی روشنی میں کر رہے ہیں کہ ہم سب مملکتِ پاکستان کے شہری اور مساوی درجے کے شہری ہیں۔"

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03409815886

پاکستان: جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی جدوجہد کا حاصل

1857ء سے قیام پاکستان تک۔۔۔اہم واقعات

برطانوی نظامِ حکومت کا نفاذ:۔

1857ء میں ہندوستان پر مسلمانوں کی آٹھ سو سال سے قائم حکومت ختم کر دی گئی۔ 1858ء میں ہندوستان میں براہِ راست تاج برطانیہ کی حکومت قائم ہو گئی۔

علی گڑھ تحریک:۔

سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے مسائل کا حل انگریزی تعلیم اور انگریزوں سے مفاہمت میں تلاش کیا۔ انہوں نے 1875ء میں علی گڑھ سکول کی بنیاد رکھی اور بہت سے تعلیمی اور تحقیقی ادارے قائم کیے نیز رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا۔ 1867ء میں اردو ہندی تنازعہ شروع ہوا تو سر سید رحمۃ اللہ علیہ نے وقت سے پہلے محسوس کر لیا کہ مستقبل میں ہندو اور مسلمان دونوں قومیں کسی کام میں متحد نہ ہو سکیں گی اور دونوں کے راستے جدا ہو جائیں گے۔

انتہا پسند ہندو تحریکیں:۔

بیسویں صدی کے آخری دو عشروں میں انتہا پسند ہندوؤں نے "آریہ سماج" جیسی مسلم دشمن تحریک شروع کی جس کا مقصد مسلمانوں کو ہندو بنانا تھا۔ بنکم چندر چیٹرجی نے ایک ناول "آنند مٹھ" لکھ کر ہندوؤں کے جذبات کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ "بندے ماترم" ترانہ اسی ناول کا حصہ ہے۔

پاکستان جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی 90 سالہ جدوجہد کا حاصل ہے۔ اس جدوجہد کی نوعیت سمجھنے کے لیے اس نوے سالہ دور کے اہم ترین واقعات سے ہمارا واقف ہونا ضروری ہے۔

تقسیم بنگال:۔

1905ء میں وائسرائے لارڈ کرزن نے انتظامی مشکلات کے پیش نظر صوبہ بنگال کو دو حصوں مشرقی بنگال اور مغربی بنگال میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا لیکن ہندوؤں اور کانگریس نے اس تقسیم کی مخالفت کی جس سے مسلمان یہ محسوس کرنے لگے کہ انہیں ایک ایسی جماعت قائم کرنی چاہیے جو صرف ان کی نمائندگی کرے۔

شملہ وفد اور جداگانہ انتخاب کا مطالبہ:۔

35 مسلمان رہنماؤں کے ایک وفد نے یکم اکتوبر 1906ء کو شملہ میں وائسرائے لارڈ منٹو سے ملاقات کر کے مسلمانوں کے مطالبات پیش کیے۔ جن میں جداگانہ انتخاب کا مطالبہ سرفہرست تھا۔ وائسرائے نے وفد کے مطالبات کا حوصلہ افزاء جواب دیا۔

مسلم لیگ کا قیام:۔

شملہ وفد کی کامیابی سے حوصلہ پا کر دسمبر 1906ء میں "محمڈن ایجوکیشنل" کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں "آل انڈیا مسلم لیگ" کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ مسلم لیگ کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے جائز مطالبات کو آئینی طریقے سے حکومت کے سامنے پیش کیا جا سکے۔

آئینی مسئلے کے حل کی تجاویز:۔

ہندوستان کے آئینی مسائل بہت پیچیدہ تھے۔ ہندوؤں، مسلمانوں اور حکومت برطانیہ کے نقطہ ہائے نظر کے درمیان مفاہمت کی راہ تلاش کرنے کے لیے تینوں فریقوں کی طرف سے بہت سی کوششیں کی گئیں۔ جن میں سے اہم ترین مندرجہ ذیل تھیں:

1۔ منٹو مورلے اصلاحات یا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1909ء (مسلمانوں کے مطالبات کی روشنی میں حکومت برطانیہ کی رعایتیں خصوصاً جداگانہ انتخاب)

2۔ میثاق لکھنو 1916ء (کانگریس اور مسلم لیگ کے متفقہ آئینی مطالبات)

3۔ مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات یا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1919ء۔

4۔ دہلی مسلم تجاویز 1927ء (قائداعظم کی ایک اور مصالحانہ کوشش)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03459817886

5۔ سائمن کمیشن 1928ء۔

6۔ نہرو رپورٹ 1928ء (کانگریس کا مسلم دشمنی پر مبنی نقطہ نظر)

7۔ آل پارٹیز مسلم کانفرنس (1928-1929)

8۔ قائداعظمؒ کے چودہ نکات 1929ء (مسلمانوں کے کم سے کم آئینی مطالبات، قائداعظمؒ کی طرف سے کسی متفقہ آئینی حل پر پہنچنے کی ایک کوشش)

9۔ گول میز کانفرنس (لندن) 1930ء تا 1932ء تین اجلاس (حکومت برطانیہ کی طرف سے کسی متفقہ آئینی حل تک پہنچنے کی ایک کوشش)۔

10۔ نیا آئینی ڈھانچہ۔۔۔۔1935ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ۔

11۔ کرپس مشن کی آمد اور ناکامی (1942)

12۔ کابینہ مشن کا منصوبہ (1946ء) ہندوستان کے آئینی مسئلے کے حل کی ایک مخلصانہ برطانوی کوشش۔

13۔ وزیراعظم برطانیہ کا اعلان 20 فروری 1947ء (جون 1948ء تک ہندوستان چھوڑنے کا فیصلہ)

14۔ مونٹ بیٹن کی آمد۔ تین جون کا منصوبہ 1947ء (تقسیم ہند کا حتمی اعلان)

15۔ قانونِ آزادی ہند جولائی 1947۔ (برطانوی پارلیمنٹ سے منظوری)

مسلم لیگ کی جدوجہد کا ارتقاء:۔

1۔ قیام۔۔۔۔ڈھاکہ 1906ء۔

2۔ 1908ء مسلم لیگ کی لندن شاخ کا قیام۔

3۔ 1913ء مسلم لیگ کے مقاصد میں واضح تبدیلی۔ برطانوی حکومت کے زیرِ سایہ سیلف گورنمنٹ کا مطالبہ۔

4۔ 1913ء میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مسلم لیگ میں شمولیت۔

5۔ 1916ء کانگریس لیگ مصالحت (میثاق لکھنو)

6۔ 1920ء قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ہوم رول لیگ اور کانگریس سے علیحدگی۔

7۔ 1927ء تجاویز دہلی۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اور مصالحانہ پیش کش۔

8۔ 1929ء قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے چودہ نکات پر مبنی قرارداد کی منظوری۔

9۔ 1930ء الٰہ آباد (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مسلمانوں کی سیاسی خود مختاری کی تجویز)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF KUMAR KHAN 03459815886

10۔ 1935ء قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مسلم لیگ کی تنظیم نو کے اقدامات

11۔ 1937ء انتخابات میں مسلم لیگ کی ناکامی

12۔ 1937ء تا 1939ء کانگریسی حکومتوں کے خلاف عوامی تحریک، مسلم لیگ کے عوامی دور کا آغاز۔

13۔ 1940ء قرارداد پاکستان کی منظوری۔

14۔ 46-1945ء میں انتخابات میں مسلم لیگ کی شاندار کامیابی۔

15۔ 16 اگست 1946ء ڈائریکٹ ایکشن ڈے، مسلم لیگ کی طرف سے پورے ہندوستان میں اپنی عوامی طاقت کا مظاہرہ۔

دیگر اہم واقعات:۔

1۔ تقسیم بنگال کی تنسیخ 1911ء

2۔ علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا 1920ء۔

3۔ تحریک خلاف کا آغاز 1919ء (مقصد یہ تھا کہ انگریز جنگ عظیم اول میں اپنی فتح کے نتیجے میں مسلمانوں کے اتحاد کی علامت ترکی خلافتِ اسلامیہ کو ختم نہ کردیں۔ یہ ہندو مسلم اتحاد کا مثالی دور تھا۔)

4۔ 1924ء مصطفیٰ کمال اتاترک نے خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ لہٰذا تحریک خلافت بھی دم توڑ گئی۔

5۔ 24-1923ء سول نافرمانی کی تحریک، جو خلافت کے تحفظ کے لیے گاندھی جی کی قیادت میں شروع کی گئی تھی، ختم ہونے کے ساتھ ہی پورے ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات کا دور شروع ہو گیا۔

6۔ 1933ء چوہدری رحمت علی رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان کا نام تجویز کیا اور پاکستان نیشنل موومنٹ قائم کی۔

7۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ جو ہندوستان کی سیاست اور مسلمانوں کی بے حسی سے دل برداشتہ ہو کر 1931ء میں لندن میں مقیم ہو گئے تھے، 1934ء میں مسلمان رہنماؤں اور خاص طور پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر واپس ہندوستان تشریف لے آئے۔

8۔ 1937ء ہندوستان کے گیارہ میں سے آٹھ صوبوں میں کانگریس یا اس کی حامی حکومتیں قائم ہوئیں۔ ان میں سے اکثر حکومتوں نے بُری حکمرانی کی مثال قائم کی اور مسلمانوں کے خلاف تعصب کا مظاہرہ کیا۔

9۔ 1937ء "پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن" نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے پر آزاد اسلامی ریاست کا مطالبہ اپنے آئین میں شامل کر لیا۔

10۔ اکتوبر 1939ء کانگریسی وزارتیں جنگ عظیم میں ہندوستان کی شمولیت کے مسئلے پر برطانوی حکومت سے اختلاف کی بناء پر مستعفی ہو گئیں۔

11۔ 22 دسمبر 1939ء قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اپیل پر مسلمانوں نے یوم نجات منایا (یعنی بُری حکومتوں سے نجات کا دن)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

12۔ جون 1945ء شملہ کانفرنس میں وائسرائے لارڈ ویول اور ہندوستانی لیڈر کسی متفقہ آئینی حل پر پہنچنے میں ناکام ہو گئے۔

13۔ اکتوبر 1946ء مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں شرکت کر کے اسے ناکام بنادیا۔

14۔ 11 اگست 1947ء کراچی میں پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس ہوا۔

15۔ 14 اگست، انتقال اقتدار کی تقریب سے برطانیہ کے آخری وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن کا الوداعی خطاب۔۔۔۔۔ ایک نئے دور کا آغاز۔

آئندہ صفحات میں ہم چند ایسے واقعات کا تفصیل سے مطالعہ کریں گے جو تحریک پاکستان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اوپر بیان کیے گئے پس منظر کی روشنی میں ان تاریخ ساز واقعات کو سمجھنا ہمارے لیے آسان ہو گا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSAF AHMAD KHAN-03499815865

تحریک علی گڑھ

علی گڑھ تحریک کا پس منظر:۔

1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر انگریزوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ یہ ایک بہت بڑا انقلاب تھا جس نے جنوبی ایشیا کی سیاسی اور معاشرتی زندگی کی بنیادیں تک ہلا دیں۔ اس دور میں سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ جیسی تاریخ ساز شخصیت پیدا ہوئی۔ انہوں نے جنگ آزادی میں انگریزوں کی مدد کی تھی اور ان کی جانیں بچائی تھیں کیونکہ وہ بدلے ہوئے حالات میں حکومت برطانیہ سے تصادم کی پالیسی کو مسلمانوں کے لیے مہلک سمجھتے تھے۔ سر سیدؒ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ انگریز حکومت کی مخالفت چھوڑ کر انگریزوں سے مفاہمت کی راہ پر چلیں۔ سیاست سے الگ رہیں، انگریزی تعلیم حاصل کریں، سرکاری ملازمتیں حاصل کریں اور انگریزوں کی وفادار رعایا بن کر رہیں۔

سر سیدؒ کی اس تحریکِ مفاہمت کو ہماری تاریخ میں "علی گڑھ تحریک" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ اس تحریک سے متاثر ہوا جب کہ ایک اس سے بھی بڑے طبقے نے مفاہمت کے رویئے کو اپنی ملی غیرت اور دینی تقاضوں کے خلاف سمجھ کر اس کی مخالفت کی اور کہا کہ سر سیدؒ کا پروگرام خواہ کتنی ہی نیک نیتی اور خیر خواہی پر مبنی کیوں نہ ہو ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مسلمان ہمیشہ کے لیے انگریزوں کی ذہنی غلامی کا شکار ہو جائیں گے۔

سر سیدؒ کی تحریک کے مقاصد کا خلاصہ یہ ہے:

1۔ مسلمانوں اور انگریزوں میں مفاہمت پیدا کرنا، دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لانا۔

2۔ مسلمانوں میں تعلیم کو عام کرنا، انہیں انگریزی زبان اور علوم کی تعلیم دینا اور انگریزی تہذیب سے مانوس کرنا۔

3۔ مسلمانوں کو انگریزوں کی وفادار رعایا بنا کر انہیں سیاست سے الگ رکھنا۔

4۔ مسلمانوں اور ہندوستان کی دوسری قوموں میں مفاہمت اور دوستی کے تعلق کو پروان چڑھانا۔

مساعی:۔

سرسید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے جو اقدامات کیے ان میں سے اہم ترین مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔اسباب بغاوت ہند:۔

1859ء میں سرسیدؒ نے برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان کے لیے "اسباب بغاوت ہند" کے نام سے ایک مختصر کتاب لکھی۔انہوں نے لکھا کہ 1857ء کی بغاوت کو کسی طرح مسلمانوں کی جنگ آزادی کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ یہ محض چند شرارتی لوگوں کا کھڑا کیا ہوا ہنگامہ تھا۔انہوں نے کہا کہ برطانوی حکومت کی بعض غلط پالیسیاں بھی لوگوں کو بغاوت پر اکسانے کا باعث بنیں۔ مسلمان ہمیشہ 1857ء کے واقعات کو "جنگ آزادی" کہتے رہے ہیں لیکن سرسیدؒ نے اسے غدر اور بغاوت ہی لکھا ہے۔

2۔لائل محمڈنز آف انڈیا:۔

1860ء میں سرسید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے "لائل محمڈنز آف انڈیا" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔اس رسالے میں ان خاندانوں کی خدمات کا تذکرہ کیا جاتا تھا جنہوں نے جنگ آزادی کے زمانے میں اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر انگریزوں کی مدد کی تھی اور ان کی جانیں بچائی تھیں۔

3۔انگریزوں سے مفاہمت کی کچھ اور کوششیں:۔

مسلمانوں اور انگریزوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی کوششوں میں سرسید رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات، تحقیق لفظ نصاریٰ، انجیل کی تفسیر، تبئین الکلام، رسالہ احکام طعام اہل کتاب اور رسالہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔

4۔سکولوں کا قیام:۔

اپنی ملازمت کے دوران سرسید رحمۃ اللہ علیہ نے 1859ء میں مرادآباد میں اور 1862ء میں غازی پور میں سکول قائم کیے۔

5۔سائنٹیفک سوسائٹی کا قیام:۔

1863ء میں سرسیدؒ نے سائنٹیفک سوسائٹی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ انگریزی زبان میں شائع ہونے والی اہم علمی کتابوں کو اُردو میں ترجمہ کرایا جائے۔

6۔انگلستان کے تعلیمی نظام کا جائزہ:۔

1869ء میں سرسید رحمۃ اللہ علیہ کو انگلستان جانے کا موقع ملا۔ انگلستان میں انہوں نے اعلیٰ ترین تعلیمی اداروں کے نظام کا مطالعہ کیا۔ انگلستان سے واپسی پر انہوں نے "خواستگاری ترقی تعلیم مسلمانانِ ہند" کے نام سے ایک کمیٹی قائم کی۔

7۔ایم اے او سکول کی بنیاد:۔

کمیٹی نے پہلے قدم کے طور پر 1875ء میں علی گڑھ کے مقام پر محمڈن اینگلو اورینٹل سکول (ایم۔اے۔او سکول) قائم کیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

8۔کالج کا قیام:۔

دو سال بعد، 1877ء میں قائم ایم اے او سکول کو کالج کا درجہ دے دیا گیا۔ کالج کا سنگِ بنیاد وائسرائے لارڈ لٹن نے رکھا۔ وائسرائے نے اپنی جیب سے دس ہزار روپے چندہ دیا۔

9۔محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام:۔

ہندوستان کے دوسرے حصوں میں جا کر مسلمانوں کو تعلیم کی اہمیت سے آگاہ کرنے کے لیے 1886ء میں سرسیدؒ نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی، سرسیدؒ کے انتقال کے بعد 1906ء میں اسی کانفرنس کے ایک جلسے میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔

10۔سیاسی خدمات اور دو قومی نظریہ:۔

سیاست کے میدان میں سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ ذیل خدمات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

الف۔ انہوں نے امپیریل لیجسلیٹو کونسل (Imperial Lagislative Council) کے رکن کی حیثیت سے ہندوستانیوں کے مطالبات کے حق میں آواز اٹھائی۔

ب۔ 1867ء میں جب بنارس کے ہندوؤں نے اُردو کی بجائے ہندی کو سرکاری دفاتر میں رائج کرنے کی تحریک چلائی تو سر سید رحمۃ اللہ علیہ جو ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے، انھیں نہایت مایوسی ہوئی۔ انہوں نے مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ اس کی وضاحت انہوں نے ان الفاظ میں کی:

''وائسرائے کی کونسل میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد متعین ہونی چاہیے ہندو ممبروں کو ہندو منتخب کریں اور مسلمان ممبروں کو مسلمان''۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD KHAN-03499815886

مسلم لیگ کا قیام

قیام کا پس منظر:۔

مندرجہ ذیل اسباب مسلم لیگ کے قیام کا باعث بنے۔

1۔برطانوی نظام حکومت:۔

1858ء کے بعد قائم ہونے والا برطانوی نظام حکومت جمہوری تھا۔ ہندو چونکہ تعداد میں زیادہ تھے لہٰذا جمہوری نظام میں ہندوستان کی حکومت کے قابض ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ معاشی طور پر انگریز مسلمانوں کو پہلے ہی پس ماندہ بنا چکے تھے۔

2۔انتہا پسند ہندوؤں کا تعصب:۔

1867ء میں بنارس کے ہندوؤں نے اردو کے خلاف اور ہندی کو سرکاری زبان بنانے کے حق میں تحریک چلائی۔ اس دور میں ہندو انتہا پسندوں نے مسلمانوں کے خلاف ''آریہ سماج''، جیسی تحریکیں چلا کر انہیں دوبارہ ہندو بنانے کی کوشش کی۔ ہندو ادیبوں اور شاعروں نے مسلمانوں کے خلاف نفرت اور تعصب پھیلایا اور لوگوں کے جذبات بھڑکائے۔

3۔انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد:۔

1885ء میں ایک ریٹائرڈ انگریز افسر اے او ہیوم نے "انڈین نیشنل کانگریس" کی بنیاد رکھی۔ ہندوؤں نے اس جماعت کا خیر مقدم کیا اور بڑی تعداد میں کانگرنس میں شامل ہوگئے۔

4۔جداگانہ انتخابات کا مطالبہ:۔

سرسیدؒ نے کہا کہ برطانوی طرز کا جمہوری نظام ہندوستان کے حالات کے مناسب نہیں ہے کیونکہ اس طریق انتخابات کے نتیجے میں مسلمان ہمیشہ کے لیے ہندوؤں کے غلام بن جائیں گے۔ انہوں نے جداگانہ انتخاب کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز کو کامیاب بنانے کے لیے ضروری تھا کہ مسلمان اپنی نمائندہ سیاسی جماعت قائم کریں۔

5۔بنگال کی تقسیم اور کانگریس کا رویہ:۔

1905ء میں برطانوی حکومت نے صوبہ بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ چونکہ مشرقی بنگال کے مسلم اکثریت کا صوبہ بن جانے سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا اس لیے ہندوؤں نے اس کی مخالفت شروع کر دی اور پورے ملک خصوصاً بنگال میں توڑ پھوڑ اور تشدد کی تحریک چلائی۔ کانگرس نے اس تحریک میں ہندوؤں کی حمایت کر کے مسلمانوں کو مایوس کر دیا۔

6۔برطانیہ میں حکومت کی تبدیلی:۔

1905ء کے انتخابات میں برطانیہ میں لبرل پارٹی بر سر اقتدار آگئی۔ اس پارٹی نے ہندوستان میں آئینی اصلاحات نافذ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مسلمان رہنماؤں نے باہمی مشورے کے بعد طے کیا کہ انہیں مسلمان قوم کے مطالبات حکومت کے سامنے پیش کرنے چاہئیں۔

7۔شملہ وفد کی کامیابی:۔

35 مسلمان رہنماؤں کے ایک وفد نے یکم اکتوبر 1906ء کو شملہ میں وائسرائے لارڈ منٹو سے ملاقات کی اور مسلمانوں کے مطالبات وائسرائے کے سامنے پیش کئے جن میں اہم ترین مطالبہ یہ تھا کہ تمام نمائندہ اداروں میں مسلمانوں کے لیے نشستیں مخصوص کی جائیں، ان نشستوں پر انتخاب صرف مسلمان ووٹرز کریں۔ وائسرائے نے شملہ وفد کے مطالبات سے ہمدردی کا اظہار کیا جس سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہوئی۔

8۔آل انڈیا مسلم لیگ کی تاسیس:۔

دسمبر 1906ء میں "آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" کے سالانہ اجلاس کے بعد نواب وقار الملک کی زیر صدارت ایک جلسہ ہوا جس میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ مسلم لیگ کے قیام کی قرارداد نواب سلیم اللہ نے پیش کی۔ مولانا ظفر علی خانؒ، حکیم اجمل خانؒ اور مولانا محمد علی (جوہرؒ) نے اس کی تائید کی، سر آغا پہلے صدر بنائے گئے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

اغراض و مقاصد:۔

قیام کے وقت مسلم لیگ کے لیے درج ذیل مقاصد کا تعین کیا گیا:

۱۔ ہندوستانی مسلمانوں میں برطانوی حکومت کے لیے وفاداری کے جذبات پیدا کرنا اور حکومت کی کسی کاروائی سے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے شبہات کو دور کرنا۔

۲۔ مسلمانوں کے حقوق، بالخصوص سیاسی حقوق، کی حفاظت کرنا اور ان کی خواہشات و ضروریات کو مودبانہ طریقے سے حکومت تک پہنچانا۔

۳۔ مندرجہ بالا مقاصد کو نقصان پہنچائے بغیر دوسری ہمسایہ قوموں سے مفاہمت اور دوستی کے تعلقات پیدا کرنا۔

مقاصد میں تبدیلی:۔

مارچ 1913ء میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تجویز پر مسلم لیگ کے آئین میں تبدیلی کی گئی اور حکومت سے وفاداری کی بجائے تاجِ برطانیہ کے تحت ''ہندوستان کے حالات کے مطابق سیلف گورنمنٹ کا قیام'' مسلم لیگ کا مقصد قرار پایا۔ اس طرح مسلم لیگ کی تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

تحریک خلافت۔ واقعات و نتائج

پس منظر:۔

پہلی جنگ عظیم (1914ء تا 1918ء) میں برطانیہ اور اس کے اتحادی (جن میں امریکہ بھی شامل تھا) ترکی پر فتح پانے میں کامیاب ہو گئے۔ جنگ کے اختتام پر ایسے حالات نظر آنے لگے کہ اتحادی طاقتیں ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کے کچھ حصوں پر قابض ہو جائیں گی، مسلمانوں کے مقدس مقامات کی بے حرمتی کی جائے گی اور ترکی خلافت کو جسے پوری دنیا کے مسلمان، عالم اسلام کے اتحاد کی علامت سمجھتے تھے ختم کر دیا جائے گا۔ ان امکانات نے ہندوستان کے مسلمانوں کو مشتعل اور مضطرب کر دیا، انہوں نے خلافت کے تحفظ کے لیے پورے ہندوستان میں ایک زبردست تحریک چلائی جس میں ہندوؤں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔

تحریک خلافت کے اہم واقعات:۔

خلافت کمیٹی کا قیام:۔

خلافت کے مسئلے پر رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے اور منظم جدوجہد کی غرض سے 1919ء میں ''آل انڈیا خلافت کمیٹی'' کی بنیاد رکھی گئی۔

ہندو مسلم اتحاد اور ترکِ موالات کا فیصلہ:۔

1919ء میں کانگرس نے خلافت کے مسئلے پر مسلمانوں سے تعاون کا فیصلہ کیا اور گاندھی جی کو پروگرام تشکیل دینے کا اختیار دیا۔ گاندھی جی نے حکومت سے عدم تعاون کا چار مرحلوں پر مشتمل پرامن مزاحمت کا پروگرام پیش کیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN 03009815886

خلافت وفد:۔

1920ء میں مولانا محمد علی جوہرؒ کی قیادت میں ایک وفد برطانوی حکمرانوں اور رائے عامہ کو خلافت کے مسئلے پر مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کرنے کے لیے برطانیہ گیا۔ حکومتِ برطانیہ نے وفد کی بات سننے سے انکار کر دیا۔

معاہدہ سیورے:۔

مئی 1920ء میں اتحادی طاقتوں نے ایک معاہدے کے ذریعے ترکی کے مستقبل کا فیصلہ کر دیا۔ یورپ اور عالمِ عرب میں ترکی کے تمام مقبوضہ علاقے اس سے چھین لیے گئے۔ یہ معاہدہ جس مقام پر ہوا اس کا نام سیورے تھا۔

تحریکِ ترک موالات:۔

مولانا محمد علیؒ، مولانا شوکت علیؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا حسرت موہانیؒ نے اپنی شعلہ بیاں تقریروں سے پورے ہندوستان کو جذبات کا آتش فشاں بنا دیا۔ خلافت کمیٹی نے یکم اگست 1920ء کو پورے ہندوستان میں ہڑتال کرائی اور گاندھی جی کو تحریک عدم تعاون کا لیڈر منتخب کیا۔ ترکِ موالات کی تحریک میں عدالتوں کا بائیکاٹ کیا گیا۔ ملازمین نے سرکاری ملازمتیں ترک کر دیں، طلباء نے حکومت کے تعلیمی ادارے چھوڑ دیئے اور بعض خطاب یافتہ لوگوں نے خطابات حکومت کو واپس کر دیئے۔ علی برادران کو حکومت نے بغاوت کے الزام میں گرفتار کے دو سال قید سخت کی سزا دی گئی۔

سول نافرمانی:۔

نومبر 1921ء میں حکومت کے احکام کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی تحریک شروع ہوئی اور تقریباً بیس ہزار افراد نے گرفتاریاں پیش کیں۔

موپلا بغاوت:۔

1921ء میں جنوبی ہند کے عربی النسل موپلا قبائل اور ہندو ساہوکاروں کے درمیان کسی مقامی مسئلے پر فسادات ہوئے جن کو بہانہ بنا کر حکومت نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوا دی، ہندوستان میں متعدد مقامات پر ہندو مسلم فسادات ہوئے۔

چوراچوری کا سانحہ:۔

1922ء میں یو۔پی کے قصبے چوراچوری میں ایک مشتعل ہجوم نے ایک تھانے کا گھیراؤ کیا اور پولیس کے 21 ملازمین کو جلا کر ہلاک کر دیا۔

تحریک کا خاتمہ:۔

چوراچوری کے سانحہ کو بنیاد بنا کر گاندھی جی نے اعلان کیا کہ چونکہ یہ تحریک اب عدم تشدد کے اصول پر قائم رہی اس لیے اس کو ختم کر دینا بہتر ہے۔ انہوں نے عین عروج کے زمانے میں سول نافرمانی کی تحریک کو ختم کر دیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

لیڈرشپ کا ردِّ عمل:۔

تمام ہندو اور مسلمان لیڈروں نے تحریک کے اچانک خاتمے پر افسوس اور حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ اب جبکہ ہندوستان کی آزادی کی منزل قریب آچکی تھی اس قسم کے فیصلے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

خلافت کا خاتمہ:۔

ترکی میں اتاترک کو اقتدار حاصل ہو گیا اور انہوں نے 3 مارچ 1924ء کو خلافت کے ہمیشہ کے لیے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح ہندوستان میں خلافت کے حق میں تحریک چلانے کا جواز ختم ہو گیا۔

تحریک خلافت کے اثرات و نتائج:۔

مسلمان خلافت کو قائم نہ رکھ سکے اس طرح تحریک خلافت اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام ہو گئی۔ اس کے باوجود اس تحریک نے جنوبی ایشیا کی سیاست پر گہرے اور دوررس اثرات مرتب کیے:

1۔ برصغیر میں عوامی سیاست کا آغاز:۔

تحریکِ خلافت ہندوستان کی تاریخ کی سب سے بڑی ملک گیر عوامی تحریک تھی۔ اس تحریک میں سیاسی رہنماؤں کو پہلی مرتبہ عوام سے رابطہ قائم کرنے کا موقع ملا۔ عوام میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی۔ یہ بیداری آگے چل کر ہندوستان کی آزادی اور پاکستان کے قیام کی تحریک میں مددگار ثابت ہوئی۔

2۔ آزادی ہند کی طرف ایک قدم:۔

تحریک خلافت سے انگریزوں کو ہندوستان کے عوام کی زبردست قوت، خصوصاً مسلمانوں کے دینی جذبے کی شدت کا اندازہ ہوا۔ اپنے اسی تجربے کو سامنے رکھتے ہوئے برطانوی حکومت نے بعد میں ہندوستان کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔

3۔ مسلمانوں کے شعورِ ملی کی تربیت:۔

تحریک خلافت نے مسلمانوں میں دین اور سیاست کی علیحدگی کے غیر اسلامی تصور کو ختم کرنے میں مدد دی۔ تحریک خلافت ایک ایسی سیاسی تحریک تھی جس کی بنیاد ایک دینی مسئلے پر تھی اور اس کی قیادت علماء کے ہاتھ میں تھی۔

4۔ ترک مجاہدین کی حوصلہ افزائی:۔

اگرچہ ہندوستان کے مسلمان خلافت کو زندہ نہ رکھ سکے لیکن جنگ کے نتیجے میں جو کچھ بچ سکا اسے بچانے اور پیش قدمی کر کے دشمنوں سے اپنے علاقے واپس لینے کی جدوجہد میں تحریک خلافت نے ترک سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ تحریک کے قائدین تحریروں اور تقریروں کو ترجمہ کر کے ترکی میں پھیلایا جاتا جس سے ترکوں میں لڑنے کا نیا ولولہ پیدا ہوتا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03

5۔اعتدال پسندی کی فتح:۔

مسلمانوں میں قائدِاعظم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جیسے اعتدال پسند رہنما بھی تھے جو اگرچہ ترکوں سے پوری ہمدردی رکھتے تھے لیکن ان کو یقین تھا کہ اشتعال اور ہنگامہ آرائی کی سیاست کے ذریعے کوئی بڑی اور پائیدار کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی لہٰذا یہ قائدین عملی طور پر تحریکِ خلافت سے علیحدہ رہے اور تحریک کی ناکامی نے ان کے نقطہ نظر کو درست ثابت کر دیا۔

قراردادِ پاکستان

پس منظر:۔

قراردادِ پاکستان ہماری آزادی کی شاہراہ کا سب سے روشن سنگ میل ہے۔ 24 مارچ 1940ء کو لاہور کے ایک تاریخی جلسے میں ملت اسلامیہ ہند نے قطعی طور پر اپنی منزل کا تعین کر لیا۔ اس تاریخ ساز فیصلے کے پس منظر کے اہم ترین واقعات درج ذیل ہیں:

1۔دو قومی نظریہ:۔

مسلمان اپنے عقیدے کی رو سے ایک جداگانہ قوم ہیں۔ ان کی دینی اور ملی امنگیں ایک ایسی اسلامی ریاست میں زیادہ بہتر طور پر بروئے کار آسکتی ہیں جہاں وہ آزاد ہوں اور جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے نظام کے تحت زندگی گزار سکیں۔

2۔انتہا پسند ہندوؤں کی تنگ نظری:۔

ہندوؤں کے ساتھ ایک ہزار سال تک اکٹھا رہنے کے بعد ہندوستان کے مسلمان اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ انتہاء پسند ہندو انھیں کبھی باعزت ہمسایوں کا مقام دینے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ انتہا پسند ہندو پہلے ہی یہ اعلان کر چکے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان ہندو مذہب اختیار کر لیں یا ہندوستان چھوڑ دیں۔

3۔اقبال کا تصورِ ملت:۔

1930ء میں الٰہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا شمال مغربی ہندوستان میں مسلمان وسیع و عریض علاقے میں آباد ہیں ان کا یہ حق ہے کہ مستقبل کے ہندوستانی آئین میں ان کے حقوق کا تعین ان کو ایک قوم سمجھتے ہوئے کیا جائے۔

4۔کانگریس کا دورِ حکومت:۔

ہندو تعصب کا وہ مظاہرہ جو مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کا فوری سبب بنا۔ 1937ء میں قائم ہونے والی کانگریسی وزارتوں کے دورِ حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔ 1937ء سے 1939ء تک کام کرنے والی کانگریسی وزارتوں نے مسلمانوں کو متحدہ ہندوستان میں بحیثیت قوم ان کے مستقبل سے مایوس کر دیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN

5۔ مسلم لیگ کی مقبولیت:۔

کانگرسی حکومتوں کے مسلمانوں سے تعصب اور قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کی شاندار حکمت عملی نے اس مسلم لیگ کو جو 1936ء1937ء کے انتخابات میں بری طرح ناکام رہی تھی، دو سال کی قلیل مدت میں ایک زبردست قوت بنادیا۔ ہندوستان کے ہر حصے میں مسلمان رہنمائی کے لیے مسلم لیگ کی طرف دیکھنے لگے۔

6۔ مسلم لیگ کالاہوراجلاس:۔

1940ء میں مسلم لیگ کا سالانہ تاریخی اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ 22مارچ 1940ء کو بعد از نماز جمعہ منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) میں تقریباً ایک لاکھ افراد کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا:

> "لفظ قوم کی کسی بھی تعریف کی رو سے مسلمان ایک قوم ہیں، ان کا اپنا وطن اپنا خطہ ارض اور اپنی ریاست ہونی چاہیے۔ ہم آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن اور آشتی سے رہنا چاہتے ہیں۔ یہ کوشش کی جارہی ہے کہ ہندوستان میں ایک مرکزی حکومت قائم کر دی جائے، حالانکہ بارہ سو برس کی تاریخ شاہد ہے کہ یہ اتحاد کبھی حاصل نہیں ہو سکا، ہندوستان ہمیشہ سے ہی ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں تقسیم رہا ہے۔"

قرارداد لاہور کی منظوری:۔

23مارچ 1940ء کو بنگال کے وزیراعلیٰ مولوی فضل الحقؒ نے مسلم لیگ کے لاہور اجلاس میں وہ تاریخی قرارداد پیش کی جو بعد میں "قرارداد پاکستان" کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ قرارداد 24مارچ کے اجلاس میں منظور کی گئی۔

قرارداد لاہور کے اہم نکات:۔

قرارداد لاہور کی صورت میں مسلمانان ہند نے دوٹوک انداز میں یہ بات واضح کر دی کہ وہ مستقبل میں صرف اسی آئین کو قبول کریں گے جو مندرجہ ذیل اصولوں کو سامنے رکھ کر تشکیل دیا جائے گا۔

1۔ وفاقی سکیم کی مخالفت:۔

وہ وفاقی سکیم جو 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں پیش کی گئی ہے اس ملک کے حالات میں قطعاً ناموزوں اور ناقابل عمل ہے۔ ہندوستان کے مسلمان اسے کبھی قبول نہیں کریں گے۔

2۔ خود مختار ریاستوں کا قیام:۔

مسلمان صرف اس دستور کو قبول کریں گے جس کے تحت ہندوستان کے شمال مشرق اور شمال مغرب میں واقع علاقوں کو ملا کر آزاد اور خود مختار ریاستوں کی حیثیت دی گئی ہو۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAL KHAN-03495815866

3۔اقلیتوں کے لیے تحفظات:۔

نئی قائم ہونے والی مسلم اور غیر مسلم ریاستوں کے دساتیر میں اقلیتوں کے مشورے سے ان کے مذہبی، ثقافتی، اقتصادی، سیاسی اور انتظامی حقوق و مفادات کی حفاظت کے لیے کافی و موئثر تحفظات رکھے جائیں۔

4۔ریاستوں کی آزادی کی حدود کا تعین:۔

اس اجلاس نے (مسلم لیگ کی) ورکنگ کمیٹی کو یہ اختیار دیا کہ مندرجہ بالا بنیادی اصولوں کی روشنی میں ایک ایسی دستوری سکیم مرتب کرے، جس میں ان ریاستوں کو سارے معاملات یعنی دفاع، خارجہ، رسل ورسائل کسٹم اور دیگر ضروری امور کا اختیار دیا گیا ہو۔

تجزیہ:۔

قرارداد لاہور کے تجزیاتی مطالعہ سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

نام لیے بغیر آزاد ریاست کا مطالبہ:۔

قرارداد میں کہیں بھی، پاکستان، کا نام استعمال نہیں کیا گیا۔

ریاست (State) کی بجائے ریاستوں (States) کا مطالبہ:۔

قرارداد لاہور میں آزاد ریاست (State) کی بجائے ریاستوں (States) کا لفظ استعمال کیا گیا تھا لیکن 1941ء میں اس الجھن کو دور کرنے کے لیے مسلم لیگ کے مدراس اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی گئی، جس میں کہا گیا کہ:

> "ہر شخص کو یہ بات غور سے سن لینی چاہیے کہ ہم ایک آزاد اور خود مختار مسلم ریاست کے قیام کی کوشش کر رہے ہیں۔"

غیر متعین حدود:۔

قرارداد لاہور میں مطلوبہ ریاستوں کی حدود واضح طور پر متعین نہیں کی گئیں بلکہ خطوں، اکائیوں اور علاقوں وغیرہ کے لفظ استعمال کئے گئے۔

رد عمل کی وضاحت:۔

قرارداد لاہور کی منظوری کے فوراً بعد ہندو اخبارات نے مذاق کے طور پر "اسے قرارداد پاکستان" کہنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے اس "طعنے" کو خوشی سے قبول کر لیا۔ اور کچھ ہی عرصہ بعد قرارداد لاہور، قراردادِ پاکستان کے نام سے مشہور ہو گئی۔ خود قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کچھ عرصہ بعد پاکستان کا نام اپنی تقریروں میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ 1946ء میں دہلی میں ہونے والے مسلم نمائندوں کے کنونشن نے ان تمام نکات کی وضاحت کر دی جو قرارداد پاکستان میں واضح نہیں ہو سکے تھے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

قرارداد لاہور کی اہمیت:۔

قرارداد لاہور کی منظوری کو بلاشبہ مسلمانان ہند کی جدوجہد آزادی کے اہم ترین واقعہ کی حیثیت حاصل ہے۔اس کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

نصب العین کا تعین:۔

قراردادِ لاہور کی صورت میں جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں نے اپنی نمائندہ جماعت آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے پہلی مرتبہ آزاد اسلامی ریاست کے قیام کو اپنا قطعی نصب العین قرار دیا اور اس کے لیے ہر قسم کی قربانیاں دینے کا عزم کیا۔

مسلم لیگ کی قیادت پر اظہارِ اعتماد:۔

مسلمانوں کی اپنے نصب العین سے وابستگی اور مسلم لیگ پر اعتماد کا مظاہرہ 46-1945ء کے انتخابات میں ہوا۔یہ انتخابات مسلم لیگ نے پاکستان کے نعرے پر لڑے۔46-1945ء کے انتخابات میں 1937ء کے انتخابات کی یہ شکست خوردہ جماعت ایک بہت بڑی طاقت بن کر ابھری۔

قیامِ پاکستان:۔

اس قرارداد نے مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کا رخ متعین کر دیا اور انہیں وہ عزم اور حوصلہ عطا کیا جس کے باعث وہ صرف سات سال کی مختصر مدت میں اپنا آزاد وطن ''پاکستان'' حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

کرِپس مشن

دوسری جنگ عظیم کے دوران 1942ء کے ابتدائی مہینوں میں ایک ایسا وقت آیا جب برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کی پوزیشن بہت کمزور نظر آنے لگی۔ حکومتِ برطانیہ کو اپنی جنگی ضروریات کے لیے ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے تعاون کی ضرورت تھی۔ لہٰذا برطانیہ کے وزیر اعظم سر ونسٹن چرچل نے آئینی تجاویز کا ایک مسودہ تیار کرایا اور مارچ 1942ء میں سر سٹیفرڈ کرپس کے ہاتھوں یہ مسودہ ہندوستان بھیجا۔ کرپس نے ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں سے گفتگو کرنے کے بعد 30 مارچ 1942ء کو یہ مسودہ شائع کیا۔

کرپس مشن کی تجاویز:۔

1۔ جنگ کے خاتمے پر ہندوستان کے لیے ہندوستان کے نمائندوں پر مشتمل ایک دستور ساز ادارہ قائم کیا جائے گا۔

2۔ ہندوستان کو درجہ نو آبادیت (Dominion Status) دیا جائے گا۔اسے مکمل خود مختاری حاصل ہوگی۔

3۔ دستور ساز ادارے میں شاہی ریاستوں کو بھی نمائندگی دی جائے گی۔

4۔ اس آئین کو نافذ کرنے کی ذمہ داری حکومت برطانیہ پر ہوگی لیکن اگر صوبہ نئے آئین کو قبول نہ کرے تو وہ اپنی موجودہ حیثیت کو برقرار رکھ سکے گا۔ بعد میں اسے نئے آئین کے تحت وفاق میں شامل ہونے کی آزادی حاصل ہوگی۔

5۔ جنگ کے خاتمے پر صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوں گے۔ صوبائی اسمبلیوں کے ارکان اپنی تعداد کے دسویں حصے کے برابر تعداد میں دستور ساز اسمبلی کے ارکان کا انتخاب کریں گے۔

6۔ جنگ کے خاتمے تک حکومت برطانیہ ہندوستانی عوام کے تعاون سے حکومت کا کاروبار چلاتی رہے گی۔

7۔ اس منصوبے میں ترمیم نہیں کی جاسکے گی اسے مکمل طور پر قبول یا مکمل طور پر مسترد کرنا ہوگا۔

ردعمل:۔

دونوں بڑی جماعتوں کانگریس اور مسلم لیگ نے کرپس کے منصوبے کو مسترد کر دیا۔ کانگرس نے اس لیے کہ وہ حکومت برطانیہ کی مشکلات سے فائدہ اٹھا کر فوری اور مکمل آزادی کا مطالبہ منوانا چاہتی تھی۔ دوسرے یہ کہ اسے منصوبے میں ہندوستان کی تقسیم کے امکانات نظر آتے تھے۔ مسلم لیگ نے کہا کہ منصوبے میں ایک وفاقی ہندوستان کا تصور پیش کیا گیا ہے جب کہ مسلم لیگ کی یہ طے شدہ پالیسی ہے کہ برصغیر کے مسئلے کا واحد حل برصغیر کی تقسیم ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMED KHAN-03499815886

1945-46 کے انتخابات

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد دسمبر 1945ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی جنوری 1946ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات منعقد ہوئے۔ مسلم لیگ نے یہ انتخابات دو اصولوں کی بنیاد پر لڑے:

1۔ مسلم لیگ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔

2۔ مسلم لیگ کا نصب العین پاکستان کا قیام ہے۔

ان انتخابات میں مسلم لیگ کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کے لیے 30 نشستیں مخصوص تھیں، جو تمام مسلم لیگ نے جیت لیں۔ دسمبر 1946ء تک صورت حال یہ ہو چکی تھی کہ صوبائی اسمبلیوں کے 495 مسلمان ارکان میں سے 440 ارکان مسلم لیگ سے تعلق رکھتے تھے۔ مسلم لیگ کی اس عظیم کامیابی نے اس کے دونوں دعوؤں کی تصدیق کر دی۔ یعنی یہ ثابت ہو گیا کہ مسلم لیگ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی اور یہ کہ پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ اور نصب العین تھا۔

مسلم لیگ نے اپنے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے مسلمان نمائندوں کا ایک کنونشن دہلی میں منعقد کیا۔ یہ کنونشن 7 سے 9 اپریل تک جاری رہا۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کنونشن کی صدارت کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا:

> "ہماری تجویز کے مطابق دستور بنانے کے لیے دو بااختیار دستور ساز اسمبلیاں ہوں گی ایک ہندوستان کے لیے دوسری پاکستان کے لیے۔"

کابینہ مشن کا منصوبہ

پس منظر:۔

1945-46ء کے انتخابات کے دوران حکومت برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ برطانوی کابینہ کے ارکان پر مشتمل ایک وفد ہندوستان بھیجا جائے گا جو ہندوستانی نمائندوں، سیاسی جماعتوں، رائے عامہ کے مختلف طبقات اور حکومت ہند کے مشورے سے ہندوستان کے دستوری مسئلے کا قابل عمل حل تلاش کرے گا۔

وفد کی آمد:۔

برطانوی حکومت نے تین وزراء پر مشتمل ایک وفد ہندوستان بھیجا جو 24 مارچ 1946ء کو لندن سے دہلی پہنچا۔ کانگریس کی طرف گاندھی جی اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے متحدہ ہندوستان اور وفاقی نظام حکومت کا مطالبہ پیش کیا۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے قیام پاکستان کو ہندوستان کے مسئلے کا واحد حل قرار دیا۔

ہندوستانی قیادت سے مذکرات اور ناکامی:۔

کانگریس اور مسلم لیگ کے نقطہ نظر میں وسیع اختلاف تھا۔ اس اختلاف میں مصالحت کا راستہ تلاش کرنے کے لیے کابینہ مشن کے ارکان نے 5 تا 12 مئی 1946ء شملہ میں دونوں بڑی سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کی کانفرنس بلائی۔ اس کانفرنس کے دو اجلاس ہوئے لیکن بنیادی اختلافات پر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا اس لیے کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کر دیا گیا۔

سفارشات:۔

کانفرنس کی ناکامی کے بعد 16 مئی 1946ء کو مشن نے اپنی تجاویز اس دعوے کے ساتھ پیش کیں کہ ان کو قبول کرنے کی صورت میں مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو ضروری تحفظات بھی حاصل ہو جائیں گے اور ہندوستان کی وحدت بھی برقرار رہ سکے گی۔

تجاویز کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

1۔ آل انڈیا یونین کا قیام:۔

برطانوی ہند اور شاہی ریاستوں پر مشتمل ایک کل ہند یونین قائم کی جائے گی جسے امور خارجہ دفاع اور مواصلات پر کنٹرول حاصل ہو گا۔ مرکز کو ٹیکس لگانے کا اختیار حاصل ہو گا، یونین کی اپنی پارلیمنٹ اور انتظامیہ ہو گی۔

2۔ صوبوں کی گروپوں میں تقسیم:۔

صوبوں کو تین گروپوں میں تقسیم کیا گیا۔ گروپ الف میں چھ ہندو صوبے تھے، گروپ ب میں تین مسلمان صوبے اور گروپ ج میں دو مسلمان صوبے شامل تھے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03199015886

3۔ صوبائی گروپوں کی داخلی آزادی:۔

کہا گیا کہ آئین ساز اسمبلی کے ارکان تین حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور اپنے اپنے گروپ میں شامل صوبوں کے لیے آئین بنائیں گے۔ نئے آئین کے تحت پہلے انتخابات کے دس برس بعد کسی صوبے کی مجلس قانون ساز یہ کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ صوبے کی گروپ سے علیحدگی کا فیصلہ کر سکے۔

4۔ عبوری مرکزی حکومت کا قیام:۔

دستور کی تیاری اور نفاذ تک تمام بڑی سیاسی جماعتوں پر مشتمل ایک عبوری حکومت مرکز میں قائم کی جائے گی جس میں وزارت دفاع سمیت تمام عہدے ہندوستانیوں کو دیئے جائیں گے۔

رد عمل:۔

مسلم لیگ نے کابینہ مشن کا منصوبہ مکمل طور پر منظور کر لیا۔ کیونکہ اس میں قیام پاکستان کے امکانات موجود تھے۔ کانگریس نے گروپوں کی تشکیل اور آئین سازی کے بارے میں تجاویز کو منظور کر لیا لیکن یہ کہہ کر اپنی منظوری کو بے معنی بنا دیا کہ یہ تجاویز محض سفارشات کا درجہ رکھتی ہیں اس لیے دستور ساز اسمبلی (جس میں ظاہر ہے کانگریس کی اکثریت ہونا تھی) اس منصوبے میں تبدیلیاں کر سکے گی۔ کانگریس کے رویے کو دیکھتے ہوئے مسلم لیگ نے بھی کابینہ مشن کے منصوبے کے لیے اپنی منظوری کو واپس لے لیا۔

شملہ کانفرنس

1944ء میں ویول کو وائسرائے بنا کر بھیجا گیا۔ ویول نے ہندوستان آنے کے بعد برصغیر کے سیاسی مسئلے کے حل کے لیے اپنے منصوبے کا اعلان کیا۔ اس منصوبے میں وعدہ کیا گیا کہ وائسرائے کی انتظامی کونسل میں فوج کے کمانڈر انچیف کے علاوہ باقی تمام ارکان ہندوستانی ہونگے۔ اس میں تمام قومیتوں کو نمائندگی دی جائے گی۔ مسلمان ارکان کی تعداد اعلیٰ ذات کے ہندو ارکان کے برابر ہو گی۔

اپنے منصوبے پر غور و فکر کے لیے ویول نے جون 1945ء میں تمام سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کی ایک کانفرنس شملہ میں طلب کی۔ گاندھی جی کے علاوہ تمام اہم قائدین نے شرکت کی۔ کانگریس نے مطالبہ کیا کہ اسے مسلمانوں کے لیے مخصوص نشستوں میں سے ایک نشست پر نمائندہ مقرر کرنے کا اختیار دیا جائے۔ حکومت خود بھی یہ چاہتی تھی کہ پنجاب سے یونینسٹ پارٹی کا ایک مسلمان ممبر نامزد کرے۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ تھا کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے اور صرف اسی کو تمام مسلمان نمائندوں کے تقرر کا حق حاصل ہے۔ اس مسئلے پر اتفاق رائے نہ ہونے کے باعث کانفرنس ناکام ہو گئی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

عبوری حکومت کا قیام

کابینہ مشن کے منصوبے پر عمل درآمد کے پہلے مرحلے کے طور وائسرائے لارڈ ویول نے جون 1946ء میں عبوری حکومت قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور اعلان کیا کہ اگر کسی ایک یا دونوں بڑی سیاسی جماعتوں (کانگریس اور مسلم لیگ) نے حکومت میں شرکت نہ کی تب متبادل انتظام کر کے حکومت تشکیل دی جائے گی۔ مسلم لیگ نے حکومت میں شامل ہونے پر رضامندی کا اظہار کیا لیکن کانگریس نے شرکت سے انکار کر دیا۔ اب طے شدہ اصول کے مطابق وائسرائے کو چاہیے تھا کہ وہ مسلم لیگ کو حکومت بنانے کی دعوت دیتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ ان حالات میں مسلم لیگ نے کابینہ مشن کے منصوبے سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا۔ اور حصول پاکستان کے لیے راست اقدام کا فیصلہ کیا۔

مسلم لیگ کے انکار کے بعد 6 اگست 1946ء کو وائسرائے نے پنڈت نہرو کو عبوری حکومت بنانے کی دعوت دی۔ حالانکہ کانگرس نے کابینہ مشن کے منصوبے کو تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں سے اپیل کہ وہ 16 اگست 1946ء کو راست اقدام کے دن کی حیثیت سے منائیں۔ اس دن حکومت کے تمام خطاب یافتہ مسلمان اپنے خطابات واپس کر دیں۔ یہ اپیل خاصی موثر ثابت ہوئی، ہندوؤں نے راست اقدام کو ناکام بنانے کے لیے مسلم لیگ کے جلسوں اور جلوسوں پر حملے کیے۔ کلکتہ میں ہندو مسلم فسادات میں ہزاروں افراد ہلاک ہوئے، پورے ملک میں فرقہ وارانہ کشیدگی پھیل گئی۔

ان حالات میں حکومت یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ مسلم لیگ کے تعاون کے بغیر عبوری حکومت کا چلنا ممکن نہیں ہوگا۔ لہٰذا مسلم لیگ کو بھی حکومت میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی جو مسلم لیگ نے قبول کرلی۔ 26 اکتوبر کو مسلم لیگ کے پانچ نمائندوں نے حلف اٹھایا۔ لیاقت علی خان وزیر مالیات بنائے گئے۔ چونکہ تمام محکمے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وزارت مالیات کے محتاج تھے اس لیے تمام کانگریسی وزراء مسلم لیگ کے سامنے بے بس ہوگئے۔ لیاقت علی خان نے ایسا بجٹ پیش کیا جس سے کانگریس کی سرپرستی کرنے والے ہندو سرمایہ داروں کے مفادات پر ضرب پڑتی تھی۔ اب کانگرسی لیڈر گھٹنے ٹیک کر خود حکومت سے یہ مطالبہ کرنے پر مجبور ہوگئے کہ مسلمانوں کو پاکستان دے دیا جائے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS- TOUSEEF AHMAD KHAN-0349901588

تین جون کا منصوبہ

پس منظر:۔

20 فروری 1947ء کو برطانیہ کے وزیراعظم اٹیلی نے دارالعلوم میں ایک اہم اعلان کیا جس میں تین باتیں خاص طور پر اہم تھیں:

1۔ حکومت برطانیہ ہر حالت میں جون 1948ء سے پہلے اقتدار ہندوستان کے منتخب نمائندوں کے سپرد کر دینا چاہتی ہے۔

2۔ اگر دستور ساز اسمبلی مقررہ تاریخ تک آئین نہ بنا سکی تو حکومت برطانیہ یہ فیصلہ کرے گی کہ اختیارات کسی مرکزی حکومت کے سپرد کیے جائیں، بعض صوبائی حکومتوں کو دیے جائیں یا کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے۔

3۔ ویول کی جگہ مونٹ بیٹن کو ہندوستان کا نیا وائسرائے مقرر کیا گیا۔

مونٹ بیٹن مارچ 1946ء کے آخری ہفتے میں ہندوستان پہنچے۔ انہیں ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں سے گفت وشنید کے بعد ہی یہ انداز ہو گیا کہ ہندوستان کو متحد رکھنا اب ناممکن ہو چکا ہے۔ لہٰذا انہوں نے ہندوستان کی تقسیم کی ایک سکیم مرتب کی اور مئی 1947ء میں یہ سکیم لے کر لندن روانہ ہو گئے۔ حکومت برطانیہ سے منظوری حاصل کرنے کے بعد ہندوستان واپس آ کر مونٹ بیٹن نے یہ منصوبہ 2 جون 1947ء کو قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ سمیت ہندوستان کے سات سرکردہ رہنماؤں کو دکھایا۔ ان کی منظوری کے بعد 3 جون 1947ء کو وائسرائے نے تقسیم ہند کے اس منصوبے کا اعلان کر دیا۔ تین جون کے منصوبے کے اہم نکات مندرجہ ذیل تھے:

1۔ حکومت برطانیہ ہندوستان میں اپنا بنایا ہوا کوئی دستور نافذ نہیں کرے گی۔ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی اپنا دستور خود مرتب کرے گی۔ تاہم یہ دستور ملک کے ان حصوں پر نافذ نہیں ہو گا جو اسے قبول کرنے سے انکار کریں گے۔ یہ حصے اپنی علیحدہ دستور ساز اسمبلی کے ذریعے اپنا دستور بنا سکیں گے۔

2۔ مختلف صوبوں کی اسمبلیوں کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے گا کہ وہ دونوں میں سے کسی ایک دستور ساز اسمبلی میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیں۔ پنجاب، بنگال، سرحد، بلوچستان اور ضلع سلہٹ کے لیے الگ الگ فارمولا منصوبے میں بیان کیا گیا۔

3۔ شاہی ریاستوں کو دونوں میں سے کسی ایک ریاست میں شمولیت کا فیصلہ اپنے حالات اور جغرافیائی پوزیشن کو مد نظر رکھتے ہوئے خود کرنے کا اختیار دیا گیا۔ انہیں یہ اختیار بھی دیا گیا کہ وہ آزاد رہ کر کسی ایک ریاست سے معاہدہ کر سکیں۔

4۔ حکومت برطانیہ اسی سال درجہ نوآبادیت (Dominion Status) کے اصول پر ایک یا دو جانشین ریاستوں کو اختیارات منتقل کر دے گی۔

قانونِ آزادیٔ ہند

جولائی 1947ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے تین جون کے منصوبے کی بنیاد پر قانون آزادی ہند کی منظوری دے دی اس قانون میں کہا گیا کہ:

1۔ 15 اگست 1947ء کو ہندوستان پر برطانوی اقتدار ختم ہو جائے گا۔

2۔ ہندوستان کو خود مختار ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

3۔ برطانوی تاجدار کے خطابات سے شہنشاہ ہندوستان کا خطاب حذف کر دیا جائے گا۔

4۔ جب تک دونوں ریاستیں اپنے اپنے دستور تیار نہیں کر لیں گی۔ 1935ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ دونوں ریاستوں میں عارضی دستور کی حیثیت سے نافذ رہے گا۔

ظہورِ پاکستان

14 اگست 1947ء کو عالمی نقشے پر دنیا کی سب سے بڑی مسلم مملکت پاکستان کے نام سے ظہور پذیر ہوئی۔ قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے۔ یوں جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی جدوجہد آزادی مسلم لیگ کی قیادت میں اپنے فیصلہ کن مرحلے سے گزر کر ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-0349961588

پنجاب اور بنگال کی صوبائی اسمبلیوں نے بھاری اکثریت سے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ تاہم چونکہ ان صوبوں کے غیر مسلم اضلاع کے نمائندوں نے صوبوں کی تقسیم کا مطالبہ کیا تھا اس لیے 30 جون کو دونوں صوبوں کے لیے الگ الگ حد بندی کمیشن قائم کیے گئے۔ سندھ کی اسمبلی اور بلوچستان میں شاہی جرگہ اور کوئٹہ میونسپلٹی کے سرکاری ارکان نے پاکستان کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ صوبہ کے پی کے اور ضلع سلہٹ میں استصواب رائے (Referendum) کرایا گیا جس میں عوام نے بھاری اکثریت سے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔

مشق

1۔ خالی جگہ ایسے الفاظ سے پُر کیجیے کہ بیان بامعنی ہو جائے۔

1۔ سرسیدؒ نے سن ________ میں علی گڑھ سکول کی بنیاد رکھی۔

2۔ بیسویں صدی کے آخری دو عشروں میں انتہا پسند ہندوؤں نے مسلم دشمن تحریک ________ شروع کی۔

3۔ وائسرائے ________ نے صوبہ بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

4۔ شملہ وفد کے مطالبات میں ________ کا مطالبہ سرفہرست تھا۔

5۔ منٹو مورلے اصلاحات کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ________ بھی کہا جاتا ہے۔

6۔ گول میز کانفرنس کے اجلاس 1930ء سے ________ تک جاری رہے۔

7۔ سن ________ ء میں مولانا محمد علی جوہرؒ کی قیادت میں خلافت وفد نے انگلستان کا دورہ کیا۔

8۔ ________ نے پاکستان نیشنل موومنٹ قائم کی۔

9۔ سن 1930ء میں الٰہ آباد کے مقام پر ________ نے مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کی۔

10۔ قرارداد لاہور بنگال کے وزیر اعلیٰ ________ نے پیش کی۔

2۔ ہر سوال کے آگے قوسین میں دیئے گئے تین جوابات میں سے مناسب ترین جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔ سرسیدؒ نے رسالہ ________ جاری کیا۔ (تہذیب اخلاق، علی گڑھ، حیات جاوید)

2۔ اردو ہندی تنازعہ سن ________ میں شروع ہوا۔ (1857ء، 1867ء، 1897)

3۔ شملہ وفد میں شامل مسلمان رہنماؤں کی تعداد ________ تھی۔ (80ء، 35ء، 13)

4۔ قائد اعظمؒ سن ________ میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ (1906ء، 1913ء، 1929)

5۔ کانگریسی وزارتیں ________ میں قائم ہوئیں۔ (1885ء، 1906ء، 1937)

6۔ کرپس مشن کا منصوبہ 30 مارچ ________ کو شائع ہوا۔ (1942ء، 1946ء، 1947)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN

7۔ مسلم لیگ نے ___________ 1946ء کو راست اقدام کے دن کی حیثیت سے منایا۔

(16 اگست، 14 اگست، 6 ستمبر)

8۔ سہلٹ اور صوبہ ___________ نے استصواب رائے کے ذریعے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا

(کے پی کے، پنجاب، بلوچستان)

9۔ خلافت کمیٹی نے ___________ کو تحریک عدم تعاون کا لیڈر منتخب کیا۔ (گاندھی جی، مولانا محمد علی جوہرؒ، قائدِاعظمؒ)

3۔ **ص (صحیح) یا غ (غلط) کے اوپر دائرہ لگا کر درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔**

1۔ شمال مغربی علاقے کے غیر مسلموں نے بھی تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ص غ

2۔ قائدِاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے کیا ہے۔ ص غ

3۔ ایک اسلامی ریاست جمہوری اصولوں پر قائم ہوتی ہے۔ ص غ

4۔ بینکم چندرا چیٹر جی نے ایک مسلم دشمن ناول بندے ماترم لکھا۔ ص غ

5۔ مسلم لیگ کی لندن شاخ سن 1906 میں قائم ہوئی۔ ص غ

6۔ قرارداد مقاصد کو قراردادِ پاکستان بھی کہا جاتا ہے۔ ص غ

7۔ تحریک خلافت کا ابتدائی دور ہندو مسلم اتحاد کا مثالی دور تھا۔ ص غ

8۔ مصطفیٰ کمال اتاترک نے خلافت کو ختم کر دیا۔ ص غ

9۔ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کا اجلاس 11 اگست 1947ء کو ہوا۔ ص غ

10۔ 1937ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے شاندار کامیابی حاصل کی۔ ص غ

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN

4۔ **کالم الف کے اندراجات کو کالم ب سے لائن کے ذریعے اس طرح ملائیے کہ دونوں کا تعلق واضح ہو جائے۔**

کالم الف	کالم ب
تاج برطانیہ	1921ء
علی گڑھ یونیورسٹی	1858ء
مسلم لیگ	علامہ اقبال
شملہ وفد	یکم اکتوبر 1906ء
موپلا بغاوت	1920ء

5۔ ہر سوال کا جواب دو سے پانچ سطور میں لکھیے۔

1۔ نظریہ آئیڈیالوجی سے کیا مراد ہے؟

2۔ اسلام کا نظریہ قومیت کیا ہے؟

3۔ نظریہ پاکستان کا مفہوم مختصراً بیان کریں۔

4۔ اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کیجیے۔

5۔ شملہ وفد پر مختصر نوٹ لکھیے۔

6۔ اسباب بغاوت ہند کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

7۔ قیام کے وقت مسلم لیگ کے لیے کن مقاصد کا تعین کیا گیا۔

8۔ مسلم لیگ کے مقاصد میں تبدیلی کب اور کس کی تجویز پر ہوئی؟

9۔ شملہ کانفرنس پر نوٹ لکھیے۔

10۔ قانونِ آزادی ہند کے اہم نکات کیا تھے۔؟

11۔ کرپس مشن کی تین تجاویز تحریر کریں۔

6۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

1۔ 1857ء سے مسلم لیگ کے قیام تک مسلمانوں کی جدوجہد کا احوال بیان کیجیے۔

2۔ تحریک علی گڑھ کا پس منظر اور اس تحریک کے مقاصد کا خلاصہ بیان کیجیے۔

3۔ سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

4۔ مسلم لیگ کے قیام کا پس منظر اور اسباب بیان کیجیے۔

5۔ ہندوستان کے آئینی مسئلے کے حل کی جو تجاویز مختلف وقتوں میں پیش کی گئیں، ان کا مختصراً جائزہ لیجیے۔

6۔ تحریک خلافت کے پس منظر اور اہم واقعات پر روشنی ڈالیے۔

7۔ تحریک خلافت کے اثرات و نتائج بیان کیجیے۔

8۔ وہ کون سے اہم واقعات تھے جنہوں نے قرارداد لاہور کی راہ ہموار کی؟ نیز قراردادِ لاہور کے اہم نکات بیان کریں۔

9۔ قرارداد لاہور کا تجزیہ کیجیے نیز یہ بتائیے کہ ہماری تاریخ آزادی میں اس کی کیا اہمیت ہے؟

10۔ کابینہ مشن کا منصوبہ کیا تھا اور اس پر کانگریس اور مسلم لیگ نے کس ردعمل کا اظہار کیا؟

11۔ تین جون کے منصوبے کا پس منظر بیان کیجیے اور اہم نکات پر روشنی ڈالیے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03495815886

2 اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ابتدائی مسائل

پڑھیں

مسائل

پس منظر:۔

تین جون 1947ء کے منصوبے کے تحت صوبوں کی اسمبلیوں کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا کہ وہ نئی وجود میں آنے والی دونوں مملکتوں (ہندوستان یا پاکستان) میں سے کسی ایک میں شامل ہونے کا فیصلہ کرلیں۔ پنجاب اور بنگال کی صوبائی اسمبلیوں نے بھاری اکثریت سے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ تاہم چونکہ دونوں صوبوں کے غیر مسلم اضلاع کے نمائندوں نے صوبوں کی تقسیم کا مطالبہ کیا اس لیے 30 جون 1947ء کو دونوں صوبوں کے لیے الگ الگ حد بندی کمیشن قائم کئے گئے۔ جن کا مشترکہ سربراہ ایک برطانوی وکیل سیرل ریڈ کلف کو بنایا گیا۔

تقسیم کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا وہ نہایت غیر منصفانہ تھا۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے تجویز پیش کی کہ تقسیم اقوام متحدہ کے کسی غیر جانبدار کمیشن سے کرائی جائے۔ ان کی دوسری تجویز یہ تھی کہ حد بندی کے لیے برطانوی عدالت عظمیٰ "پریوی کونسل" کے ججوں کو دعوت دی جائے۔ یہ دونوں تجاویز برطانوی حکومت نے مسترد کر دیں۔ وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن کانگریس کے لیے ہمدردی کے جذبات رکھتے تھے اس لیے انہوں نے ایک ایسے شخص کو حد بندی کے لیے منتخب کیا جو برصغیر کے حالات کے بارے میں قطعی بے خبر تھا اور اس سے پہلے کبھی ہندوستان نہیں آیا تھا۔ ظاہر ہے کہ مونٹ بیٹن اپنے اعلیٰ منصب سے فائدہ اٹھا کر ایک ایسے شخص کے فیصلوں پر آسانی سے اثر انداز ہو سکتے تھے اور وہ عملاً اثر انداز ہوئے بھی۔

مسئلے کی منصفانہ پوزیشن یہ تھی کہ صوبوں کی تقسیم نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن اگر ایسا کرنا ضروری بھی تھا تو اس کے لیے کم از کم ان اصولوں کی پیروی ضرور کی جانی چاہیے تھی جو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے خود تین جون کے منصوبے کا اعلان کرتے ہوئے اپنی تقریر میں بیان کئے تھے۔ مونٹ بیٹن نے گورداسپور، فیروز پور، تحصیل زیرا اور تحصیل فاضلکا پر پاکستان کا حق خود تسلیم کیا تھا۔

ریڈ کلف ایوارڈ اور ناانصافیاں:۔

ریڈ کلف نے علاقائی حد بندی کے بارے میں اپنے فیصلے کا اعلان 17 اگست کو کیا، اس فیصلے میں پاکستان کے ساتھ مندرجہ ذیل ناانصافیاں کی گئیں:

تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پنجاب گورداسپور اور فیروز پور کے اضلاع نیز زیرا اور فاضلکا تحصیل بھارت میں شامل کر دی گئیں۔ مشرقی حصے میں کلکتہ شہر، ضلع مرشد آباد اور ندیہ کے علاقے بھارت کے حوالے کر دیئے گئے حالانکہ ان تمام علاقوں پر پاکستان کا واضح حق بنتا تھا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

ریڈ کلف 8 اگست تک فیصلوں کو حتمی شکل دے چکے تھے۔ حد بندی کمیشن میں مسلم لیگ کے نمائندے جسٹس محمد منیر تھے انہوں نے بعد میں یہ انکشاف کیا کہ ریڈ کلف فیروز پور، اور زیرا نیز جزوی طور پر تحصیل فاضلکا اور فیروز پور ہیڈ ورکس پاکستان میں شامل کرنے پر آمادہ ہو چکے تھے لیکن جب 17 اگست 1947ء کو ریڈ کلف ایوارڈ کا اعلان کیا گیا تو یہ تمام علاقے ہندوستان کے حوالے کر دیئے گئے۔ مبصرین کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے دباؤ پر ہوا۔

مندرجہ بالا علاقوں کے علاوہ اخبار پاکستان ٹائمز کے کچھ اور علاقوں میں بھی ناانصافی کی نشاندہی کی تھی مثلاً تحصیل بٹالہ میں مسلم اکثریت 55 فیصد سے زیادہ تھی۔ بٹالہ شہر میں مسلمانوں کا صنعتی مرکز تھا۔ امرتسر کی تحصیل اجنالہ میں مسلم اکثریت 60 فیصد تھی۔ یہ سب علاقے ہندوستان کو دیئے گئے۔

غلط تقسیم کے نتائج

1۔ تنازعہ کشمیر:۔

ریڈ کلف ایورڈ ہی تنازعہ کشمیر کی بنیاد بنا۔ اگر ضلع گورداسپور ہندوستان کو نہ دیا جاتا تو ہندوستان کے لیے کشمیر پر قبضہ کرنا کسی طرح ممکن نہ ہوتا کیونکہ اس طرح کشمیر بھارت سے کٹ جاتا۔ کشمیر کو بھارت سے ملانے والا واحد زمینی راستہ گورداسپور کی تحصیل پٹھان کوٹ ہی سے ہو کر گزرتا تھا۔

2۔ کلکتہ کے صنعتی شہر سے محرومی:۔

کلکتہ ہندوستان کا سب سے بڑا صنعتی شہر تھا۔ کلکتہ میں 25 فیصد مسلمان اور 60 فیصد اچھوت تھے۔ اچھوت اپنے شہر کو پاکستان میں شامل کرنا چاہتے تھے ریڈ کلف نے اچھوتوں کے جذبات کی پروانہ کرتے ہوئے کلکتہ ہندوستان کو دے دیا۔

3۔ ہجرت کے مسائل:۔

غیر متوقع تقسیم سے پنجاب کی کثیر مسلم آبادی کو وسیع پیمانے پر نقل مکانی اور قتل و غارت کا سامنا کرنا پڑا جس سے پاکستان کے لیے معاشی اور معاشرتی مسائل پیدا ہوئے۔

انتظامی مسائل:۔

اپنے قیام کے ابتدائی دنوں میں پاکستان کو سنگین انتظامی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ بیشتر سرکاری ملازم ہندو تھے جو ہندوستان چلے گئے اور ان کے جانے کے بعد حکومت کا کام چلانے کے لیے غیر تربیت یافتہ لوگوں کا سہارا لینا پڑا۔

تجربہ کار مسلمان افسر دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے انگریز افسروں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ فوج کے سربراہ، بہت سے افسران نیز بعض گورنر اور سیکرٹری انگریز تھے۔ غیر پاکستانی افسران کی وجہ سے بہت سے مسائل بھی پیدا ہوئے مثلاً جب قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے انگریز کمانڈر انچیف کو کشمیر میں فوج بھیجنے کا حکم دیا تو حکم کی تعمیل نہیں کی گئی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

آزادی کے فوراً بعد کراچی کو دارالحکومت بنایا گیا جہاں ایک ریاست کا نظام چلانے کے لیے درکار ابتدائی سہولتیں بھی موجود نہیں تھیں۔ فوجی بارکوں اور خیموں میں حکومت کے دفتر قائم کیے گئے۔ بھارتی حکومت نے پاکستان کے حصے میں آنے والا دفتری سازوسامان بھی روک لیا۔ صورتحال اتنی خراب تھی کہ کاغذ تک موجود نہیں تھے۔ ملک چھوڑ کر جانے والے بعض ملازمین دفتری ریکارڈ ضائع کر گئے۔ بہت سا ریکارڈ جو بھارت سے پاکستان لایا جارہا تھا راستے میں انتہا پسند ہندوؤں نے تلف کر دیا، بھارت نے پاکستان آنے والے ملازمین کو پاکستان پہنچانے کے لیے ہوائی جہاز کرائے پر دینے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا برطانیہ سے جہاز کرائے پر لے کر ملازمین اور ضروری ریکارڈ کو پاکستان پہنچایا گیا۔

مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ :۔

ایک قابل اعتماد اندازے کے مطابق تقسیم کے نتیجے میں 55 لاکھ افراد پاکستان سے بھارت گئے اور 65 لاکھ مسلمان بھارتی علاقے سے ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ اس طرح پاکستان کی معیشت پر اپنے ابتدائی دنوں میں ہی دس لاکھ مزید انسانوں کا بوجھ پڑ گیا۔ مہاجرین کی آبادکاری اور انہیں بنیادی ضروریات کی فراہمی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً ایک ''ریفیوجی ریلیف فنڈ'' قائم کیا، اس طرح ان کی ذاتی دلچسپی اور پاکستانی عوام کے بے پناہ جذبہ ایثار کی بدولت بہت کم وقت میں اس مسئلے پر قابو پا لیا گیا۔

اثاثوں کی تقسیم کا مسئلہ :۔

آزادی کے وقت متحدہ ہندوستان کے خزانے میں موجود کل سرمائے کا تخمینہ 4 ارب روپے لگایا گیا تھا۔ حساب کے مطابق پاکستان کو اس میں سے ایک ارب روپیہ ملنا چاہیے تھا لیکن بھارت نے پاکستان کو صرف 75 کروڑ روپے دینے پر رضامندی کا اظہار کیا اس میں سے بیس کروڑ ادا کر کے بقیہ پچپن کروڑ کی ادائیگی کے لیے حکومت ہند نے ٹال مٹول شروع کر دی۔ گاندھی جی نے حکومت ہند پر اس رقم کی ادائیگی کے لیے دباؤ ڈالا تو پچاس کروڑ کی رقم مزید ادا کر دی گئی، پانچ کروڑ پھر بھی باقی رہ گیا۔ دوسری طرف متحدہ ہندوستان کے ذمے واجب الادا قرضہ جات کا 20 فیصد پاکستان کے ذمے ڈال دیا گیا۔ بعض اہلکار جاتے ہوئے دفتروں کا ریکارڈ فیکٹریوں اور فوجی سازوسامان کے پرزے نکال کر لے گئے اور ہسپتالوں میں مریضوں کے علاج کے لیے استعمال ہونے والی مشینری تک کو ناکارہ بنا گئے۔

فوجی سازوسامان کی تقسیم کا مسئلہ :۔

تقسیم کا عمل شروع ہوا تو لیاقت علی خان رحمۃ اللہ علیہ نے مطالبہ کیا کہ فوج کی تقسیم کے لیے کوئی فارمولا مرتب کر لیا جائے۔ وزیر دفاع سردار بلدیو سنگھ اور کمانڈر انچیف نے اس وقت ان کے مطالبے کو نظر انداز کر دیا، تاہم جولائی 1947ء میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ تقسیم ہند کے بعد برطانوی ہند کی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے کمانڈر انچیف فیلڈ مارشل آکنیلیک کی صدارت میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جب فیلڈ مارشل نے فوج کی تقسیم سے متعلق عملی کارروائی شروع کی تو ہندوستان کی حکومت نے اس کمیٹی کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ آکنیلیک وقت سے پہلے چار ماہ پہلے اپنا دفتر بند کر کے انگلستان واپس جانے پر مجبور ہو گئے۔ 28 ستمبر 1947ء کو آکنیلیک نے حکومت برطانیہ کو رپورٹ بھیجتے ہوئے لکھا تھا:

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TUSEEF AHMAD KHAN-03430813886

''ہندوستان کی موجودہ کابینہ پختہ ارادہ کر چکی ہے کہ جہاں تک اس کا بس چلے گا مملکت پاکستان کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا نہیں ہونے دے گی۔ بھارت کے لیڈروں، وزیروں اور سول افسران نے افواج کی تقسیم کے کام میں روڑے اٹکانے کی مسلسل کوشش کی ہے۔''

کمیٹی کے چلے جانے کے بعد ہندوستان من مانی کے لیے آزاد ہو گیا۔ ہندوستانی حکومت نے اسلحہ اور فوجی ذخائر سے پاکستان کو اس کے حصے سے بہت کم، ناکارہ اور ٹوٹا پھوٹا کچھ سامان بھیجا۔ پاکستان کے حصے میں آنے والے بحری اور ہوائی جہازوں کی حالت بھی انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔ تقسیم کے وقت ملک میں اسلحہ سازی کے سولہ کارخانے تھے وہ سب کے سب ہندوستان کے قبضے میں چلے گئے۔ اس طرح پاکستان نے اپنی زندگی کا آغاز ایک بہت چھوٹی اور وسائل کے لحاظ سے کمزور فوج کے ساتھ کیا۔

نہری پانی کا مسئلہ :۔

برطانوی دور حکومت میں دریائے سندھ کے طاس میں پانی کی فراہم کرنے والی نہریں ایک مربوط نظام کی شکل میں کام کرتی تھیں اور اس زمانے میں یہ دنیا بھر میں آبپاشی کا سب سے بڑا نہری نظام تھا۔ 1947ء میں یہ نظام دو حصوں میں کٹ گیا جس کے نتیجے میں تین دریاؤں ستلج، بیاس اور راوی کے بالائی حصے اور بہت سے نہری ہیڈ ورکس ہندوستان کے قبضے میں چلے گئے۔ مثلاً راوی کا مادھوپور ہیڈ ورکس اور ستلج کا فیروزپور ہیڈ ورکس ہندوستان کو دیئے گئے۔ 1947ء کے آخری دنوں میں کشمیر پر بھارت کے قبضے کے نتیجے میں صورتحال مزید خراب ہو گئی کیونکہ چناب اور جہلم کے بالائی حصے بھی بھارت کے علاقے میں چلے گئے۔ اس طرح بھارت نے پاکستان کی زرعی معیشت کو تباہ کرنے کی صلاحیت حاصل کر لی، جس کا پہلا عملی مظاہرہ اس نے اپریل 1948ء میں کیا جب اس نے لاہور کے نواحی علاقوں کا پانی کئی ہفتے تک بند رکھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں ایکڑ رقبے پر کھڑی فصلیں تباہ ہو گئیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

ریاستوں کے الحاق کا مسئلہ

پس منظر :۔

برصغیر کی تقسیم کے وقت برطانوی ہندوستان میں چھوٹی بڑی شاہی ریاستوں کی تعداد 580 سے زیادہ تھی۔ ان ریاستوں سے کہا گیا کہ وہ اپنے حالات کے مطابق ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی مملکت کے ساتھ الحاق کر لیں یا آزاد رہنے کا فیصلہ کر لیں۔ 15 اگست 1947ء تک اکثر ریاستوں نے اپنے مستقبل کا فیصلہ کر لیا۔ تین ریاستیں ایسی تھیں جو بروقت فیصلہ نہ کر سکیں فیصلے میں یہ تاخیر بعد میں دونوں ملکوں کے لیے سخت مشکلات کا باعث بنی وہ ریاستیں جونا گڑھ، حیدر آباد اور کشمیر تھیں۔ ان تینوں ریاستوں کے الحاق کا ہم الگ الگ تذکرہ کریں گے۔

مسئلہ کشمیر :۔

آزادی کا اعلان ہوا تو کانگرسی لیڈروں اور کشمیر کی پڑوسی ہندو اور سکھ ریاستوں خصوصاً پٹیالہ اور کپور تھلہ کے راجاؤں نے کشمیر ہندو مہاراجہ پر زور ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ کشمیر کا الحاق ہندوستان سے کر دے۔ وائسرائے نے خود بھی مداخلت کی۔ مہاراجہ نے یوم آزادی سے پہلے ہی پنجاب کی سرحد سے ملنے والے

علاقوں پونچھ اور جموں کے مسلمان باشندوں کے ہتھیار جمع کرالئے اور اپنی فوجیں اس علاقے میں جمع کرنا شروع کردیں۔ بھارت کے جنوب مشرقی حصے میں بھارت سے ملحق تھاسڑکوں کی تعمیر کا کام تیزی سے شروع کردیا گیا تاکہ بھارتی فوجوں کو کشمیر پہنچانے میں آسانی ہو۔

ان واقعات سے کشمیری مسلمانوں میں بے چینی کا آغاز ہوا۔ اگست تک پونچھ اور جموں میں مسلح بغاوت شروع ہو چکی تھی۔ ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا اور گیارہ ہفتے کے عرصے میں پانچ لاکھ مسلمان آبادی سے اس علاقے کو بالکل خالی کرالیا۔

''تحریک آزادی کشمیر'' کے پاس چونکہ اسلحہ کی کمی تھی اس لیے تحریک کے نمائندے قبائلی علاقے اور صوبہ کے پی کے سے اسلحہ لانے کے لیے بھیجے گئے۔ جب اس علاقے میں مسلمانوں پر مہاراجہ کے مظالم کی خبریں پہنچیں تو بہادر قبائلی کثیر تعداد میں اپنے کشمیر بھائیوں کی امداد کے لیے اسلحہ لے کر کشمیر پہنچنے لگے۔ یہ خبر جب دہلی پہنچی تو انگریز گورنر جنرل اور بھارت کے لیڈروں نے مہاراجہ کشمیر سے ریاست کے بھارت کے ساتھ الحاق کی دستاویز پر دستخط کرالئے۔ یوں کشمیر کا ایک بڑا حصہ بھارت کے قبضے میں چلا گیا۔

مہاجرین کی آبادکاری جیسے تکلیف دہ مسئلے اور سنگین بیماری کے باوجود قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ ایک لمحہ کے لیے بھی کشمیر کے مسئلے سے بے خبر اور لاتعلق نہیں رہے۔ انہوں نے پاکستانی افواج کے انگریز کمانڈر انچیف کو کشمیر میں فوج بھیجنے کا حکم دیا تو حکم ماننے سے معذرت کردی گئی۔ پاکستانی افواج اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کے لیے پہنچیں تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ جنوری 1948ء میں بھارت نے کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کے سامنے پیش کردیا اور کشمیر میں رائے شماری کرانے کا وعدہ کیا، اقوام متحدہ نے جنگ بندی کرادی جس سے بھارت کو مقبوضہ کشمیر پر اپنا قبضہ مستحکم کرنے کا موقع مل گیا۔

جوناگڑھ مناوادر اور مانگرول:۔

بمبئی اور کراچی کے تقریباً وسط میں کاٹھیاواڑ کے ساحل پر واقع چھوٹی سی ریاست جوناگڑھ میں زیادہ آبادی ہندوؤں کی تھی لیکن اس کا حکمران مسلمان تھا۔ جوناگڑھ کے نواب نے اپنا قانونی حق استعمال کرتے ہوئے اپنی ریاست کے پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا۔ دو اور چھوٹی چھوٹی ہمسایہ ریاستوں مناوادر اور مانگرول کے نوابوں نے بھی ان کی تائید کی۔ حکومت پاکستان نے الحاق کی منظوری دے دی۔ جب بھارتی حکومت کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی فوجیں جوناگڑھ کی طرف روانہ کردیں اور ریاست میں ہنگامے شروع کرادیئے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے نواب صاحب حکومت چھوڑ کر پاکستان آگئے۔ چند روز بعد بھارتی افواج نے ریاست پر قبضہ کرلیا۔ یہی حشر مناوادر اور مانگرول کا بھی ہوا۔

حیدرآباد:۔

حیدرآباد کا شمار برطانوی ہند کی اہم ترین ریاستوں میں ہوتا تھا۔ 1941ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست کی آبادی ایک کروڑ ساٹھ لاکھ تھی۔ رقبے کے لحاظ سے یہ ریاست برطانیہ اور سکاٹ لینڈ کے مجموعی رقبے کے برابر تھی۔ بے پناہ دولت اور وسائل کے اعتبار سے حیدرآباد میں ایک خودمختار ریاست بننے کی پوری صلاحیت موجود تھی۔ لیکن حیدرآباد کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ اس کی سرحدیں چاروں طرف سے ہندوستانی علاقے سے گھری ہوئی تھیں۔

ریاست کے سربراہ جو نظام کہلاتے تھے، مسلمان تھے، لیکن ریاست میں آبادی کی اکثریت ہندو تھی۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ریاست حیدرآباد پورے ہندوستان میں مسلمانوں کی عظیم الشان تہذیب کا سب سے بڑا مرکز تھی۔ انہی حقائق کی بناء پر نظام نے حیدرآباد کو آزاد اور خودمختار مملکت کے طور پر قائم

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-0349

رکھنے کا فیصلہ کیا۔ وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور ہندوستانی حکومت نے نظام پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی کہ وہ ریاست کا الحاق ہندوستان سے کر دیں۔ حیدر آباد دکن کے مسلمانوں نے ریاست بھارت سے الحاق کے خلاف آخری دم تک مزاحمت کی۔ لیکن 12 ستمبر 1948ء کو قائداعظمؒ کی وفات سے اگلے ہی روز بھارتی فوجیں حیدر آباد میں داخل ہوئیں تو نظام نے اپنی افواج اور اتحاد المسلمین کے رضاکاروں کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دے دیا۔ اس طرح جنوبی ہند میں مسلم تہذیب و ثقافت کا یہ سب سے بڑا مرکز ہندوستان کے قبضے میں چلا گیا۔

مسائل کے حل کی کوشش

پاکستان کے مخالفین ہمیشہ سے یہ پروپیگنڈہ کرتے آرہے تھے کہ پاکستان انتظامی اور اقتصادی اعتبار سے ناقابل عمل ہوگا اور اگر قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہو بھی گئے تو یہ ملک بہت جلد ٹوٹ جائے گا۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد پیش آنے والی مشکلات یقیناً بہت بڑی تھیں اور پاکستان کے مخالفین کے اندازے درست نظر آنے لگے تھے۔ لیکن قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی انتھک محنت اور مضبوط عزم پاکستانی لوگوں کے جذبۂ ایثار اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان مشکلات پر بہت جلد قابو پالیا گیا۔ آئندہ سطور میں ہم ان کوششوں کا اختصار سے جائزہ لیں گے جو ابتدائی دور میں مسائل کو حل کرنے کے لیے کی گئیں۔

1۔ دستور سازی:۔

کسی مملکت کا نظام آئین کے بغیر ایک دن بھی نہیں چل سکتا۔ لہٰذا قیام پاکستان سے تین دن پہلے ہی قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے 11 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کیا۔ یہ اسمبلی ان ارکان پر مشتمل تھی جو 46-1945ء کے انتخاب میں مرکزی اسمبلی کے ارکان کے طور پر ان علاقوں سے منتخب ہوئے تھے جو پاکستان کا حصہ بنے۔ اس اجلاس میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مملکت پاکستان کی پالیسی کو واضح کیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کا مستقبل کا آئین جمہوری اور اسلامی ہوگا۔ پاکستان میں پاپائیت کی قسم کا مذہبی نظام رائج نہیں کیا جائے گا۔ غیر مسلم شہریوں کے حقوق مسلمان شہریوں کے برابر ہوں گے۔ انہوں نے اسمبلی کو آئین سازی کا کام کم سے کم وقت میں مکمل کرنے کی ہدایت کی۔ 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو معمولی ترمیمات کے ساتھ عارضی دستور کی حیثیت سے ملک میں نافذ کر دیا گیا۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ دستور ساز اسمبلی کے پہلے صدر مقرر ہوئے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03459815686

2۔ حکومت سازی:۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل اور لیاقت علی خانؒ پہلے وزیراعظم بنے۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت پر وزیراعظم نے ایک پانچ رکنی کابینہ تشکیل دی۔ یہ کابینہ انتہائی لائق افراد پر مشتمل تھی، اگرچہ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کو گورنر جنرل کی حیثیت سے کابینہ کے معاملات میں براہ راست مداخلت کا اختیار حاصل نہیں تھا تاہم قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اعلیٰ خدمات کی وجہ سے کابینہ نے فیصلہ کیا کہ وہ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں کام کرے گی اور انہیں کابینہ کے فیصلے مسترد یا ویٹو کرنے کا اختیار بھی حاصل ہوگا۔

3۔ سرکاری افسر اور ملازمین کی رہنمائی:۔

حصول آزادی کے بعد فوجی اور سول انتظامیہ کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا حوصلہ بڑھایا اور انہیں قومی خدمت کے جذبے سے ان تھک محنت کی ترغیب دی۔ اکتوبر 1947ء کو کراچی میں سول اور فوجی افسران سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ان ملازمین سے ہمدردی کا اظہار کیا جن کے عزیز و اقارب فسادات میں شہید ہو گئے تھے۔ 25 مارچ 1948ء کو سرکاری ملازمین سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

"اب آپ قوم کے حاکم نہیں رہے، آپ کو قوم کے خادموں کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دینے چاہئیں"

4۔ عوام کے اعتماد کی بحالی:۔

ہجرت اور تقسیم ملک کے صدمات اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے معاشی دباؤ نے عوام کو بے حال کر دیا تھا۔ دوسری طرف پاکستان کے دشمنوں کا پروپیگنڈہ اپنے عروج پر تھا جو پاکستانی عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کا ملک چند دن کا مہمان ہے، ان حالات میں قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے خرابی صحت کے باوجود ملک گیر دورے کیے جس سے لوگوں کا حوصلہ بڑھا۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو یقین دلایا کہ پاکستان ہمیشہ قائم رہنے کے لیے بنا ہے اور یہ کہ پاکستان کے دشمنوں کی سازشیں جلد ناکام ہو جائیں گی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

دیگر اقدامات:۔

- کراچی کو مملکتِ پاکستان کا دارالحکومت مقرر کیا گیا۔
- قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کر دیا کہ اردو صرف پاکستان کی قومی زبان ہو گی۔
- معاشی مسائل کے حل کے لیے قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے "پاکستان فنڈ" قائم کیا جس میں لوگوں نے فیاضی سے عطیات دیئے۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہ کے باعث گیارہ ماہ کی ریکارڈ مدت میں سٹیٹ بنک کے قیام کی تیاری مکمل کر لی گئی۔ یکم جولائی 1948ء کو قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سٹیٹ بنک کا افتتاح کیا۔
- نظام عدل کی بنیادی ضرورت کو پورا کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے "فیڈرل کورٹ" کے نام سے ملک کی اعلیٰ ترین وفاقی عدالت قائم کی۔ (بعد میں اس کا نام بدل کر سپریم کورٹ آف پاکستان کر دیا گیا)۔
- قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مہاجرین کی آبادکاری کی طرف خصوصی توجہ دی۔ لوگوں کے ایثار اور قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی دلچسپی سے لاکھوں مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ بہت کم وقت میں حل ہو گیا۔ (مہاجرین کی آبادکاری اور بعض اہم اقدامات کی تفصیل ہم الگ الگ عنوانات کے تحت تفصیل سے آگے چل کر مطالعہ کریں گے۔)

قومی اتحاد و استحکام

پاکستان کے دشمنوں کی ایک بہت بڑی چال یہ بھی تھی کہ ملک میں علاقائی، لسانی اور صوبائی تعصبات کو ہوا دی جائے اور لوگوں کے ذہنوں میں انتشار اور خلفشار پیدا کیا جائے۔ اس خطرے کی بروقت پیش بندی کرتے ہوئے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سخت بیماری کی حالت میں تمام صوبوں کے دورے کئے اور لوگوں کو تلقین کی کہ وہ متحد رہیں اور ملک دشمنوں کے پروپیگنڈہ کا شکار نہ ہوں۔ اپنی ایک تقریر میں انہوں نے اسلام کو واحد بنائے اتحاد قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"اسلام نے ہمیں یہی سکھایا ہے، اور مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ آپ کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں آپ بہر حال مسلمان ہیں۔ اب آپ کا تعلق ایک قوم سے ہے۔ آپ کا اپنا وطن ہے ایک وسیع و عریض وطن، یہ سارا آپ کا اپنا ہے، یہ کسی پنجابی، سندھی، پٹھان یا بنگالی کا نہیں، یہ آپ سب کا ہے۔"

9 اگست 1947ء کو کراچی میں انہوں نے فرمایا:۔

"ایک دوسرے پر اعتماد کرو، ایک دوسرے سے تعاون کرو، پاکستان کو صحیح معنوں میں خوشحال، صحیح معنوں میں متحد اور صحیح معنوں میں طاقتور بنانے کے لیے دن رات کام کرو، دن کو بھی محنت، رات کو بھی محنت، دگنی تگنی محنت۔"

24 مارچ 1948ء کو ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلباء کو ان الفاظ میں خبردار کیا۔

"میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ منتشر ہو گے تو گر پڑو گے اور متحد ہو گے تو کھڑے رہو گے۔"

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خوابوں کا پاکستان

مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ:۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی پڑھ چکے ہیں تقسیم ہند کے نتیجے میں تقریباً 65 لاکھ افراد بھارتی علاقے سے ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ لہٰذا قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آبادکاری کو سب سے اہم اور توجہ طلب مسئلے کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مہاجرین کی آبادکاری کے عمل کی خود نگرانی کی۔ انہوں نے فوری طور پر "ریفیوجی فنڈ" قائم کیا اور لوگوں سے اپیل کی وہ اس فنڈ میں عطیات جمع کرائیں۔ 30 اکتوبر 1947ء کو لاہور میں ایک عوامی اجتماع سے خطاب کرتے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"ہم پاکستانیوں پر اب یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ان لاکھوں تباہ حال مہاجرین کی دل کھول کر امداد کریں جو اپنا سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آ رہے ہیں ان پر یہ مصیبتیں اس لیے ٹوٹی ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔"

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815806

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے حکومت کے علاوہ مقامی آبادی نے جس فراخ دلی، ایثار اور اسلامی اخوت کے جذبے سے اپنے مہاجر بھائیوں کی بحالی کے لیے کام کیا اور اس کے نتیجے میں چند سال کے اندر اندر تمام مہاجرین کی آبادکاری اور روزگار کا مسئلہ حل ہو گیا۔

صوبائیت اور تنگ نظری سے گریز کی تلقین:۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ جانتے تھے کہ پاکستان کے اندر اور باہر بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے پاکستان کے بن جانے کے بعد بھی اس کو حقیقت کے طور پر تسلیم نہیں کیا تھا۔ ان کی اب بھی یہ خواہش تھی کہ کسی طرح قیام پاکستان کے تجربے کو ناکام ثابت کر سکیں، ان کا سب سے بڑا ہتھیار قوم میں عصبیت اور علاقائیت کے جذبات کو فروغ دے کر پاکستان کی ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنا تھا۔ اس خطرے کا ادراک کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے قوم کو خبردار کیا، انہوں نے فرمایا:

> ''اب ہم پاکستانی ہیں، ہم میں سے کوئی بھی بلوچی، پٹھان، سندھی، بنگالی اور پنجابی نہیں ہے بلکہ سب پاکستانی ہیں۔ ہماری ہر سوچ اور ہمارا ہر عمل پاکستان کی حیثیت سے ہونا چاہیے ہماری عزت اسی میں ہے کہ ہم خود کو پاکستانی سمجھیں۔'' (15 جون 1948ء)

11 اگست 1947ء کو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ وہ دور گزر چکا ہے جب مذہب سے لوگوں کو تقسیم کرنے اور ان میں نفرت پیدا کرنے کا کام لیا جاتا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم ایسے دور میں اپنی زندگی کا آغاز کر رہے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک آزادی سے اپنے مذہب پر عمل کر سکتا ہے انہوں نے کہا کہ پاکستان کے تمام شہریوں کو خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب اور عقیدے سے ہو یکساں شہری حقوق حاصل ہوں گے۔

پاکستان کی معیشت کے رہنما اصول۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:۔

یکم جولائی 1948ء کو سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مغربی معاشی نظام پر سختی سے تنقید کی اور مستقبل کے اقتصادی نظام کے بارے میں قوم کی رہنمائی فرمائی۔ انہوں نے کہا:

> ''مغربی دنیا میں صنعتی قابلیت اور مشینوں کی دولت کے زبردست فوائد رکھنے کے باوجود انسانی تاریخ کے بدترین باطنی بحران میں مبتلا ہے۔ اگر ہم نے مغرب کا معاشی نظریہ اور نظام اختیار کیا تو اس سے ہمیں اپنے عوام کے لیے امن اور خوشحالی حاصل کرنے کے نصب العین میں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ اپنی تقدیر ہمیں اپنے منفرد انداز میں بنانی پڑے گی ہمیں دنیا کے سامنے ایک مثالی معاشی نظام پیش کرنا ہے جو انسانی مساوات اور معاشرتی انصاف کے سچے اسلامی تصورات پر قائم ہو۔''

11 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''اگر ہم اس عظیم مملکت کو خوشحال بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی پوری توجہ لوگوں اور بالخصوص غریب طبقے کی فلاح بہبود پر مرکوز کرنی پڑے گی۔''

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03459815886

خارجہ پالیسی کے رہنما اصول۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں :۔

قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھتے کہ دوسرے ملکوں سے تعلقات استوار کرتے ہوئے پاکستان کو عدم مداخلت اور غیر جانبداری کے اصولوں پر عمل کرنا چاہیے۔ انہوں نے فرمایا:

"ہماری خارجہ پالیسی دنیا کی تمام قوموں کے ساتھ دوستی اور خیر خواہی کے اصولول پر مبنی ہے۔ ہم کسی بھی ملک یا قوم کے خلاف جارحانہ عزائم نہیں رکھتے ہم ملکی اور بین الاقوامی معاملات میں ایمانداری اور انصاف کے اصولوں کی بالادستی چاہتے ہیں۔"

قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا خیال تھا کہ پاکستان کو عالمی برادری میں ایک مستعد اور فعال کردار ادا کرنا چاہیے۔ ان کی اسی سوچ کا نتیجہ یہ تھا کہ پاکستان آزادی کے ایک ماہ بعد ہی (ستمبر 1947ء میں) اقوام متحدہ کا رکن بن گیا۔ جلد ہی پاکستان کے دولت مشترکہ ممالک سمیت دُنیا کے اکثر ممالک سے تعلقات قائم ہو گئے۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ مسلم ممالک سے پاکستان کے تعلقات کو خصوصی اہمیت دیتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان ممالک متحد ہوں اور اپنے مسائل کے حل کے لیے مشترکہ حکمت عملی اختیار کریں۔ 27 اگست 1948ء میں عید الفطر کے موقع پر دنیا بھر کے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

"ہم سب مسلمان اپنی اپنی جگہ خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ فلسطین، انڈونیشیا اور کشمیر کے مسلمانوں کو ان کا حق دینے کی بجائے ان کے خلاف طاقت کا مظاہرہ کیا جارہا ہے۔ ہماری آنکھیں اب کھل جانی چاہئیں اور ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ ہم متحد ہو کر ہی دُنیا کے ایوانوں میں اپنی آواز کو موثر بنا سکتے ہیں۔"

طلباء کو تعلیم پر توجہ دینے کی ہدایت

31 اکتوبر 1947ء کو طلبا کے ایک وفد سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"پاکستان کو اپنے جوانوں بالخصوص طلباء پر فخر ہے جو آزمائش اور ضرورت کے وقت ہمیشہ پہلی صف میں رہے ہیں۔ آپ مستقبل کے معمار قوم ہیں، اس لیے جو مشکل کام آپ کے سر پر آن پڑا ہے، اسے انجام دینے کے لیے اپنی شخصیت میں نظم وضبط پیدا کیجیے۔ مناسب تعلیم اور مناسب تربیت حاصل کیجیے۔"

21 مارچ 1948ء کو ڈھاکہ میں فرمایا:

"نوجوان دوستو! اب میں آپ ہی کو پاکستان کا حقیقی معمار سمجھتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ آپ اپنی باری پر کیا کچھ کر کے دکھاتے ہیں۔ اس طرح رہیے کہ کوئی آپ کو گمراہ نہ کر سکے، کوئی آپ کو غلط طور پر استعمال نہ کر سکے، اپنی صفوں میں مکمل اتحاد اور استحکام پیدا کیجیے۔ ایک مثال قائم کر دیجیے کہ نوجوان کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ آپ کا اصل کام کیا ہونا چاہیے، اپنی ذات سے وفاداری، اپنے ملک سے وفاداری، اپنے مطالعے پر مکمل توجہ۔"

MDCAT BY FUTURE DOCTORS

مسائل کے حل کی حکمت :۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے عظیم ترین رہنما بنے بلکہ انہیں دنیا بھر کے قائدین میں ایک نمایاں مقام حاصل ہوا۔ پاکستان کا قیام ان کا ایک اتنا بڑا کارنامہ تھا کہ دنیا بھر کی سیاسی تاریخ میں ایسے کارناموں کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔

قائدانہ صلاحیتیں :۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کو جو بے مثال کامیابی حاصل ہوئی، اُسکی وجہ ان کی شاندار قائدانہ صلاحیتیں تھیں جن کا مختصر تذکرہ ہم یہاں کریں گے۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنی حکمت عملی ترتیب دیتے ہوئے ہمیشہ وقت اور حالات کے تقاضوں کا لحاظ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کانگریس سے کیا جو اس وقت روشن خیال اور آزادی پسند ہندوستانیوں کی جماعت سمجھی جاتی تھی۔ 1906ء میں مسلم لیگ بنی تو وہ اس میں اس لیے شامل نہیں ہوئے کہ اس زمانے میں اس پر اعلیٰ طبقے کے مسلمانوں کا قبضہ تھا اور یہ کوئی عوامی جماعت نہیں تھی۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ وہ مسلم لیگ کی پالیسی میں تبدیلی لا سکتے ہیں 1913ء میں وہ صرف مسلم لیگ میں شامل ہو گئے بلکہ بہت کم وقت میں انہوں نے اسے مسلمانان ہند کی مقبول ترین عوامی جماعت بنا دیا۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ ہندو مسلم اتحاد کے بہت بڑے حامی تھے انہوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ کانگرس کو مسلمانوں کے مطالبات ماننے پر آمادہ کر سکیں اور ہندوستان کا اتحاد قائم رہ سکے لیکن کانگریس کی صفوں میں شامل بعض انتہا پسند رہنماؤں نے ان کی تمام مصالحانہ کوششوں کو ناکام بنا دیا تو انہوں نے ایک آزاد مسلم ریاست کے قیام کا مطالبہ آخری چارہ کار کے طور پر کیا۔ لیکن پاکستان کا مطالبہ کرنے اور اس مطالبے کی بنیاد پر 46-1945 کے انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد بھی انہوں نے اتنی لچک برقرار رکھی کہ مئی 1946 میں پیش کئے جانے والے کابینہ مشن کے منصوبے کو قبول کر لیا جس میں ایک وفاقی ہندوستان کا تصور پیش کیا گیا تھا۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم الشان کامیابی کی دوسری بڑی وجہ ان کی قانون پسندی تھی۔ وہ پرامن اور آئینی جدوجہد پر یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو بھی قانون شکنی توڑ پھوڑ اور تشدد آمیز احتجاج کی ترغیب نہیں دی یہی وجہ تھی کہ اپنی تقریباً نصف صدی پر پھیلی ہوئی سیاسی زندگی میں انہیں کبھی جیل نہیں جانا پڑا۔ انہوں نے تحریک خلافت اور تحریک ہجرت جیسی جذباتی تحریکوں سے خود کو اس لیے الگ رکھا کہ انہوں نے ان تحریکوں میں چھپے ہوئے تشدد کے رجحانات کا وقت سے پہلے درست اندازہ کر لیا تھا۔ انہوں نے غیر مقبول ہونا اور سیاست کی دنیا سے عارضی طور پر لاتعلق ہو جانا گوارا کر لیا لیکن کبھی تشدد آمیز رجحانات کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں اور تقریروں کے مطالعے سے ان کی گہری اسلامی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے لیکن انہوں نے کبھی مذہب کو سیاسی کامیابی کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا۔ وہ پاکستان کو ایک روشن خیال اسلامی ریاست دیکھنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے پاکستان کو کٹر مذہبی ریاست (Theocracy) بنانے کے خیال کو سختی سے مسترد کر دیا۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ بے پناہ شخصی خصوصیات کے حامل تھے، ہندوستانی قیادت میں شاید ہی کوئی لیڈر ذہانت کے اعتبار سے ان کے درجے تک پہنچا ہو۔ ان کا مطالعہ وسیع اور مشاہدہ عمیق تھا وہ اعلیٰ درجے کے مقرر تھے، ان کا استدلال اتنا مضبوط ہوتا تھا کہ مخالف اس کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ لیکن ان کی وہ خوبی جو ان کی تمام خوبیوں پر حاوی تھی اور جس نے ان کو حقیقی معنوں میں قائداعظمؒ بنایا ان کی شک وشبہ سے بالاتر دیانت داری اور اصول پسندی تھی۔

برصغیر کے مسلمان قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت پر غیر مشروط اعتماد رکھتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد کے مشکل ایام میں یہی وہ بات تھی جس نے لوگوں کو مشکلات کے مقابلے میں ڈٹ جانے اور آگے بڑھنے کا عزم اور حوصلہ عطا کیا۔ آئندہ سطور میں ہم قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت کے چند بنیادی اوصاف کا الگ الگ عنوانات کے تحت جائزہ لیں گے۔

مذاکرات:۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ تمام معاملات کو مذاکرات اور گفت وشنید کے ذریعے حل کرنے پر یقین رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں جب بھی مذاکرات کی دعوت دی گئی انہوں نے کبھی اس کو قبول کرنے سے انکار نہیں کیا۔ 31-1930ء میں وہ حکومت برطانیہ کی دعوت پر لندن گول میز کانفرنس کے لیے تشریف لے گئے۔ نہرو رپورٹ کانگریس کی انتہاپسندی کا مظہر تھی قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بار بار یہ کوشش کی کہ مذاکرات کے ذریعے ہندو مسلم اختلافات کے حل کی کوئی صورت نکل آئے۔ 1944ء میں گاندھی جی نے انہیں مذاکرات کی دعوت دی تو انہوں نے اسے خوشی سے قبول کر لیا۔ ستمبر 1944ء میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی رہائش گاہ پر دونوں رہنماؤں کے درمیان طویل مذاکرات ہوئے، آزادی کے بعد بھارت نے کشمیر کا مسئلہ کھڑا کیا تو قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اقوام متحدہ اور دولت مشترکہ کی سطح پر مذاکرات کے ذریعے سلجھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے بھارتی حکومت کی طرف سے کی جانے والی گفت وشنید کی پیش کش کو بھی ماننے سے انکار نہیں کیا۔

قیام پاکستان کے بعد مئی 1948ء میں مرکزی حکومت نے کراچی کو وفاقی دارالحکومت کے طور پر اپنی تحویل میں لینے کا فیصلہ کیا تو سندھ مسلم لیگ کے ایک موثر گروپ نے اس کی مخالفت کی اور اس فیصلے کو تبدیل کرانے کے لیے ایک مجلس عمل کی تشکیل دی۔ قائداعظمؒ نے مجلس عمل کے قائدین کو مذاکرات کے لیے زیارت طلب کیا۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے بعد یہ قائدین اپنے موقف سے دستبردار ہونے پر مجبور ہوگئے۔

محنت، اتحاد، ایمان، تنظیم:۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیغام اور تحریک کا خلاصہ چار جامع الفاظ میں بیان فرمایا۔ یہ سنہری اصول آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ اور روشنی کا مینار ثابت ہو سکتے ہیں۔ 30 اگست 1947ء کو لاہور کے تاریخی جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

"-----اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ کام کریں۔

کام کام اور کام : کامیابی ہمارا مقدر ہے۔

یہ نعرہ کبھی نہ بھولیے : "اتحاد، ایمان، تنظیم"

مشق

1۔ **خالی جگہ ایسے الفاظ سے پُر کیجیے کہ بیان بامعنی ہو جائے۔**

1۔ ریڈ کلف ایوارڈ کا اعلان __________ 1947ء کو کیا گیا۔

2۔ کلکتہ میں اچھوتوں کی آبادی __________ فیصد تھی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN 03...

3۔ راوی کا مادھوپور اور ستلج کا ________ ہیڈ ورکس ہندوستان کو دے دیئے گئے۔

4۔ ________ کو پاکستان اقوام متحدہ کا ممبر بن گیا۔ (مہینہ وار لکھیے)

2۔ ہر سوال کے آگے قوسین میں دیئے گئے تین جوابات میں سے مناسب ترین جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پر کیجیے۔

1۔ حد بندی کمیشن کا سربراہ ________ کو بنایا گیا (ریڈ کلف، ماؤنٹ بیٹن، ریڈ کلف ایوارڈ)

2۔ تقسیم کے وقت ہندوستان میں اسلحہ سازی کے ________ کارخانے تھے۔ (24،18،16)

3۔ تقسیم کے وقت ہندوستان میں شاہی ریاستوں کی تعداد ________ تھی۔ (16،680،580)

4۔ 1941ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست حیدر آباد کی آبادی ________ تھی۔

(ایک کروڑ، ایک کروڑ ساٹھ لاکھ، ساٹھ لاکھ

5۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد ________ کو پاکستان کا دارالحکومت بنایا گیا۔ (کراچی، راولپنڈی، اسلام آباد)

6۔ ________ کو قائداعظمؒ نے سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کیا۔

(14 اگست 1947، یکم ستمبر 1947، یکم جولائی 1948

7۔ ستمبر 1944ء میں ________ کی رہائش گاہ پر جناح گاندھی مذاکرات ہوئے۔ (قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ، گاندھی، نہرو)

8۔ ________ 1948ء میں بھارت نے لاہور کے علاقے کا سیراب کرنے والی نہروں کا پانی بند کر دیا۔

(مارچ، اپریل، مئی)

9۔ ریاست حیدر آباد کے مسلمان سربراہ کو ________ کہا جاتا تھا (نظام، نواب، امیر)

10۔ مہاجرین کی آبادکاری کے لیے قائداعظمؒ نے ________ فنڈ قائم کیا۔ (ریفیوجی، قائداعظمؒ، ریڈ کراس)

3۔ ص (صحیح) یا غ (غلط) کے اوپر دائرہ لگا کر درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ کلکتہ کے ہندو اچھوت یہ چاہتے تھے کہ ان کا شہر پاکستان میں شامل ہو۔ ص غ

2۔ جنوری 1948ء میں بھارت نے کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کے سامنے پیش کر دیا۔ ص غ

3۔ ریاست جوناگڑھ مسلمان اکثریت کی ریاست تھی۔ ص غ

4۔ ریاست حیدر آباد کی آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ ص غ

5۔ قائداعظمؒ نے فرمایا کہ پاکستان کی قومی زبان صرف اور صرف انگریزی ہوگی ص غ

6۔ قائداعظمؒ 1906ء میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ ص غ

7۔ قائداعظمؒ نے تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ص غ

8۔ قائداعظمؒ پاکستان کو تھیوکریسی قسم کے مذہبی ریاست بنانا چاہتے تھے ص غ

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-03498815886

4۔ کالم الف کے اندراجات کو کالم ب سے لائن کے ذریعے اس طرح ملایئے کہ دونوں کا تعلق واضح ہو جائے۔

کالم الف	کالم ب
ریڈ کلف	فیلڈ مارشل
گورداسپور	ایوارڈ
آکنیلیک	کشمیر
ستمبر 1948ء	اقوام متحدہ
30 ستمبر 1947ء	حیدر آباد

5۔ ہر سوال کا جواب دو سے پانچ سطور میں لکھیے۔

1۔ ہندوستان کی غلط تقسیم کس طرح مسئلہ کشمیر کو پیدا کرنے کا سبب بنی؟

2۔ مہاجرین کی آبادکاری کے مسئلے پر نوٹ لکھیے۔

3۔ قومی اتحاد و استحکام کے حوالے سے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول اُن کے اپنے الفاظ میں نقل کیجیے۔

4۔ مہاجرین کی آبادکاری کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے قائداعظمؒ نے کیا اقدامات کیے؟

5۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ سرکاری ملازمین سے کس طرز عمل کی توقع رکھتے تھے؟

6۔ قائدعظم رحمۃ اللہ علیہ نے طلباء کو کیا نصیحت فرمائی؟

7۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیغام اور تحریک کا خلاصہ کن چار الفاظ میں بیان کیا؟

8۔ معیشت کے بارے میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کا خلاصہ بیان کیجیے۔

9۔ قیام پاکستان کے بعد عوام کا اعتماد بحال کرنے کے لیے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اقدامات کیے؟

10۔ آکنیلیک نے برطانیہ کو بھیجی گئی رپورٹ میں کیا لکھا؟

6۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

1۔ حدبندی کے معاملے میں ریڈکلف کی ناانصافیوں کا جائزہ لیجیے۔ غلط تقسیم سے پاکستان کو کیا نقصانات پہنچے؟

2۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد پیش آنے والے اہم مسائل کا جائزہ لیجیے۔

3۔ تقسیم کے بارے میں ہندوستان کی حکومت کے رویے پر نوٹ لکھیے۔

4۔ مسئلہ کشمیر پر نوٹ لکھیے۔

5۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد مسائل کے حل کے حوالے سے کون سے اہم اقدامات کیے گئے؟

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

3 اسلامی جمہوریہ پاکستان کا جغرافیہ

پڑھیں

پاکستان کے طبعی خدوخال

محل وقوع، وسعت:۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان 24^o اور 36^o شمالی عرض بلد اور 61.00اور 75^o مشرقی طول بلد کے درمیان واقع ہے۔ پاکستان کا رقبہ 796096مربع کلومیٹر ہے۔1998ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی132.35 ملین ہے۔

سرحدیں:۔

پاکستان کی سب سے لمبی سرحد مغرب میں افغانستان سے ملتی ہے۔ جو2612 کلومیٹر لمبی ہے۔ یہ سرحد1893ء میں انگریزاور افغان حکمرانوں کے باہمی مشورے سے قائم کی گئی اوراسے ڈیورنڈلائن کانام دیا گیا۔

جنوب مغرب میں پاکستان کی سرحدایران سے ملتی ہے۔ جس کی لمبائی تقریباً909کلومیٹر ہے، پاکستان کے مشرق میں بھرت ہے۔ بھارت اور پاکستان کی مشترکہ سرحد کی لمبائی تقریباً2100کلومیٹر ہے۔ جنوب میں 1059 کلومیٹر کی ساحلی پٹی ہے۔

ملک کے شمال میں قراقرم کے بلند وبالا سلسلوں کے ساتھ عوامی جمہوریہ چین کی 600 کلومیٹر لمبی سرحد ہے۔ یہ سرحد شمال میں پاکستان کے علاقوں میں گلگت اور بلتستان کو چین کے مسلم اکثریت کے صوبے سنگیانگ سے جدا کرتی ہے۔ شمال ہی میں تاجکستان سے پاکستان کو افغانستان کے علاقے واخاں کی ایک تنگ سی پٹی جدا کرتی ہے۔ یہ پٹی اپنے تنگ ترین مقام پر20 کلومیٹر چوڑی ہے۔

پاکستان کے قدرتی خطے یا طبعی خدوخال:۔

پاکستان طبعی لحاظ سے ایک ایسے خطے میں واقع ہے جہاں سطح زمین کی بلندی کے تمام درجات بیک وقت مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں۔ یہاں ایک طرف ایسے علاقے ہیں جن کی بلندی سطح سمندر کے برابر ہے۔ دوسری طرف دنیا کی بلند ترین چوٹی کے ٹو آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ طبعی خدوخال کے اعتبار سے پاکستان کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

1- پہاڑی علاقے

2- پہاڑی سطح مرتفع

3- میدانی علاقے

پہاڑی علاقے اور سطح مرتفع مجموعی طور پر پاکستان کے تقریباً 60 فیصد علاقے پر مشتمل ہیں۔ باقی 40 فیصد علاقہ میدانی ہے۔

ارض پاکستان کی جغرافیائی تقسیم

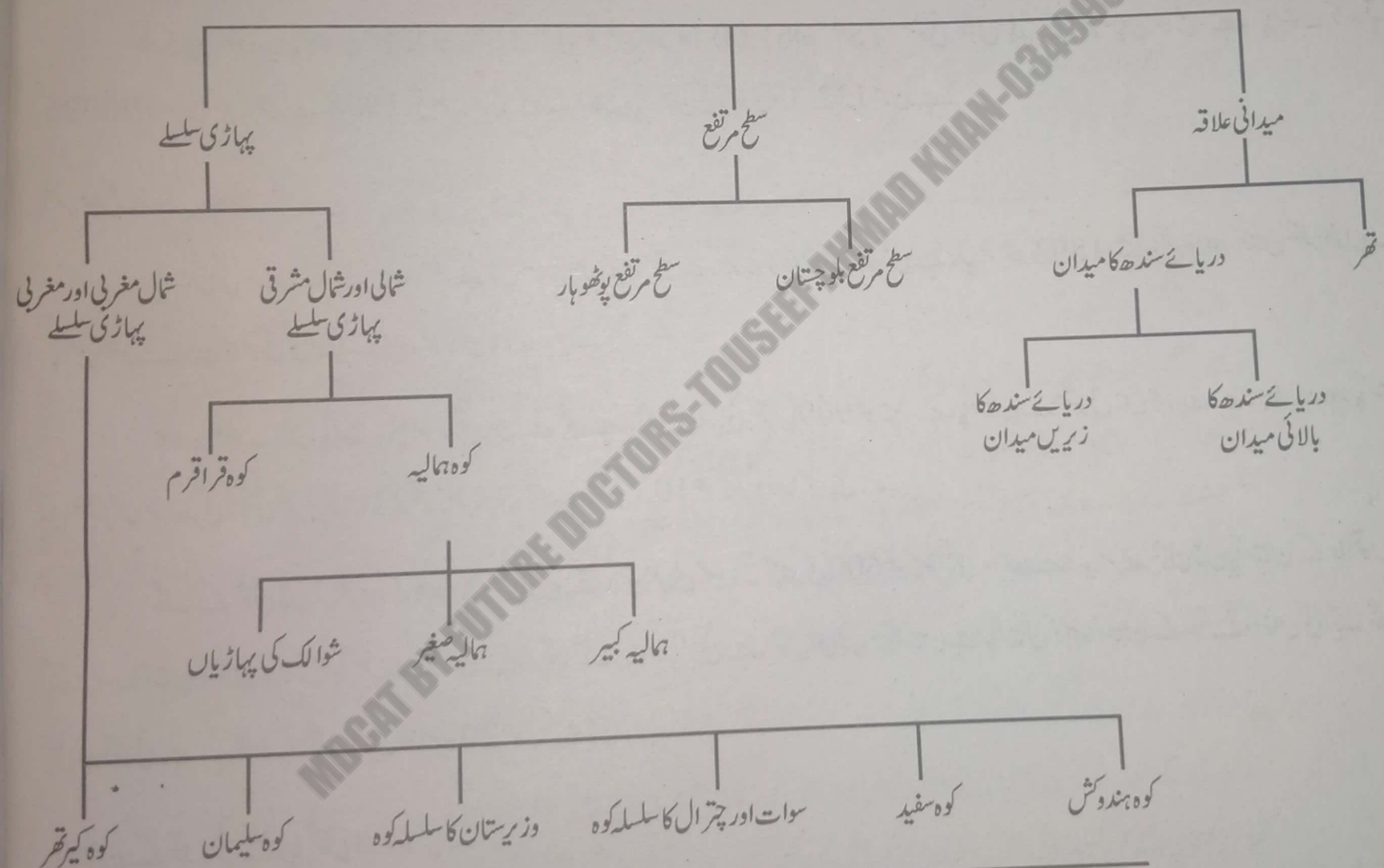

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

پاکستان کے موسم

موسم گرما:۔

اپریل سے شروع ہو کر ستمبر میں ختم ہوتا ہے۔

موسم سرما:۔

اکتوبر سے فروری تک چلتا ہے۔

موسم بہار:۔

پاکستان میں بہار کا موسم بہت مختصر ہوتا ہے، یہ مارچ اور اپریل دو مہینے کا ہوتا ہے۔

موسم برسات:۔

برسات کا موسم اگست سے اکتوبر تک رہتا ہے۔ ستمبر اور اکتوبر کے مہینوں میں درجہ حرارت شدید نہیں ہوتا۔

بارش

ساحلی علاقہ:۔

ہوا میں سارا سال نمی رہتی ہے۔ لیکن بارش زیادہ نہیں ہوتی۔ بارش کی اوسط 175 ملی میٹر سالانہ ہے۔

برّی آب وہوا کا میدانی علاقہ:۔

اس علاقے کی آب وہوا عام طور پر خشک ہوتی ہے۔ شمال میں دامنِ کوہ کے کچھ علاقے کو چھوڑ کر تمام علاقے میں معمولی بارش ہوتی ہے۔

بری آب وہوا کا پہاڑی علاقے:۔

اس میں شمالی اور شمال مغربی پہاڑی علاقہ شامل ہے۔ ان علاقوں میں موسم گرما میں بارش ہوتی ہے۔ مغربی پہاڑی علاقے کے وسطی حصے میں بارش زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً وزیرستان اور کوہستان کی سالانہ اوسط 250 ملی میٹر ہے لیکن شمال اور جنوب کی طرف پہنچتے پہنچتے ہوائیں آبی بخارات سے خالی ہو جاتی ہیں۔ اس لیے شمالی اور جنوبی علاقوں میں بارش کم ہوتی ہے۔ مثلاً شمال میں سکردو میں بارش کی اوسط 93 ملی میٹر ہے اور جنوب میں مکران کی اوسط 125 ملی میٹر سے کم ہے۔

سطح مرتفع بلوچستان کا بری آب وہوا کا خطہ:۔

اس خطے میں بلوچستان کے شمال مغربی حصے کو شامل کیا جاتا ہے یہ علاقہ صحرائی نوعیت کا ہے جہاں بارش کی سالانہ اوسط 125 ملی میٹر سے کم ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03491815886

درجہ حرارت کے لحاظ سے ارض پاکستان کی تقسیم (آب وہوائی خطے)

درجہ حرارت کے لحاظ سے پاکستان کو چار بڑے خطوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

شمال مغربی پہاڑی خطہ:۔

اس علاقے میں تقریباً آٹھ ماہ سخت سردی پڑتی ہے درجہ حرارت اکثراوقات صفر درجے سینٹی گریڈ سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔

دریائے سندھ کا بالائی میدان:۔

پاکستان کا صوبہ پنجاب اور صوبہ کے پی کے کا بیشتر علاقہ اس خطے میں واقع ہے۔اس علاقے میں مئی، جون اور جولائی میں سخت گرمی پڑتی ہے۔آندھیاں چلتی ہیں۔اس علاقے میں مئی جون اور جولائی میں سخت گرمی پڑتی ہے۔آندھیاں چلتی ہیں۔درختوں کے پتے سوکھ کر جھڑ جاتے ہیں۔بعض مقامات پر درجہ حرارت 50 درجے سینٹی گریڈ تک جا پہنچتا ہے۔البتہ موسم سرما مختصر ہوتا ہے اور اتنا نا قابل برداشت نہیں ہوتا ہے۔ مختصر وقفوں کے لیے سخت سردی پڑتی ہے لیکن چونکہ آسمان صاف رہتا ہے اس لیے موسم بہت جلد خوشگوار ہو جاتا ہے۔

سطح مرتفع بلوچستان:۔

سطح مرتفع بلوچستان کے اکثر علاقوں میں موسم سرما بہت شدید ہوتا ہے۔بعض اوقات شمالی ہوائیں چلنے سے درجہ حرارت نقطہ انجماد سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔ سردی اور گرمی دونوں موسم سخت ہوتے ہیں، موسم گرما میں چٹیل پہاڑ تپ جاتے ہیں جن کی وجہ سے سخت گرمی پڑتی ہے۔دنیا کے گرم ترین مقامات سبی اور جیکب آباد اسی علاقے میں واقع ہیں۔

دریائے سندھ کا زیریں میدان اور ساحلی علاقہ:۔

دریائے سندھ کے زیریں میدان میں ساحلی علاقہ بھی شامل ہے۔اس علاقے میں نسیم بحری کے باعث آب وہوا سارا سال معتدل رہتی ہے۔ نسیم بحری کا اثر سمندر سے 80 کلومیٹر تک محسوس کیا جاتا ہے۔اس علاقے میں نہ سخت سردی پڑتی ہے اور نہ سخت گرمی۔ درجہ حرارت میں اتار چڑھاؤ معمولی ہوتا ہے۔ مثلاً کراچی کا درجہ حرارت جنوری سے مئی تک تقریباً 18 درجے سینٹی گریڈ سے 28 درجے سینٹی گریڈ تک رہتا ہے۔سال کے باقی سات مہینوں میں درجہ حرارت میں 7 درجے سینٹی گریڈ سے زیادہ کی کمی بیشی نہیں ہوتی۔سندھ کے باقی علاقے کا موسم پنجاب سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔

غیر متوازن اقتصادی ترقی اور علاقائی عدم توازن:۔

پاکستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں وسیع تفاوت پایا جاتا ہے۔اس تفاوت کے بہت سے پہلو ہیں یہ تفاوت طبعی بھی ہے اور انسانوں کا پیدا کردہ بھی۔ آئندہ سطور میں ہم مختلف پہلوؤں سے پاکستان کے مختلف علاقوں میں پائے جانے والے عدم توازن اور تفاوت کا جائزہ لیں گے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-034991586

پنجاب کی آبادی 7 کروڑ 36 لاکھ، سندھ کی آبادی 3 کروڑ 4 لاکھ، خیبر پختونواہ صوبے کی ایک کروڑ 77 لاکھ اور بلوچستان کی صرف 65 لاکھ ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ پاکستان کے سب سے بڑے صوبے یعنی پنجاب کی آبادی سب سے چھوٹے صوبے یعنی بلوچستان کے گیارہ گناہ سے بھی زائد ہے لیکن رقبے کی صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔ صوبہ بلوچستان رقبے کے لحاظ سے ملک کا سب سے بڑا صوبہ ہے اور پاکستان کے تقریباً 44 فیصد رقبے پر محیط ہے اس کے مقابلے میں پنجاب کا رقبہ صرف 26 فیصد ہے۔ ملک میں 2 لاکھ آبادی کے 23 شہروں میں سے صرف ایک بلوچستان کے حصے میں آتا ہے۔ آبادی کے لحاظ سے پانچ بڑے شہروں میں سے صرف ایک (کراچی) صوبہ سندھ میں واقع ہے باقی چار شہروں کا تعلق صوبہ پنجاب سے ہے (بالترتیب لاہور، فیصل آباد، راولپنڈی، ملتان)

زندگی اور کاروبار کی بہتر سہولتیں میسر ہونے کی وجہ سے لوگ تیزی سے بڑے شہروں کا رخ کر رہے ہیں۔ اس رجحان کا نتیجہ یہ ہے کہ بڑے شہر بے ہنگم طریقے سے پھیلتے جا رہے ہیں۔ تمام سرمایہ کاری بڑے شہروں میں ہو رہی ہے، صحت اور تعلیم کی سہولتیں بھی بڑے شہروں میں مرتکز ہو رہی ہیں۔ زندگی کی بنیادی سہولتیں دیہات میں فراہم کرنے کی طرف توجہ بہت کم دی گئی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دیہات میں محرومی کا احساس بڑھ رہا ہے۔

ایک ماہر اقتصادیات حامد شاہد کے الفاظ میں:

> ''اس صورت حال میں دولت و ثروت کے چند ایسے جزیرے وجود میں آجائیں گے جن کے گرد غربت اور افلاس کا ایک بے کراں سمندر پھیلا ہوا ہوگا۔''

روایتی ماہرین اقتصادیات کا خیال تھا کہ اقتصادی ترقی اور علاقائی عدم مساوات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بعض ماہرین کہتے ہیں کہ یہ ایک عارضی مسئلہ ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو خود حل کر لیتا ہے۔ لیکن جدید ماہرین اقتصادیات کہتے ہیں کہ اقتصادی تفاوت جب ایک مرتبہ پیدا ہو جاتا ہے تو کم ہونے کی بجائے ہمیشہ شدت اختیار کرتا ہے۔ اس کی عملی مثال یہ ہے کہ 1959ء میں مشرقی پاکستان کی فی کس آمدنی مغربی پاکستان کے مقابلے میں 32 فی صد کم تھی یہ فرق اگلے دس سال میں 61% ہو گیا۔ یہی عدم توازن ملک کے دولخت ہونے کا سبب بنا۔ اب بھی اس رجحان کو روکنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں جو آخری اعداد وشمار دستیاب ہیں ان کے مطابق سندھ میں فی کس سالانہ آمدنی کی شرح باقی تمام صوبوں سے زیادہ ہے۔ یہ شرح کے پی کے سے تین گنا، پنجاب سے ڈیڑھ گنا اور بلوچستان کے مقابلے میں دوگنا سے بھی زائد ہے۔ پنجاب کی فی کس سالانہ آمدنی کے پی کے سے دوگنا ہے۔ پھر صوبوں کے اپنے اندر بھی عدم توازن موجود ہے۔ مثلاً وسطی پنجاب جنوبی پنجاب کے مقابلے میں زیادہ آباد اور خوش حال ہے۔ یہی حال دوسرے صوبوں میں ہے۔

صنعتی ترقی کے اعتبار سے بھی ملک کے مختلف علاقوں میں وسیع عدم توازن پایا جاتا ہے۔ سندھ کی تمام تر صنعت کراچی اور حیدر آباد تک محدود ہے۔ پنجاب کی صنعتیں فیصل آباد، گوجرانولہ، سیالکوٹ، شیخوپورہ اور لاہور میں مرتکز ہیں۔ پنجاب کے باقی اضلاع صنعتی ترقی سے تقریباً محروم ہیں۔ بلوچستان اور کے پی کے میں صنعتی ترقی نہ ہونے کے برابر رہی۔ اگرچہ حکومت نے بلوچستان میں ''حب'' اور صوبہ کے پی کے میں ''گدون امازئی'' کے علاقے کو ٹیکس فری زون قرار دیا اور صنعتیں قائم کرنے کے لیے ترغیبات فراہم کیں اس طرح ان صوبوں میں کچھ صنعتیں قائم ہوئیں تاہم انہیں پنجاب اور سندھ کی سطح پر لانے کے لیے ایک لمبا سفر درکار ہے۔

اقتصادی ترقی کا ان بنیادی سہولتوں سے بہت گہرا تعلق ہے۔ جن کو عام طور پر ''انفراسٹرکچر'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل سہولتیں شامل ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN

ریلوے، سڑکیں، ٹیلیفون، ٹیلی ویژن، اخبارات اور ڈاک کا نظام وغیرہ۔ ملک کے جن صوبوں میں اور صوبوں کے جن شہروں میں یہ سہولتیں موجود تھیں انہی میں ترقی کی رفتار تیز رہی اور فی کس آمدنی تیزی سے بڑھی۔ تعلیم یافتہ اور فنی مہارت رکھنے والے لوگوں نے لاہور، کراچی، کوئٹہ، پشاور اور دوسرے بڑے شہروں کا رخ کیا۔ جہاں بینک، کالج، ہسپتال، تعلیمی ادارے اور ملازمت کے مواقع بکثرت دستیاب تھے۔

پس ماندہ علاقوں کو پس ماندہ رکھنے میں جاگیر داری نظام نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ جن علاقوں میں زمین چھوٹے زمینداروں کے پاس تھی انہی علاقوں میں زراعت نے ترقی کی مثلاً پنجاب میں لاہور، ساہیوال، سیالکوٹ، اوکاڑہ، شیخوپورہ، گوجرانولہ، فیصل آباد وغیرہ۔ عام طور پر صنعتیں بھی انہی اضلاع میں قائم ہوئیں۔ بڑے جاگیرداروں کا مسئلہ وسیع علاقوں پر پھیلی ہوئی اپنی رعایا پر اپنی حکومت کو برقرار رکھنا تھا لہٰذا وہ سمجھتے تھے کہ اگر لوگ تعلیم یافتہ یا خوش حال ہوتے گئے تو وہ ان کو جانوروں کی طرح نہیں ہانک سکیں گے جس کے وہ صدیوں سے عادی رہے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے تعلیم اور خوشحالی کی طرف جانے والے ہر راستے کے آگے بند باندھنے کی کوشش کی۔

ترقی کا راستہ روکنے والی دوسری بڑی طاقت بیوروکریسی یعنی افسر شاہی تھی۔ اعلیٰ افسران نے پسندیدہ علاقوں کو شہری سہولتیں مہیا کیں۔ پاکستان جیسے اقتصادی لحاظ سے کمزور ملک کو ہمیشہ بجٹ خسارے کا سامنا رہا۔ اس خسارے کو کنٹرول کرنے اور افراطِ زر پر قابو پانے کے لیے اخراجات پر کٹوتی عائد کرنا ضروری ہوتا ہے۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ افسر شاہی نے اس طرح کی کٹوتیاں ہمیشہ بہت سے پس ماندہ علاقوں کے اخراجات پر ہی عائد کی ہیں۔ کراچی، لاہور اور اسلام آباد جیسے شہروں کے ترقیاتی اخراجات ہمیشہ جوں کے توں رہتے ہیں بلکہ ان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

یہ صورت حال قومی زندگی اور قوم کے وجود کے لیے ایک ٹائم بم کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اس کی اصلاح کے لیے محض چند سطحی نوعیت کے اقدامات کافی نہیں ہو سکتے۔ اس کے لیے ایک بنیادی اور ہمہ گیر معاشرتی اور سیاسی انقلاب کی ضرورت ہے۔ معاشرے کا استحصال کرنے والے طبقات کا زور توڑنے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کی اقتصادی بنیاد مضبوط ہو۔ اقتصادی ترقی صرف امن اور صلح جوئی کے ماحول میں ممکن ہے۔ اصول حدیبیہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں امن کو پہلی ترجیح کا درجہ دینا چاہیے۔

EDCAT BY FUTURE DOCTORS YOUSEEF KUMAR KHAN-03499815186

انسانی زندگی پر موسموں کے اثرات

کرّہ ارض کے مختلف حصوں کا موسم ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ موسم لوگوں کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے۔ ہم اپنے ہی ملک میں موسم کے انسانی زندگی پر اثرات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں مثلاً شمالی اور شمال مغربی پہاڑی علاقوں میں لوگ گھروں کی چھتیں ڈھلوان بناتے ہیں تاکہ وہ کثرت سے ہونے والی بارشوں اور برف باری کے اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔ کراچی، حیدر آباد اور صوبہ سندھ کے دوسرے علاقوں میں لوگ موسم گرما میں سمندر کی ٹھنڈی ہوا سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لیے اور گرمی کی شدت کو کم کرنے کے لیے گھروں کی چھتوں پر چمنی نما روشن دان اور ہوادان بناتے ہیں۔ سرد شمالی علاقوں میں لوگ بھاری لباس پہنتے ہیں اور بیرون خانہ کھیل عموماً نہیں کھیلے جاتے۔ موسم سرما میں لوگ شدید سردی سے بچنے کے لیے یا تو گھروں میں بند ہو جاتے ہیں۔ یا روزگار کی تلاش میں میدانی علاقوں کا رخ کرتے ہیں۔

صحرائی علاقوں میں چلنے والی ہوا موسم گرما میں دن کے وقت شدید گرم ہوتی ہے۔ پاکستان میں اس ہوا کو "لو" کہتے ہیں۔ اس کے ناگوار اثر کا نتیجہ یہ ہے کہ پاکستان کے صحرائی علاقے تھل اور تھر کی آبادی بہت زیادہ نہیں ہے۔

کوہ ہندوکش کے جنوب میں بہت سے ایسے دریا بہتے ہیں جن کی لائی ہوئی مٹی کے باعث زمین زرخیز ہو جاتی ہے۔ یہ دریا چترال، سوات اور دیر سے ہو گزرتے ہیں۔ ان وادیوں کے دیہات میں لوگ باغات لگاتے ہیں اور منافع بخش کاشتکاری کرتے ہیں۔

دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں نے سرزمین پاکستان کو اس کی زرخیز ترین زمینوں کا تحفہ دیا ہے۔ ان علاقوں کا موسم ہر قسم کی کاشتکاری کے لیے موزوں ہے۔ یہی دریا ہمارے شاندار نظام آبپاشی کا مرکزی منبع ہیں اسی وجہ سے ملک کی آبادی کا بڑا حصہ دریائے سندھ کے میدانی علاقوں میں رہتا ہے۔

عالمی تناظر میں پاکستان کے محل وقوع کی جغرافیائی اور تزویراتی اہمیت

عالم اسلام میں مرکزی حیثیت:۔

اپنے جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے پاکستان کو عالم اسلام میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ پاکستان مراکش سے انڈونیشیا تک پھیلے ہوئے اسلامی برادری کے ملکوں کے تقریباً وسط میں واقع ہے۔ برادر اسلامی ممالک پاکستان کی اس امتیازی خصوصی حیثیت سے بخوبی واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لیبیا کے نائب صدر عبدالسلام جالود نے اپنے دورہ پاکستان (1978ء) کے دوران یہ کہا تھا کہ پاکستان کو عالم اسلام میں قلب جیسی حیثیت حاصل ہے۔

عالمی سیاست میں اہم مقام:۔

جس وقت پاکستان معرض وجود میں آیا دوسری جنگ عظیم کا خاتمہ ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ امریکہ اور روس دو بڑی طاقتوں کی حیثیت سے سامنے آکر پوری دنیا کے معاملات کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ اس دور کو سرد جنگ کا دور کہا جاتا ہے۔ پاکستان کی اس وقت کی حکومتوں نے اس جنگ میں امریکہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ پاکستان سویت یونین کے خلاف امریکی اتحادیوں کی فرنٹ لائن ریاست بن گیا۔ اور امریکہ کے زیر سرپرستی چلنے والے دفاعی معاہدوں سیٹو (Seato) اور سینٹو (Cento) کا ممبر بن گیا۔ امریکہ سے غیر مشروط وفاداری کی یہ پالیسی صحیح تھی یا غلط اس بحث میں پڑے بغیر یہ بات بہر حال واضح ہے کہ پاکستان کو اپنے ابتدائی دنوں میں ہی یہ عالمی اہمیت اپنے جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

تیسری دنیا کی قیادت:۔

امریکی بلاک سے وفادارانہ وابستگی کی وجہ سے پاکستان کافی عرصے تک تیسری دنیا اور غیر جانبدار ممالک میں عزت کا وہ مقام حاصل نہیں کر سکا۔ جس کا یہ مستحق تھا تاہم جب سے پاکستان نے غیر جانبداری کی پالیسی پر عمل کرنا شروع کیا پاکستان کو تیسری دنیا میں احترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا ہے۔ 1979ء میں اس وقت کے صدر پاکستان کو ہوانا میں ہونے والی غیر جانبدار کانفرس میں اور پھر 1980ء میں اقوام متحدہ میں عالم اسلام کی نمائندگی کے لیے منتخب کیا گیا۔ یہ پاکستان کے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03008815886

توسیع پسندی کے راستے میں رکاوٹ:۔

پاکستان نے اپنے محدود وسائل کے باوجود افغانستان میں روسی توسیع پسندی کے خلاف نہایت مضبوط موقف اختیار کیا۔ افغانستان پر روسی قبضے کے بعد پوری دنیا کو اس امر کا احساس ہو گیا تھا کہ پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جو روس کا راستہ روک سکتا ہے۔ پاکستان کی شاندار مزاحمت سوویت یونین کی سپر پاور کی تباہی کا باعث بن گئی۔

جغرافیائی اہمیت:۔

پاکستان جغرافیائی لحاظ سے دنیا کے نہایت اہم اور مرکزی خطے میں آباد ہے۔ پاکستان سے ریل اور سڑک کے راستے میں مشرق بعید کے ممالک سے ایران، ترکی اور یورپی ممالک تک کا سفر کیا جا سکتا ہے۔ کراچی کے ہوائی اور بحری اڈے یورپ اور ایشیا کے درمیانی فضائی اور سمندری رابطے کا نہایت اہم ذریعہ ہیں، پاکستان کے پاس گرم پانی کی ایسی بندرگاہیں موجود ہیں جن میں سارا سال جہاز رانی ممکن ہے۔

افغانستان اور وسطی ایشیا کی خشکی میں گھری ہوئی ریاستوں کے لیے راہداری:۔

جب پاکستان قائم ہوا تو پاکستان کے شمال میں سوویت یونین کی عظیم عالمی طاقت اپنے عروج کے دور سے گزر رہی تھی۔ سوویت یونین رقبے کے اعتبار سے دُنیا کی سب سے بڑی ریاست تھی۔ اگرچہ پاکستان کی کوئی سرحد سوویت یونین سے متصل نہیں ہے لیکن پاکستان کو سوویت یونین کی ریاست سے تاجکستان سے جدا کرنے والی افغانستان کے علاقے واخان کی پٹی اتنی تنگ ہے کہ سوویت یونین کو آسانی سے پاکستان کا ہمسایہ کہا جا سکتا ہے۔ اپنے تنگ ترین مقام پر اس پٹی کی چوڑائی 20 کلومیٹر ہے۔ 1989ء میں افغانوں کی مسلح جدوجہد کے نتیجے میں روس افغانستان سے نکل گیا بعد ازاں 1991ء میں بعض داخلی عوامل کی وجہ سے سوویت یونین اتحاد پارہ پارہ ہو گیا اور اس میں شامل ریاستیں آزاد ہو گئیں۔ ان میں سب سے اہم ریاست روس ہے۔ بہت سی مسلم ریاستیں بھی سوویت یونین میں شامل تھیں جو اب آزاد ہو چکی ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ تاجکستان، ازبکستان، ترکمانستان، قازقستان اور کرغیزستان۔ ان سب ریاستوں کو بحیثیت مجموعی وسطی ایشیا کی مسلم ریاستیں کہا جاتا ہے۔ افغان عوام اور وسطی ایشیا کی مسلم ریاستوں کے ساتھ پاکستان کے دوستانہ تعلقات قائم ہیں اور ان تعلقات کی سب سے بڑی وجہ اسلامی اخوت کا وہ رشتہ ہے جو ان کے درمیان سب سے بڑی اور مشترک قدر ہے۔ افغانستان اور وسطی ایشیا کی اکثر ریاستیں خشکی میں گھری ہوئی ہیں۔ یعنی ان کے علاقے کے ساتھ سمندر کا اتصال نہیں ہے۔ سابقہ سوویت یونین کے جو علاقے سمندر کے کنارے واقع ہیں ان کا المیہ یہ ہے کہ ان میں شدید سردی پڑتی ہے جس کی وجہ سے سمندر کا پانی سارا سال منجمد رہتا ہے۔ لہٰذا اس میں جہاز رانی ممکن نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو سال میں صرف چند ماہ۔ سمندری ٹرانسپورٹ چونکہ سامان کی آمد و رفت کا سب سے سستا طریقہ ہے۔ لہٰذا آج کی دنیا میں کوئی ملک سمندری تجارت کے بغیر اپنی معیشت کا توازن قائم نہیں رکھ سکتا۔ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے گرم پانی کے ایسے سمندروں سے نوازا ہے جن میں سارا سال جہاز رانی ممکن ہے۔ پاکستان کے پاس دو اعلیٰ درجے کی بندرگاہیں کراچی اور پورٹ قاسم موجود ہیں نیز دوسری بندرگاہوں، کیٹی بندر اور گوادر کی تعمیر کا منصوبہ بھی مکمل ہو چکا ہے۔

پاکستان ابتداء ہی سے افغانستان اور سوویت یونین کو راہداری کی سہولتیں فراہم کرتا رہا ہے۔ یعنی ان ممالک کو جانے والا سامان بحری جہازوں کے ذریعے پاکستان کی بندرگاہوں پر اترتا ہے اور زمینی ٹرانسپورٹ کے ذریعے افغانستان اور وسطی ایشیا کی ریاستوں نیز روس وغیرہ تک پہنچایا جاتا ہے۔ اس سہولت کو مزید بہتر بنانے کے لیے گذشتہ صدی کے آخری عشرے میں موٹرویز کا ایک منصوبہ شروع کیا گیا تھا جس کے آٹھ میں سے چھ سیکشن مکمل ہو چکے ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUQEER AHMED KHAN

سیّاحوں کی دلچسپی کے مقامات

سیاحت کے تین بڑے مقاصد ہوتے ہیں۔

1۔ تحقیق

2۔ معلومات میں اضافہ اور حصول علم

3۔ تفریح

پاکستان میں سیّاحوں کی ان تینوں ضروریات کی تسکین کے وافر مواقع موجود ہیں۔ پاکستان میں سیاحوں کی دلچسپی کے مقامات کو بھی ہم تین اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1۔ آثارِ قدیمہ

2۔ تاریخی عمارات

3۔ صحت افزاء اور قابل دید مقامات

جہاں ایک طرف ہمارے آثار قدیمہ اور ہماری تاریخی، عمارات طالبان علم اور صاحبان تحقیق کے لیے دنیا بھر میں ایک اعلیٰ اور منفرد حیثیت کی حامل ہیں وہیں دوسری طرف ہمارے صحت افزاء اور قابل دید مقامات کا شمار بھی دنیا کے حسین ترین تفریحی مقامات میں ہوتا ہے۔ آثارِ قدیمہ اور تاریخی عمارات کا جائزہ ہم باب 6 میں لیں گے۔ یہاں ہم صرف صحت افزاء اور قابل دید مقامات کا مختصر سا تذکرہ کریں گے۔

پاکستان کے شمالی پہاڑ سطح سمندر سے اپنی بلندی کے باعث سردی کے موسم میں برف کی چادر اوڑھ لیتے ہیں۔ شدید سردی کے باعث نومبر سے فروری تک ان علاقوں میں زندگی کا ہنگامہ سرد پڑ جاتا ہے۔ بعض علاقوں سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں اپنے مویشیوں کو لے کر میدانی علاقوں کا رخ کرتے ہیں۔ لیکن موسم بہار کے آتے ہی زندگی کی رونقیں واپس لوٹنا شروع ہو جاتی ہیں۔ نہ صرف ان علاقوں کے باسی اپنے گھروں کو واپس لوٹ آتے ہیں بلکہ جوں جوں گرمی میں اضافہ ہوتا ہے اندرون ملک اور بیرون ملک سے لاکھوں سیّاح ان علاقوں کے بے مثال قدرتی حسن اور سحر انگیز موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے ان کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخواہ اور پنجاب میں واقع اکثر پہاڑی مقامات سطح سمندر سے 6 ہزار سے 8 ہزار فٹ تک بلند ہیں اس لیے موسم گرما میں ان کی آب و ہوا بہت خوشگوار ہوتی ہے۔

صوبہ پنجاب کے تفریحی مقامات مری اور پتریاٹہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ مری سے ساٹھ ستر کلو میٹر کے اندر اندر مزید بلندی کی طرف بڑھتے ہوئے صوبہ خیبر پختونخواہ کی حدود میں واقع پہاڑی اسٹیشن ایوبیہ، خانس پور اور نتھیا گلی واقع ہے۔ صوبہ خیبر پختونخواہ میں واقع وادیِ کاغان اور وادی سوات کا شمار دنیا کی حسین ترین وادیوں میں ہوتا ہے۔ وادیِ کاغان کی انتہائی بلندی پر واقع جھیل سیف الملوک تک پہنچنا دنیا بھر کے سیاحوں کے لیے ایک حسین خواب کا درجہ رکھتا

ROCKABY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-03499315886

ہے۔ شوگران اور سری پایہ بھی اسی کے گردونواح میں واقع ہے۔ سیدو شریف، مرغزار، بحرین اور کالام وادی سوات میں سیاحوں کی دلچسپی کے اہم ترین مراکز ہیں۔ مالم جبہ اور میاں دم نسبتاً نئے سیاحتی مراکز کی حیثیت سے تیزی سے اپنا مقام بنا رہے ہیں۔

جو سیاح تاریخ سے تھوڑی سی واقفیت رکھتا ہو گا وہ پاکستان کے تاریخی راستوں سے گزرتے ہوئے یہ محسوس کرے گا کہ وقت اسے ماضی کی دھند میں لپیٹے ہوئے اجنبی زمانوں میں لے گیا ہے۔ افغانستان سے طورخم کے راستے پاکستان میں داخل ہو کر لہراتی بل کھاتی خشک پہاڑی گزر گاہوں سے گزر کر درہ خیبر کے راستے پشاور میں داخل ہونے والی شاہراہ فاتحین اور تجارتی قافلوں کا قدیم ترین راستہ ہے۔ آریہ، سیتھین، پارتھین، یونانی بیکٹرین، کشان، ہن، ترک، منگول اور پھر مغل انہی راستوں سے چل کر جنوبی ایشیا کی سرزمین پر آئے۔

کے پی کے کا صدر مقام پشاور ایک قدیم شہر ہے جو قلعہ بالا حصار، تانبے کے منقش برتنوں، کڑھائی اور شیشیوں سے مزین واسکٹوں، چپل اور چپلی کباب کی اشتہاء انگیز خوشبو سے بھرے بازاروں کے لیے مشہور ہے، ان بازاروں میں قصہ خوانی بازار کو ایک افسانوی حیثیت حاصل ہے۔

یونانی فاتح سکندر اعظم نے اس مقام سے ذرا نیچے کی طرف ایک مقام پر دریائے سندھ کو عبور کیا تھا جہاں اب اٹک کا پل ہے۔ پشاور سے پاکستان کے جدید دارالحکومت اسلام آباد کی طرف بڑھتے ہوئے اسلام آباد سے سولہ کلومیٹر پہلے ٹیکسلا کے کھنڈرات ہیں جو بدھ مت کے عظیم حکمران اشوک کے شاندار دورِ حکومت کے یادگاروں کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

کے پی کے صوبے کا صدر مقام پشاور اپنی قدامت اور تاریخی روایات کے باعث محققین کے لیے دلچسپی کا باعث ہے۔ پنجاب میں یہی حیثیت لاہور، ملتان، بہاولپور اور قصور جیسے شہروں اور بھیرہ (ضلع سرگودھا) جیسے تاریخی قصبات کو حاصل ہے۔

ضلع خوشاب میں وادی سون کا شہر سکیسر ایک صحت افزاء مقام کی حیثیت رکھتا ہے اور موٹروے کی تعمیر کے بعد موروں کی وادی کلر کہار میں بھی سیاحوں کی دلچسپی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

چونکہ صوبہ سندھ کے ساحلی علاقے کی آب و ہوا سردی اور گرمی دونوں موسموں میں معتدل رہتی ہے۔ اس لیے کراچی میں سیاحت کی غرض سے آنے والے زیادہ تر موسم سرما کا انتخاب کرتے ہیں۔ کلفٹن اور ہاکس نہایت ترقی یافتہ اور خوش منظر ساحلی تفریح گاہیں ہیں۔ ساحل کے قریب ہی منوڑہ کا خوبصورت جزیرہ مرکز نگاہ ہے۔ اندرونِ سندھ منچھر اور ہالیجی جھلیں بہت پر فضا مقامات ہیں۔

صوبہ بلوچستان کا سب سے اہم صحت افزاء مقام زیارت ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں بانی پاکستان قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے، کوئٹہ کے قریب حنہ جھیل اور بہت سے دیگر چھوٹے چھوٹے تفریحی مقامات ہیں۔

شمال میں قراقرم کے سلسلہ کوہ میں کے ٹو واقع ہے جو دنیا کی بلند ترین چوٹی ہے لیکن کوہ پیماؤں کے لیے اس کو سر کرنا ایورسٹ سے بھی زیادہ مشکل اور حوصلہ طلب ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEEF AHMAL KHAN-03429065886

چترال کی سرزمین میں تین وادیاں ہیں، بمبوریت، رمبور اور بیریر، ان وادیوں کے مکین کالاش اور کافر کہلاتے ہیں۔ وادی ہنزہ اپنے حسین مناظر کے ساتھ خوبصورت اور صحت مند لوگوں کی وجہ سے بھی سیاحوں کے لیے ایک خواب کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہنزہ میں اوسط انسانی عمر دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔ اس علاقے میں تعمیر کی گئی شاہراہ قراقرم جو قدیم زمانے میں ریشم کی تجارت کرنے والے سیاحوں کے قافلوں کی وجہ سے شاہراہ ریشم کہلاتی تھی، پاکستان کو عوامی جمہوریہ چین سے ملاتی ہے اور دنیا کی بلند ترین شاہراہ ہے۔

لاہور دیارِ مشرق کا قلب ہے اس شہر کے تہذیبی اور روحانی کمالات کی کوئی حد نہیں۔ عظیم صوفی بزرگ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور کو "شہروں کا قطب" کہا تھا۔ لاہور میں مغل عہد کی یادگاریں بادشاہی مسجد، شاہی قلعہ، شالامار باغ، جہانگیر اور نور جہان مقبرے پر ہیں۔ برطانوی عہد کی یادگار لاہور کی خوبصورت مرکزی سڑک دی مال ہے جسے اب شاہراہ قائداعظم کا نام دیا گیا ہے۔ اس شاہراہ پر گرجوں کی پر شکوہ خوبصوت عمارات، گورنمنٹ کالج اور پنجاب یونیورسٹی کی قدیم عمارات ہیں، شاہراہ قائداعظم پر ہی لاہور کے تاریخی عجائب گھر کی عمارت ہے اور اس کے سامنے زمزمہ توپ نصب ہے جس کو مشہور انگریزی ادیب کپلنگ نے ایک افسانوی حیثیت دے دی ہے۔

سرسبز پنجاب اور ہڑپہ پھر صحرائی پنجاب اور مدینۃ الاولیاء ملتان، کھجوروں میں گھرے ہوئے بہاولپور اور شاہراہ پاکستان سے کسی قدر فاصلے پر واقع موہن جودڑو سے گزرتے ہوئے جب ہم جنوب کی ساحلی شہر کراچی پہنچتے ہیں تو پاکستان کی ثقافت کا ایک نیا رخ سامنے آتا ہے۔ کراچی بین الاقوامی ثقافت کا شہر ہے۔ سیاح کراچی کے ساحلوں پر اونٹوں کی سواری کا لطف اٹھاتے ہیں اور بے کراں سمندر کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ کراچی سے صوبہ سندھ کے دوسرے تہذیبی مراکز ٹھٹھہ اور بھنبھور بھی زیادہ دور نہیں ہیں۔ مارگلہ کی پہاڑیوں کے دامن میں واقع پاکستان کا جدید ترین دارالحکومت اسلام آباد اب اپنی فیصل مسجد، درسگاہوں، حکومت کے ایوانوں اور خوبصورت تفریحی مراکز کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔

پاکستان کی سرزمین قدرتی حسن کی دولت سے مالا مال ہے۔ لیکن وسائل کی کمی کے باعث ابھی تک پاکستان کے سیاحتی مقامات کو عالمی معیار کے مطابق ترقی نہیں دی جا سکی۔ سیاحتی اور تفریحی مقامات پر عالمی معیار کی سہولتیں مہیا کر کے ہم نہ صرف قیمتی زرمبادلہ کما سکتے ہیں بلکہ عالمی برادری میں پاکستان کو ایک شاندار تہذیبی سرمائے کے حامل خوبصورت اور امن پسند ملک کی حیثیت سے پیش کر سکتے ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03495815086

نقشہ بینی

نقشہ زمین کے کسی حصے کی ایسی تصویر کو کہتے ہیں جو اس کی بعض مخصوص خصوصیات کو ظاہر کرنے کے لیے بنائی گئی ہو۔ نقشہ خشکی اور سمندر دونوں کو ظاہر کرنے کے لیے بنایا جا سکتا ہے۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ نقشہ فوٹو گراف نہیں ہوتا بلکہ خاکہ ہوتا ہے جو لائنوں اور علامات کے ذریعے اپنا مدعا ظاہر کرتا ہے۔ نقشوں کی تین اہم اقسام ہیں:

1. سیاسی اور انتظامی نقشے براعظموں، ملکوں، اضلاع اور شہروں کی حدود کو ظاہر کرتے ہیں۔
2. طبعی نقشے جو پہاڑوں، دریاؤں، صحراؤں، وادیوں اور میدانوں وغیرہ کو ظاہر کرتے ہیں۔

3۔ **سطح نما نقشے:** ریلیف میپ یا سطحی نما نقشوں میں مختلف رنگوں سے سطح زمین (پہاڑوں اور میدانوں وغیرہ) کی سطح سمندر سے بلندی کو ظاہر کیا جاتا ہے۔

جب آپ ایک نقشے کو سامنے رکھیں گے تو عموماً اس کی اوپر والی سمت میں شمال نیچے کی جانب جنوب آپ کے بائیں ہاتھ مغرب اور دائیں ہاتھ مشرق ہوگا۔

خطوط طول بلد اور عرض بلد:۔

کرہ ارض کے مدور (گول) ماڈل کو گلوب کہتے ہیں۔ دنیا چونکہ گول ہے اس لیے اس کا کوئی بھی نقشہ جو ہموار کاغذ پر بنایا جائے گا اس کی صحیح صورت حال کو واضح نہیں کرے گا۔ کرہ ارض بہت بڑا وسیع ہے اس لیے اس پر کسی مقام کی نشان دہی بہت مشکل کام ہے اس مشکل کو حل کرنے کے لیے جغرافیہ دانوں نے کرہ ارض پر کچھ فرضی خطوط قائم کیے ہیں۔ ان میں سے کچھ خطوط اوپر سے نیچے یعنی شمال سے جنوب کی طرف اس طرح آتے ہیں جیسے خربوزے پر پڑی ہوئی لکیریں، دیکھیے، شکل نمبر 1، ان کو خطوطِ طول بلند کہا جاتا ہے۔ چونکہ ایک مکمل دائرے میں 360 درجے ہوتے ہیں اس لیے خطوط طول بلد کی تعداد بھی 360 مقرر کی گئی ہے۔ ان میں سے کسی خط کا درجہ صفر فرض کرنا ضروری تھا تاکہ دوسرے خطوط کو اس کی نسبت سے درجے دیئے جا سکیں۔ 1884ء میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس خط کو Prime Meridian کا نام دیا جائے اور یہ فرض کیا جائے کہ یہ خط برطانیہ کے شہر گرینچ (Greenwich) سے گزرتا ہے۔ اس خط کے مغرب میں واقع خطوط کو W سے اور مشرق میں واقع خطوط کو E سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ گرینچ سے عین 180 درجے مخالف سمت میں قائم کئے گئے فرضی خط کو IDL یا International Date Line کہا جاتا ہے۔ یہ نہ مشرق ہے نہ مغرب۔ جب ہم مغرب سے آکر IDL کو عبور کرتے ہیں تو تاریخ ایک دن آگے بڑھ جاتی ہے۔ جب ہم مشرق سے مغرب کی طرف IDL کو عبور کرتے ہیں تو تاریخ ایک دن پیچھے چلی جاتی ہے۔

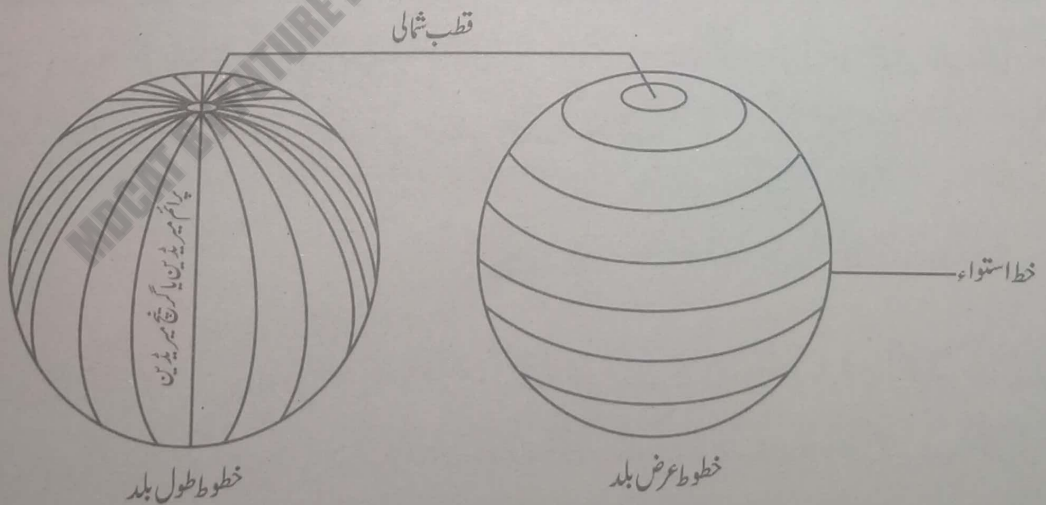

خطوط طول بلد　　　　خطوط عرض بلد

خطوطِ طول بلد کے مخالف سمت میں کرہ ارض کے عین وسط میں ایک خط فرض کیا گیا ہے جس کو خط استواء Equator کہتے ہیں۔ خط استواء سے زمین کے بالائی نقطے تک کے علاقے کو شمالی نصف کرہ اور خط استواء سے زمین کے زیریں نقطے تک کے علاقے کو جنوبی نصف کرہ کہا جاتا ہے۔ ہر نصف کرے

FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN

میں نوے نوے خطوط فرض کئے گئے ہیں جنوبی خطوط کو S سے اور شمالی خطوط کو N سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ قطب شمالی 90^{on} درجہ ہے اور قطب جنوبی کا 90^{os}۔

ان فرضی خطوط سے بننے والے خانوں کو جال یا Grids کہا جاتا ہے جب ہم کرہ ارض پر کسی مقام کا تعین کرنا چاہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ وہ مقام اتنے درجے طول بلد اور اتنے درجے عرض بلد کے درمیان واقع ہے مثلاً پاکستان کا محل وقوع بیان کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ پاکستان 24 سے 36 شمالی عرض بلد اور 61 اور 75 مشرقی طول بلد کے درمیان واقع ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03495215886

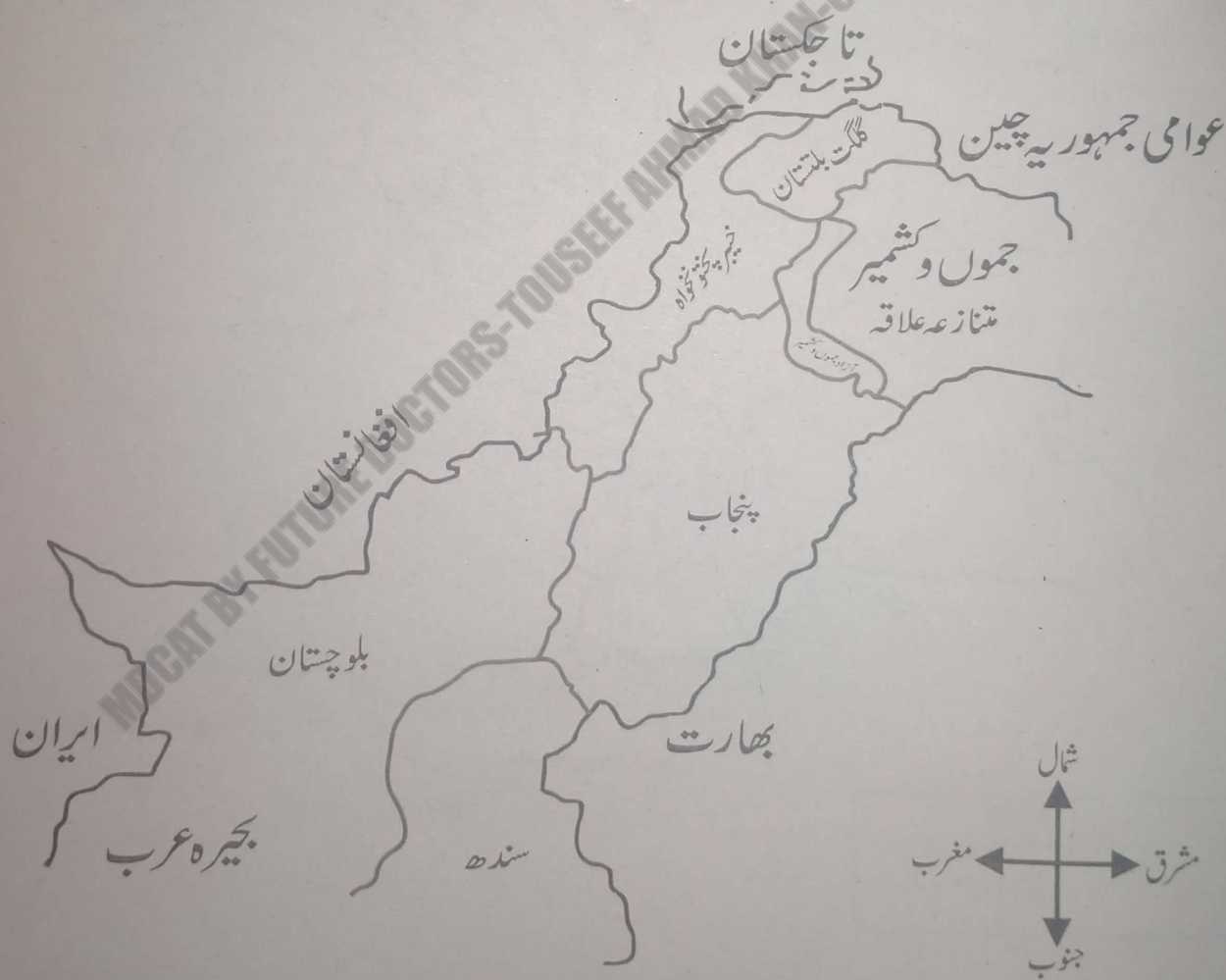

پاکستان کے ہمسایہ ممالک اور پاکستان کی صوبائی تقسیم

پاکستان کے دریا اور سندھ کا بالائی زیریں میدان

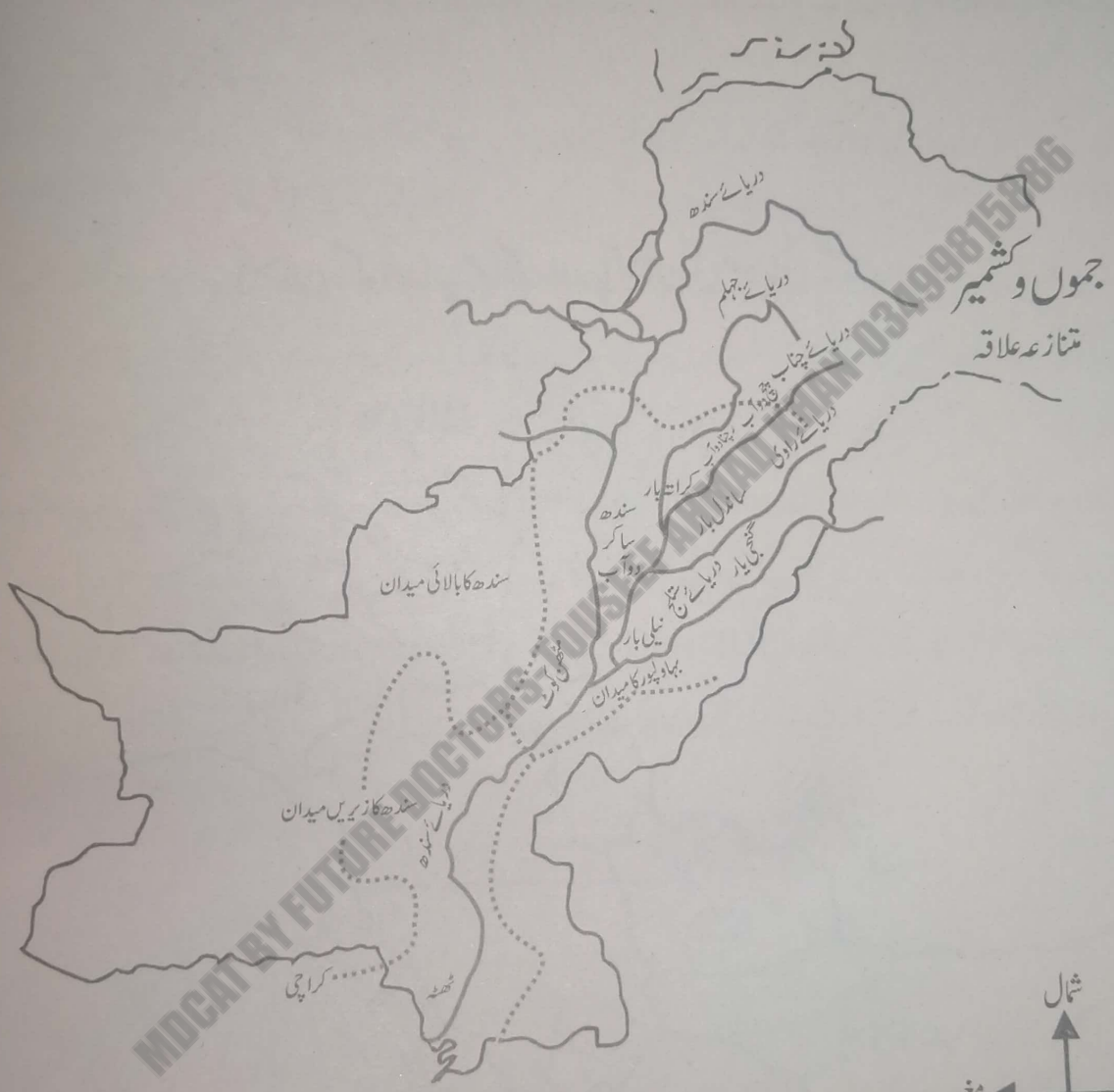

.... دریائے سندھ کے بالائی اور زیریں میدانوں کی حدود
——— بین الاقوامی حد

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

توانائی کے ذرائع

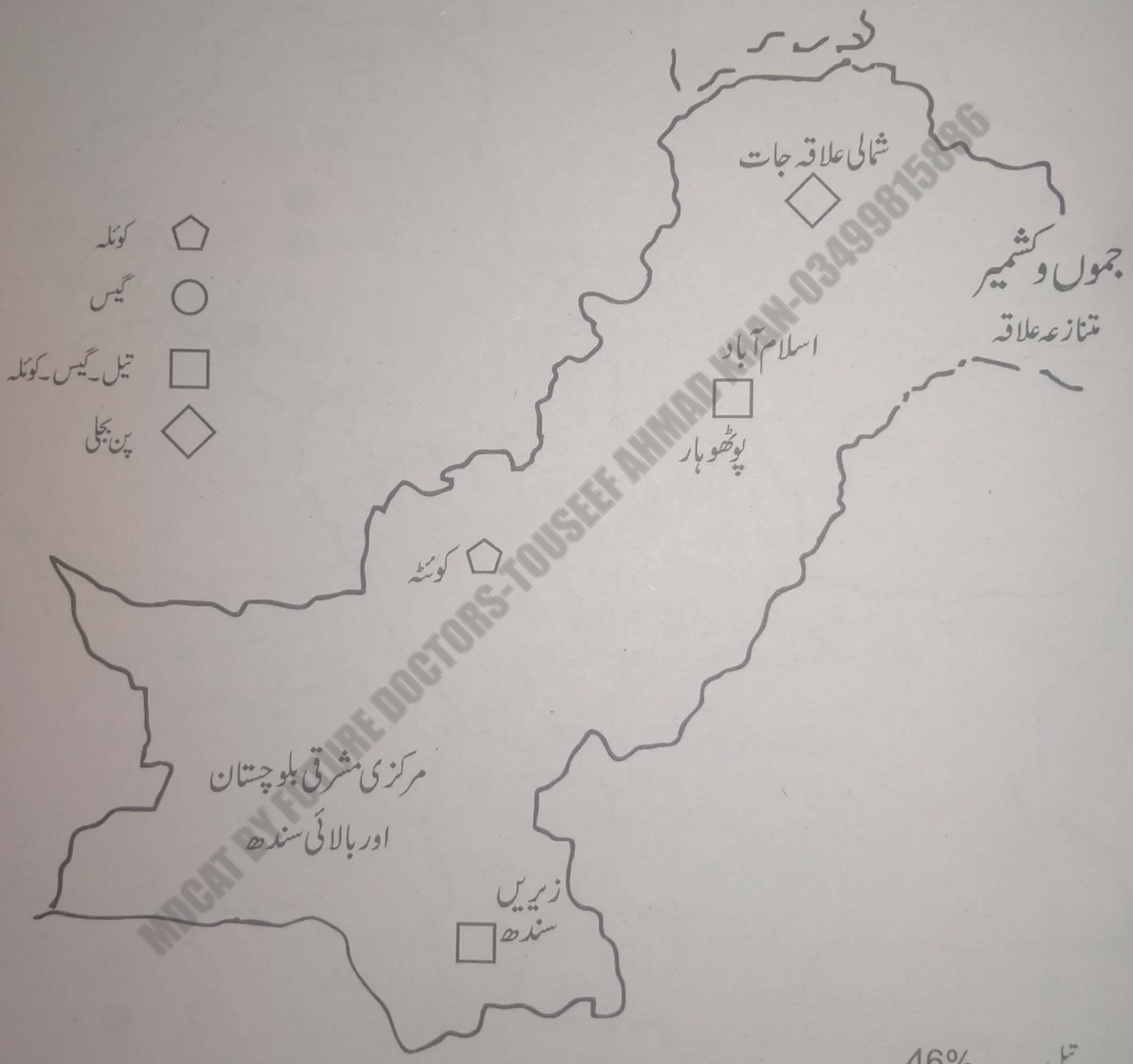

IMCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815896

تیل	46%
گیس	37%
کوئلہ	4%
پن بجلی	12%

معدنیات

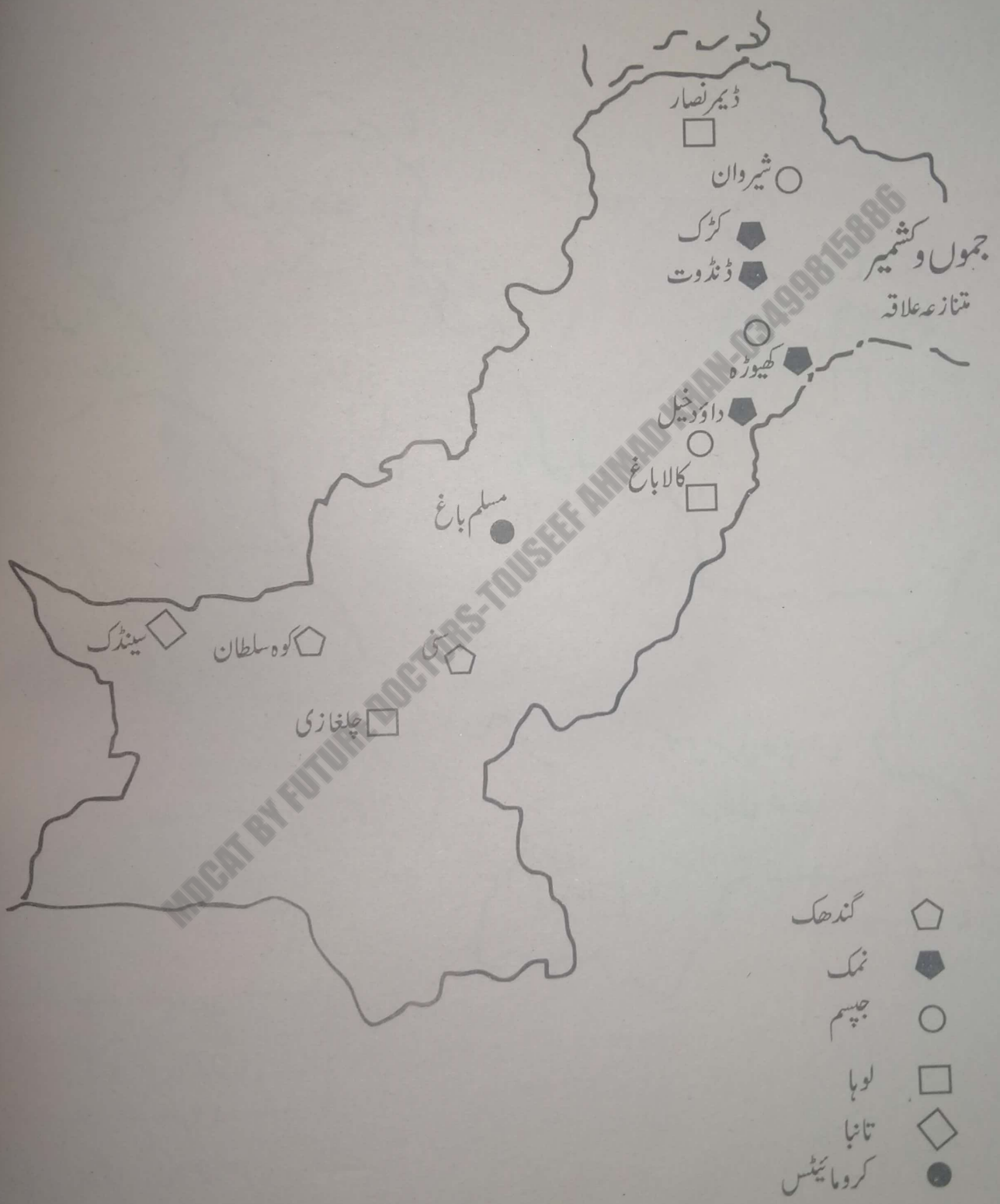

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

صحرائی علاقہ جات

HOCR BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

زرعی پیداوار

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMED KHAN 03499815886

مشق

1۔ خالی جگہ ایسے الفاظ سے پُر کیجیے کہ بیان بامعنی ہو جائے۔

1۔ عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ پاکستان کی ________ کلومیٹر لمبی سرحد ملتی ہے۔

2۔ تاجکستان کو پاکستان سے افغانستان کے علاقے ________ کی ایک تنگ سی پٹی جدا کرتی ہے۔

3۔ گلگت اور بلتستان کی سرحدیں ہمسایہ ملک ________ سے ملتی ہیں۔

4۔ سرد جنگ کے دور میں پاکستان نے عالمی طاقت ________ کا ساتھ دیا۔

5۔ بھیرہ کا تاریخی قصبہ ضلع ________ میں واقع ہے۔

6۔ ٹیکسلا کے کھنڈرات بدھ مت کے عظیم حکمران ________ کی یادگار ہیں۔

7۔ اسلام آباد ________ کی پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے۔

8۔ فرضی خط Prime Meridian برطانیہ کے شہر ________ سے گزرتا ہے۔

9۔ ایک مکمل دائرے میں ________ درجات ہوتے ہیں۔

10۔ کرہ ارض کے مدور ماڈل کو ________ کہتے ہیں۔

2۔ ہر سوال کے آگے قوسین میں دیئے گئے تین جوابات میں سے مناسب ترین جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔ بھارت اور پاکستان کی مشترکہ سرحد کی لمبائی ________ کلومیٹر ہے۔ (2100،909،2612)

2۔ پاکستان کا تقریباً ________ فی صد علاقہ میدانی ہے۔ (60فیصد،40فیصد،90فیصد)

3۔ پاکستان کے ساحلی علاقے میں بارش کی سالانہ اوسط ________ ملی میٹر ہے۔ (100،275،175)

4۔ صوبہ بلوچستان پاکستان کے ________ فیصد رقبے پر محیط ہے۔ (80فیصد،40فیصد،44فیصد)

5۔ قلعہ بالا حصار صوبہ ________ میں واقع ہے۔ (خیبر پختونخواہ، سندھ، پنجاب)

6۔ مدینتہ اولیاء ________ کو کہا گیا ہے۔ (ملتان، اوکاڑہ، راولپنڈی)

7۔ بلوچستان کے صحت افزاء مقامات میں ________ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ (مری، سوات، زیارت)

8۔ ________ میں روس کی عالمی طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ (2001،1979،1989)

9۔ پاکستان کی سرحدیں چین کے مسلم اکثریتی صوبہ ________ سے ملتی ہے۔ (اترپردیش، ہانگ کانگ، سنکیانگ)

3۔ ص (صحیح) یا غ (غلط) کے اوپر دائرہ لگا کر درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ پاکستان کی سب سے لمبی سرحد بھارت سے ملتی ہے۔ ص غ

2۔ پاکستان میں صرف ایک سطح مرتفع ہے جس کا نام سطح مرتفع بلوچستان ہے۔ ص غ

3۔ دریائے سندھ کے زیریں میدان میں نسیم بحری کا اثر 80 کلومیٹر تک محسوس کیا جا سکتا ہے ص غ

4۔ سبی اور جیکب آباد کا شمار دنیا کے اعلیٰ ترین صحت افزاء مقامات میں ہوتا ہے۔ ص غ

5۔ پنجاب رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب بڑا صوبہ ہے۔ ص غ

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499915086

6۔ پنجاب میں فی کس سالانہ آمدنی کے پی کے سے دوگنا ہے۔	ص	غ
7۔ IDL نہ مشرق نہ مغرب۔	ص	غ
8۔ جب ہم IDL کو مشرق سے مغرب کی طرف عبور کرتے ہیں تو تاریخ ایک دن پیچھے چلی جاتی ہے۔	ص	غ
9۔ کرہ زمین پر خربوزے کی لکیروں کی شکل میں قائم کئے گئے فرضی خطوط کو خطوط طول بلد کہا جاتا ہے۔	ص	غ
10۔ سطح نما نقشے کو ریلیف میپ بھی کہا جاتا ہے۔	ص	غ

4۔ **کالم الف کے اندراجات کو کالم ب سے لائن کے ذریعے اس طرح ملایئے کہ دونوں کا تعلق واضح ہو جائے۔**

کالم الف	کالم ب
دفاعی معاہدہ	ہوا نا 1979ء
غیر جانبدار کانفرنس	CENTO
روس اور وسطی ایشیا	اقوام متحدہ 1980ء
واخان	20 کلومیٹر
صدر پاکستان	گرم پانی

5۔ **ہر سوال کا جواب دو سے پانچ سطور میں لکھیے۔**

1۔ طول بلد اور عرض بلد کے اعتبار سے پاکستان کی وسعت نیز رقبہ تحریر کیجیے۔
2۔ پاکستان کے حدود اربعہ تحریر کیجیے (یعنی بتایئے کہ پاکستان کے کس کس طرف کونسے ممالک واقع ہیں اور ان سے پاکستان کی مشترکہ سرحد کی لمبائی کتنی ہے)
3۔ شمال مغربی اور مغربی سلسلے کے پہاڑوں کے نام لکھیے۔
4۔ پاکستان کے موسموں پر نوٹ لکھیے۔
5۔ بری آب وہوا کے پہاڑی علاقوں پر نوٹ لکھیے۔
6۔ پاکستان کے مختلف خطوں میں آبادی کا تفاوت بیان کیجیے۔
7۔ صنعتی ترقی کے اعتبار سے پاکستان کے مختلف علاقوں میں پائے جانے والے عدم توازن پر نوٹ لکھیے۔
8۔ عالم اسلام میں پاکستان کی مرکزی حیثیت مختصراً بیان کیجیے۔
9۔ سیاحت کے تین بڑے مقاصد بیان کیجیے۔
10۔ سیاحوں کی دلچسپی کے مقامات کو کن عنوانات کے تحت مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔
11۔ کے پی کے اور پنجاب کے اہم تفریحی (پہاڑی) مقامات کا تذکرہ کیجیے۔
12۔ سیاحت کے نقطہ نظر سے پشاور کیوں اہم ہے؟

6۔ **مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔**

1۔ درجہ حرارت کے لحاظ سے ارض پاکستان کی تقسیم پر نوٹ لکھیے۔
2۔ ''غیر متوازن اقتصادی ترقی اور علاقائی عدم توازن'' پر مضمون لکھیے۔
3۔ انسانی زندگی پر موسموں کے اثرات بیان کیجیے۔
4۔ عالمی تناظر میں پاکستان کے محل وقوع کی جغرافیائی اور تزویراتی اہمیت بیان کیجیے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-0345

4

اسلامی جمہوریہ کے قیام کی طرف پیش قدمی

پڑھیں

پس منظر:۔

قیام پاکستان کے بعد 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو معمولی ترمیمات کے ساتھ ملک کے عبوری دستور کی حیثیت سے نافذ کر دیا گیا۔ لیکن یہ انتظام محض عارضی تھا اور اس بات کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ کم سے کم مدت میں ملک کے لیے ایک مستقل دستور بنایا جائے۔ چونکہ مسلم لیگ نے پاکستان کی جنگ لا الہ الا اللہ کے نعرے پر لڑی تھی۔ اس لیے اس بات میں شبہ کی کوئی گنجائش نہ تھی کہ پاکستان کے عوام اپنے ملک کے لیے اسلامی دستور چاہتے تھے۔ لیکن بد قسمتی سے دستور ساز اسمبلی میں ایسے لوگ بہت بڑی تعداد میں منتخب ہو کر آ گئے تھے۔ جو لادینی نظام کے حامی تھے۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بار بار یہ واضح کیا کہ پاکستان کا مستقبل کا آئین قرآن وسنت کی بنیاد پر بنا جائے گا۔ علماء نے اسلامی نظام کے حق میں آواز اٹھائی۔ عوام نے علماء کا ساتھ دیا اور اس طرح ملک میں اسلامی نظام کے حق میں ایک بہت بڑی تحریک کھڑی ہو گئی۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت، علماء کی قیادت اور عوام کے جذبہ ایثار نے اسلام دشمن سیاستدانوں کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ نفاذ اسلام کی ملک گیر تحریک سے مجبور ہو کر 12 مارچ 1949ء کو دستور ساز اسمبلی نے آئین کے مقاصد کا تعین کرنے کے لیے ایک قرار داد منظور کی۔ یہ قرار داد جسے "12 مارچ 1949ء کو دستور ساز اسمبلی نے آئین کے مقاصد کا تعین کرنے کے لیے ایک قرار داد منظور کی۔ یہ قرار داد جسے "قرار داد مقاصد" کہا جاتا ہے۔ اس وقت کے وزیر اعظم نواب زادہ لیاقت علی خانؒ نے دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش کی۔

قرار داد مقاصد کے اہم نکات

قرار داد مقاصد کے اہم نکات کا خلاصہ یہ ہے:

1۔ اللہ کی حاکمیت:۔

پوری کائنات کی حاکمیت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ حاکمیت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ پاکستان کے باشندوں کے پاس حاکمیت کا اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقدس امانت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور وہ اس بات کے پابند ہیں کہ قرآن وسنت کی حدود میں رہتے ہوئے اس اختیار کو بروئے کار لائیں اور ملک میں اسلامی جمہوری نظام قائم کیا جائے گا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD KHAN-03499815836

2۔نیابت:۔

ریاست کے اپنے اختیارات کو عوام کے نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی اور یہ اختیارات قرآن وسنت کی روشنی میں طے کیے جائیں گے۔

3۔اسلام کے اجتماعی اصولوں کی پیروی:۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی انصاف کے اصولوں پر عمل کیاجائے گا۔

4۔اسلامی زندگی کا فروغ:۔

مسلمانوں کو اس قابل بنائے جائے گا کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو قرآن وسنت کے مطابق بسر کر سکیں تاکہ پاکستان کے قیام کے مقاصد پورے ہو سکیں۔

5۔اقلیتوں کا تحفظ:۔

اقلیتوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہو گی۔ نیز وہ اپنے تمدن کی نشوونما اور جائز مفادات کے تحفظ میں بھی آزاد ہوں گی۔چونکہ یہ اسلام کا بنیادی اصول ہے۔

6۔بنیادی حقوق کا تحفظ:

شہریوں کو تمام بنیادی حقوق مثلاً آزادی، مساوات، ملکیت، اظہار رائے، عقیدہ، عبادات اور انجمن سازی وغیرہ کے حقوق کا تحفظ حاصل ہوگا۔یعنی شہریوں کو ان حقوق سے محروم نہیں کیا جاسکے گا۔

قرارداد مقاصد کی اہمیت اور اثرات:۔

1۔ قراردادِ مقاصد مین پہلی بار مملکت پاکستان نے اس بات کا سرکاری طور پر اعتراف کیا کہ اس کا مقصد اسلامی نظام حکومت کا قیام ہے۔

2۔ قراردادِ مقاصد کی شکل میں نظریہ پاکستان کو پہلی بار سرکاری طور پر پاکستان میں آئین سازی کی بنیاد کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا۔

3۔ یہ قرارداد قومی اتفاق رائے کا مظہر تھی کیونکہ اسے تمام مکاتیب فکر کے علماء کی تائید حاصل تھی۔

4۔ قرارداد مقاصد کو بعد میں بننے والے تمام دساتیر کے آغاز میں افتتاحیہ کی حیثیت سے شامل کیا گیا۔

5۔ افتتاحیہ آئین کا قابل نفاذ حصہ نہیں ہوتا۔اس کی حیثیت محض مملکت کی اخلاقی ذمہ داری کی ہوتی ہے۔اس کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے آٹھویں ترمیم کے تحت قرارداد مقاصد کو آئین کا باضابطہ حصہ بنادیا گیا۔

1956ء کے آئین کی اسلامی دفعات

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت:۔

آئین کا افتتاحیہ قرارداد مقاصد کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے۔افتتاحیہ میں کہا گیا ہے کہ پوری کائنات کی حاکمیت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔حاکمیت میں کوئی اللہ کا شریک نہیں۔پاکستان کے عوام اللہ کی مقررہ کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے حاکمیت کے اختیار کا استعمال ایک مقدس امانت کے طور پر کریں گے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

2۔ مملکت کا نام:۔

1956ء کے دستور کے تحت پہلی بار مملکت کے لیے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نام اختیار کیا گیا۔

3۔ مسلمان سربراہ مملکت:۔

دستور میں سربراہ مملکت یعنی صدر کے لیے مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا تھا۔ تاہم وزیر اعظم کے لیے مسلمان ہونے کی شرط نہیں رکھی گئی تھی۔

4۔ جمہوریت، انصاف، آزادی، مساوات:۔

1956ء کے آئین کے افتتاحیہ میں کہا گیا ہے کہ قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات کے مطابق پاکستان ایک جمہوری مملکت ہو گا جس میں معاشرتی انصاف، آزادی اور مساوات کے اسلامی اصولوں کے مطابق نظام قائم کیا جائے گا۔ افتتاحیہ میں مزید کہا گیا ہے کہ پاکستان کے عوام کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھال سکیں۔

5۔ اسلامی قانون کا نفاذ:۔

آئین کے آرٹیکل 198 میں کہا گیا ہے کہ ملک میں کوئی قانون قرآن و سنت کے منافی نہیں بنایا جائے گا۔ جو قوانین رائج ہیں ان کو بتدریج قرآن و سنت کے مطابق ترمیم کر دیا جائے گا۔

6۔ اسلامی اقدار کا تحفظ:۔

آئین میں پالیسی کے بہت سے اسلامی اصولوں کے تحفظ اور برائیوں کے خاتمے کی ضمانت دی گئی۔ کہا گیا کہ ناخواندگی ختم کر دی جائے گی۔ مزدوروں کے کام کرنے کے حالات بہتر بنائے جائیں گے سود، عصمت فروشی، جوا اور شراب کا خاتمہ کیا جائے گا۔ حکومت کی ذمہ داریوں میں یہ بات شامل ہو گی کہ وہ تمام شہریوں کو روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور طبّی سہولتیں فراہم کرے۔

7۔ اسلامی ممالک سے بہتر تعلقات:۔

پالیسی کے رہنما اصولوں میں کہا گیا ہے کہ پاکستان اور دیگر ممالک کے درمیان تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش کی جائے گی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN 03499818886

1962ء کے آئین کی اسلامی دفعات

1۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت:۔

آئین کا افتتاحیہ قرار داد مقاصد کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے۔ افتتاحیہ میں کہا گیا ہے کہ پوری کائنات کی حاکمیت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ حاکمیت میں کوئی اللہ کا شریک نہیں۔ پاکستان کے عوام اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے حاکمیت کے اختیارات کا استعمال ایک مقدس امانت کے طور پر کریں گے۔

2۔ مملکت کا نام:۔

آئین میں مملکت کو ''جمہوریہ پاکستان'' قرار دیا گیا تھا۔ اسلامی کا لفظ حذف کرنے پر ملک میں احتجاج ہوا جس کے نتیجے میں ایک آئینی ترمیم کے ذریعے ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کا نام بحال کر دیا گیا۔

3۔ صدر کا مسلمان ہونا:۔

1962ء کا آئین صدارتی نوعیت کا تھا اس لیے آئین میں وزیر اعظم کا عہدہ ہی موجود نہیں تھا تاہم صدر کے لیے مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا تھا۔ کوئی غیر مسلم پاکستان کا صدر نہیں بن سکتا تھا۔

4۔ شریعت کی بالادستی:

آئین میں وعدہ کیا گیا کہ قانون سازی کرتے وقت اسلامی شریعت سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔ پہلے سے رائج جو قوانین قرآن وسنت کے مطابق نہیں ہیں ان کو بتدریج تبدیل کر دیا جائے گا۔

5۔ اسلامی معاشرے کا قیام:۔

ایسا ماحول پیدا کرنے کا عزم ظاہر کیا گیا جس میں رہتے ہوئے پاکستان کے عوام اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو اسلام کے مطابق ڈھال سکیں۔ معاشرتی زندگی کو سود، عصمت فروشی، جوا، شراب نوشی اور اسی طرح کی دیگر قباحتوں سے پاک کر کے اسلامی معاشرت کے قیام کے لیے سازگار ماحول پیدا کیا جائے گا۔

6۔ اسلامی اداروں کا تحفظ:۔

آئین میں یہ وعدہ کیا گیا کہ زکوۃ، اوقاف اور مساجد کے کردار کو زیادہ موثر اور نتیجہ خیز بنانے کے لیے قانون سازی کی جائے گی۔

7۔ ترقی پسند فلاحی معاشرے کا قیام:۔

آئین میں کہا گیا کہ اسلامی اصولوں پر مبنی ایک ترقی پسند فلاحی معاشرے کا قیام اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نصب العین ہو گا۔

8۔ اقلیتوں کا تحفظ:۔

آئین میں یہ عزم ظاہر کیا گیا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان اسلام کی روح کے عین مطابق مذہبی آزادی اور رواداری کے اصولوں کی بنیاد پر اقلیتوں کے حقوق کا مکمل طور پر تحفظ کرے گی۔

9۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کا قیام:۔

اسلام کی روشنی میں نئے پیدا ہونے والے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے ''اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499813880

10۔اسلامی مشاورتی کونسل:۔

قانون، تعلیم اور دینی علوم کے ماہرین پر مشتمل ایک اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی گئی۔ جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ پہلے سے موجود قوانین کو اسلام کی روح کے مطابق ڈھالنے نیز اسلام کی روشنی میں نئی قانون سازی کرنے میں صدر مملکت اور قانون سازاداروں کی رہنمائی اور معاونت کرے۔

1973ء کے آئین کی اسلامی دفعات

1۔اللہ تعالیٰ کی حاکمیت:۔

آئین کا ابتدائیہ قراردادِ مقاصد کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے۔اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہر گاہ کہ کل عالم پر صرف خدائے تعالیٰ کی حاکمیت اور مطلق اختیار قائم ہے۔اللہ کی طرف سے مقرر کردہ اختیار کی حدود کے اندر رہتے ہوئے حاکمیت کے اس اختیار کا استعمال پاکستان کے عوام کے پاس ایک مقدس امانت ہے۔"

قرارداد مقاصد کو آئین کا قابل نفاذ حصہ نہیں بنایا گیا تھا اس لیے اس کی حیثیت محض مملکت کی اخلاقی ذمہ داری تھی۔آٹھویں ترمیم کے تحت 1985ء میں پہلی بار یہ قراردادِ مقاصد کو آئین کے متن کا حصہ بنا دیا گیا۔ گو اب اس قرارداد پر عمل کرنا مملکت کی قانونی ذمہ داری بن گیا ہے۔ لیکن یہ بات ابھی بھی واضح نہیں ہے کہ اگر حکومت اس ذمہ داری سے پہلو تہی کرے تو اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا طریقہ کار کیا ہوگا۔

2۔مملکت کا نام:۔

دونوں سابقہ دساتیر کی طرح 1973ء کے آئین میں بھی مملکت کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" قرار دیا گیا۔

3۔سرکاری مذہب:۔

1973ء کے دستور میں وضاحت سے درج کیا گیا ہے کہ مملکت کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔دونوں سابقہ دساتیر میں یہ وضاحت موجود نہیں تھی۔

4۔صدر اور وزیر اعظم کا مسلمان ہونا:۔

1973ء کے آئین کے تحت صدر اور وزیر اعظم دونوں کا مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔1956ء کے آئین میں صرف صدر کا مسلمان ہونا ضروری تھا۔(1962ء کے آئین میں وزیر اعظم کا عہدہ موجود نہیں تھا۔تاہم صدر کا مسلمان ہونا ضروری تھا۔)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

5۔ مسلمان کی تعریف:۔

1973ء کے آئین میں پہلی مرتبہ مسلمان کی واضح طور پر تعریف کی گئی ہے۔ یہ تعریف دستور کے تیسرے گوشوارے میں صدر اور وزیر اعظم کے حلف کی صورت میں آئین کا حصہ بنادی گئی ہے۔ اگرچہ اس تعریف کی رو سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان نہ رکھنے والے از خود دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں تاہم اس کی مزید وضاحت اس آئینی ترمیم سے کردی گئی ہے جس کے تحت قادیانی اور لاہوری مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے۔

6۔ اسلامی معاشرے کا قیام:۔

دستور کے ابتدائیہ میں پاکستانی عوام کی اس خواہش کا اظہار کیا گیا ہے۔ کہ وہ جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشرتی انصاف کے ان اصولوں پر مبنی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں جو اسلام نے مقرر کیے ہیں۔ پالیسی کے اصولوں میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کے مسلمانوں کی زندگیوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے اور انہیں ایسے مواقع بہم پہنچائے جائیں گے۔ کہ وہ زندگی کے اسلامی تصور سے آشنا ہو سکیں۔ آئین کے آرٹیکل 227 میں کہا گیا ہے کہ تمام موجودہ قوانین کو طے شدہ اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے گا اور کوئی ایسا نیا قانون نہیں بنایا جائے گا جو اسلامی اصولوں کے خلاف ہو۔

پالیسی کے اصولوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکومت قرآن مجید اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دینے کی کوشش کرے گی۔ عربی سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرے گی اور اس بات کا اہتمام کرے گی کہ قرآن مجید کی طباعت اغلاط سے پاک ہو۔

7۔ اسلامی اقدار اور اداروں کا تحفظ:۔

پالیسی کے اصولوں میں کہا گیا ہے کہ حکومت زکوٰۃ، اوقاف اور مساجد کو صحیح خطوط پر منظم کرنے کی کوشش کرے گی۔ جہالت کے خاتمے، مزدوروں کے کام کے حالات کو بہتر بنانے، محتاجوں کو بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی، سود عصمت فروشی اور جوئے پر پابندی لگانا مملکت کی پالیسی کے اصولوں میں شامل ہے۔

8۔ نظریہ پاکستان کا اثبات:۔

آئین کے تیسرے گوشوارے میں صدرِ مملکت، وزیر اعظم اور بعض دیگر اعلیٰ عہدے داروں کے حلف کی عبارات درج کی گئی ہے۔ حلف میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اسلامی نظریہ ہی قیام پاکستان کی بنیاد ہے۔

9۔ اسلامی نظریہ کونسل:۔

آئین کے تحت اسلامی نظریہ کونسل کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ یہ ادارہ اسلامی قانون اور شریعت کے ماہرین پر مشتمل ہوگا۔ اسلامی نظریہ کونسل قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالنے میں قانون ساز اداروں کی رہنمائی کرے گی۔

10۔ اتحاد عالم اسلامی:۔

پالیسی کے اصولوں پر اس عزم کا اظہار کیا گیا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومت اسلامی اخوّت کی بنیاد پر مسلمان ممالک سے تعلقات کو مضبوط بنانے کی کوشش کرے گی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

نفاذِ اسلام کے لیے اقدامات

نظام اسلام کی تحریک:۔

قیام پاکستان کی تحریک میں مسلم لیگ نے وعدہ کیا تھا کہ پاکستان میں اسلامی نظام حکومت قائم کیا جائے گا۔ لہٰذا قیام پاکستان کے فوراً بعد عوام نے حکومت سے مطالبہ شروع کیا کہ اسلامی آئین نافذ کیا جائے۔

علماء کے 22 نکات:۔

تمام مکاتیب فکر کے علماء نے متحد ہو کر آئین سازی سے متعلق بنیادی اصولوں کو 22 نکات کی صورت میں مرتب کر کے حکومت کے سامنے پیش کیا۔

قراردادِ مقاصد:۔

عوام کے مطالبے سے مجبور ہو کر حکومت نے مارچ 1949ء میں آئین ساز اسمبلی کے سامنے ایک قرارداد پیش کی جس میں واضح کیا گیا کہ پاکستان میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ پاکستان میں جمہوریت، مساوات اور معاشرتی انصاف کے اسلامی اصولوں پر مبنی نظام حکومت قائم کیا جائے گا۔

اسلام اور دستور سازی:۔

1956ء، 1962 اور 1973 میں بننے والے تینوں دساتیر میں قرارداد مقاصد کو پیش لفظ کے طور پر شامل کیا گیا۔ 1985ء میں آٹھویں ترمیم کے تحت پہلی بار قرارداد مقاصد کو دستور کا باقاعدہ قابل نفاذ حصہ بنا دیا گیا۔ پاکستان کے تمام دساتیر میں مملکت کا نام ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' قرار دیا گیا۔ سربراہ مملکت کا مسلمان ہونا ضروری ٹھہرایا گیا اور اسلام کی تشریح و تعبیر کے لیے اسلامی مشاورتی کونسل جیسے ادارے قائم کیے گئے۔

تحریک نظامِ مصطفیٰ ﷺ:۔

1977ء کی تحریک نظامِ مصطفیٰ ﷺ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ پاکستان کے عوام نفاذِ اسلام کے سلسلے میں اپنی حکومت کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہیں۔ اس جذبے کو دیکھتے ہوئے 1977ء میں برسر اقتدار آنے والی مارشل لاء حکومت نے اسلامی نظام حکومت کے نفاذ کے لیے بہت سے مثبت اقدامات کیے۔

1977ء کے بعد نفاذ اسلام کے اقدامات

عدلیہ اور قوانین:۔

قوانین اور عدالتی نظام کو بتدریج اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے عمل کا آغاز 12 ربیع الاول 1399ء ہجری (10 فروری 1979) کے دن سے ہوا۔ اس سلسلے میں حسب ذیل اقدامات کیے گئے:

MADE BY FUTURE DOCTORS-YOUSEEF AHMAD KHAN-03499065886

1۔ شراب نوشی، چوری، زنا اور قذف کے لیے اسلامی سزائیں نافذ کی گئیں۔

2۔ وفاقی سطح پر وفاقی شرعی عدالت قائم کی گئی جس کا درجہ ہائی کورٹ کے برابر ہے۔ علماء کو جج بنایا گیا۔

3۔ عدالتوں کے طریق کار سے غیر اسلامی روایات کو ختم کیا گیا۔

4۔ اسلامی قانون کے نفاذ کو ممکن بنانے کے لیے مطلوبہ افراد کی کمی محسوس کرتے ہوئے اس مقصد کے لیے اسلام آباد میں شریعت فیکلٹی اور اسلامی یونیورسٹی قائم کی گئی۔ نیز دینی تعلیم کے بعض اداروں میں قاضی کلاسیں جاری کی گئیں۔

5۔ قرارداد مقاصد کو آئین کا باضابطہ اور قابل نفاذ حصہ بنا دیا گیا۔

اقتصادی معاملات:۔

1۔ 20 جون 1980 کو ملک میں نظام زکوٰۃ قائم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ حکومت نے ابتدائی طور پر زکوٰۃ فنڈ میں سوا دو ارب روپے کی رقم خود جمع کرائی۔

2۔ عشر جمع کر کے ناداروں میں تقسیم کرنے کی سکیم پر عمل درآمد کا آغاز 1983ء کی فصل ربیع سے ہوا۔

3۔ یکم جنوری 1981ء سے بینکوں اور بعض دیگر مالیاتی اداروں کے کاروبار سے سود کو ختم کرنے کے عمل کا آغاز کیا گیا۔

دینی شعائر اور احکام کا احترام:۔

ایک مثالی اسلامی ریاست محض چند قوانین اور احکام کے ذریعے قائم نہیں ہو سکتی۔ اسلامی ریاست ایک اسلامی معاشرے سے ہی وجود میں آتی ہے۔ معاشرت کو اسلامی رنگ دینے کے لیے حکومت نے مندرجہ ذیل اقدامات کئے:

1۔ سرکاری اداروں میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔

2۔ رمضان المبارک کے دوران پبلک مقامات پر کھانے پینے کی ممانعت کے لیے احترام رمضان آرڈی نینس نافذ کیا گیا۔

3۔ خلفائے راشدینؓ اور اہل بیتؓ کی شان میں گستاخی کو قانوناً جرم قرار دیا گیا۔

4۔ رشوت، بدعنوانی اور نااہلی کا خاتمہ کرنے کے لیے وفاقی سطح پر محتسب اعلیٰ کا تقرر کیا گیا۔

5۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے اذان نشر کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ یہ اذاں یاد دلاتی ہے کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے۔

تعلیم:۔

1۔ اسلامی تعلیمات کو لازمی مضمون کی حیثیت دی گئی۔

2۔ معاشرے میں علماء کا وقار بلند کرنے کے لیے دینی مدارس کی سندوں کو بی۔ اے اور ایم اے کے مساوی قرار دیا گیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

3۔ مسلح افواج میں دینی معلموں کو کمشنڈ افسر کا درجہ دیا گیا۔

4۔ ابتدائی سطح پر تعلیم کی اسلامی تشکیل کے لیے مسجد مکتب سکیم کا اجراء کیا گیا۔

5۔ لاء کالجوں میں فقہ (اسلامی قانون) کو لازمی حیثیت دے دی گئی۔

اسلامی قومیت کی تعمیر:۔

1۔ مطالعہ پاکستان کو لازمی مضمون کی حیثیت دی گئی۔

2۔ عدالتوں، سرکاری اداروں نیز روزمرہ زندگی میں قومی لباس کے فروغ کے لیے مثبت اقدامات کیے گئے۔

3۔ صدر ضیاء الحق مرحوم نے اندرون ملک اور بیرون ملک قومی زبان میں خطاب کی روایت کا آغاز کیا اور قومی زبان اپنانے کی ترغیب دی۔

ذرائع ابلاغ:۔

1۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو اسلامی اور قومی تشخص ابھارنے کے لیے استعمال کیا گیا۔

2۔ غیر شریفانہ اور غیر اسلامی پروگراموں پر پابندی عائد کی گئی۔

3۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو سے قرآن پاک اور عربی کی تعلیم کا اہتمام کیا گیا۔

4۔ حج اور دیگر اسلامی تقریبات کو ٹیلی ویژن پر دکھانے کا اہتمام کیا گیا۔

5۔ اسلامی تعلیمات پر مبنی پروگراموں میں اضافہ کیا گیا۔

شریعت بل:۔

1991ء میں پارلیمنٹ نے شریعت بل کی منظوری دی۔ اس بل کا مقصد یہ ہے کہ نفاذ اسلام کا عمل محض اعلانات اور غیر موثر دستوری تصریحات تک محدود نہ رہے بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر اسے مملکت کے نافذ العمل قانون کی حیثیت حاصل ہو جائے۔

نفاذِ اسلام کی راہ میں حائل مشکلات

قرارداد مقاصد مارچ 1949ء میں منظور ہوئی تھی۔ اس قرارداد میں پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے لیے تمام بنیادی اصول واضح طور پر بیان کر دیئے گئے تھے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ پاکستان کے تینوں باضابطہ دساتیر اور (1973،1962،1956) میں قرارداد مقاصد میں طے کئے گئے اصولوں کی پاسداری کی گئی اور پاکستان کو اسلامی جمہوریہ بنانے کے لیے تمام آئینی ضروریات کی ترتیب صحیح کر دیں۔ آج ہم یہ دعوٰی تو ضرور کر سکتے ہیں کہ پاکستان میں ایک بہترین اسلامی آئین نافذ ہے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03439815686

اور ان جس کے رہنما اصولوں کے مطابق ایک مثالی اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرہ کے قیام کی طرف پیش رفت جاری ہے۔ ان مقاصد کے حصول میں درپیش رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے خلوص نیک نیتی اور لگن درکار ہے۔ جس میں اجتماعی طور پر شہری کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

ہماری ناکامی کی اصل وجہ ہماری نفاذ اسلام کی حکمت عملی کا ناقص ہونا ہے۔ اسلامی ریاست ایک اسلامی معاشرے میں ہی قائم ہو سکتی ہے۔ اسلامی معاشرے سے ایک ایسا معاشرہ مراد ہے جس کے لوگوں کی سیرت اسلام کے سانچے میں ڈھل چکی ہو اور اللہ کے احکام کی پیروی جن کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا بن چکی ہو۔ سیرت و کردار کی تعمیر و تشکیل بنیادی طور پر ایک جمہوری عمل ہے۔ یہ عمل ایک خاموش محنت اور جدوجہد کا تقاضا کرتا ہے۔ تعلیم، تزکیہ اور دعوت اس عمل کے بنیادی عناصر ہیں۔ جب اس جمہوری جدوجہد کے نتیجے میں ایک اسلامی معاشرہ وجود میں آجاتا ہے تو اس میں قائم ہونے والی ریاست بھی لامحالہ اسلامی ہی ہوتی ہے۔ قانون کا دائرہ عمل انتہائی محدود ہے۔ قانون سے کبھی اسلامی معاشرہ تخلیق ہو سکتا ہے نہ اسلامی ریاست قائم ہو سکتی ہے۔ البتہ اس سے اسلامی معاشرے اور ریاست کی حفاظت کا کام ضرور لیا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کے تیسرے ہی سال کفار مکہ نے منصب حکومت کی پیش کش کی تھی، اگر محض قانون اور حکومتی اختیار کے زور سے اسلامی ریاست کا قیام ممکن ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پیش کش کو قبول کر کے اسلامی ریاست قائم کر دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا اس لیے نہیں کہ ایسا ممکن نہیں تھا۔ اسلامی ریاست اسی وقت قائم ہوتی جب جمہوری اور دعوتی جدوجہد کے ذریعے لوگوں کو اس کے لیے تیار کر لیا گیا ہو۔ اس بات کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ نفاذ اسلام سے پہلے نفوذ اسلام کی منزل آتی ہے۔ اسلامی ریاست سے پہلے اسلامی معاشرہ انتہائی ضروری ہے۔ جب ہم محض قانون سازی کے ذریعے اسلامی ریاست قائم کرنے کی بات کرتے ہیں تو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم قصرِ اسلام کی تعمیر بنیادوں کی بجائے چھت کی طرف سے شروع کرنا چاہتے ہوں۔ اسلامی ریاست کے قیام اور اسلامی قانون اور آئین کے نفاذ کے ساتھ ساتھ ہمیں تعلیم اور دعوت کے ذریعے لوگوں کے اخلاق اور اعمال کی اصلاح کی جانب بھی بھرپور توجہ دینا ہوگی۔ اور ایک عملِ مسلسل سے آئین میں دیئے گئے ان مقاصد کی تکمیل ہو سکے گی۔

اقوام متحدہ کا اعلان حقوق: اہم نکات

اقوام متحدہ 1945ء میں قائم ہوئی۔ اقوام عالم کے اس ادارے نے عالمی امن کے قیام اور انسانی حقوق اور آزادیوں کے تحفظ کو اپنا بنیادی مقصد قرار دیا تھا، اس لیے ضروری تھا کہ انسانی حقوق کی ایک ایسی جامع فہرست مرتب کی جاتی جو دنیا کے تمام اقوام کے لیے قابل قبول ہوتی۔ اقوام عالم کے ماہرین نے طویل غور و فکر اور بحث و مباحثہ کے بعد انسانی حقوق کی ایک دستاویز مرتب کی جسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948ء کو منظور کیا۔ اس دستاویز کو Universal Declaration of Human Rights کا نام دیا گیا۔ اس ڈیکلریشن یا اعلان کے اہم نکات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

مساوات:۔

تمام انسان پیدائشی طور پر یکساں تکریم اور مساوی حقوق کے مستحق ہیں۔ تمام صاحب شعور و ضمیر انسانوں کا فرض ہے کہ وہ دوسرے تمام انسانوں کو اپنا بھائی سمجھیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-0349915566

امتیازات کی نفی:

حقوق اور آزادیوں کے راستے میں نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب، عقیدہ، معاشرتی یا قومی پس منظر، ملکیت، پیدائش، یا اسی طرح کی دوسری چیزوں کو حائل نہیں ہونا چاہیے۔

تحفظ ذات کا حق:۔

ہر شخص کو زندگی، آزادی اور شخصی تحفظ کا حق حاصل ہو گا۔

غلامی کی نفی:۔

کسی شخص کو غلامی یا جبری مشقت پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

غیر انسانی سلوک کی ممانعت:

کسی شخص پر تشدد نہیں کیا جا سکے گا نہ اسے غیر انسانی اور ذلت آمیز سلوک کا نشانہ بنایا جائے گا۔

قانون کی نظر میں مساوات:۔

قانون کی نظر میں تمام انسانوں کو مساوی حیثیت حاصل ہو گی۔

دفاع کا حق:۔

کسی شخص کو مقدمہ چلائے بغیر اور دفاع کا موقعہ دیے بغیر سزا نہیں دی جا سکے گی۔ کسی شخص کو کسی ایسے جرم کی پاداش میں بھی سزا نہیں دی جا سکے گی جو اس وقت قانونی طور پر مجرم نہیں تھا جب اس شخص نے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا۔

خاندان اور نجی زندگی کا حق:۔

کسی شخص کی نجی اور خاندانی زندگی نیز تخلیے میں مداخلت نہیں کی جا سکے گی۔

نقل و حرکت اور سکونت کا حق:۔

ہر شخص کو اپنی ریاست کے اندر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے اور سکونت اختیار کرنے کا حق حاصل ہو گا۔

ازدواجی زندگی کا حق:۔

ہر بالغ مرد اور عورت کو اپنی مرضی سے شادی کرنے کا حق ہو گا۔ خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور اس کا تحفظ ریاست کی ذمہ داری ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499875886

ملکیت کا حق:۔

ہر شخص کو تنہا یا دوسروں کے ساتھ شریک ہو کر جائیداد بنانے کا حق حاصل ہو گا۔

ضمیر، مذہب اور عقیدے کا حق:۔

ہر شخص کو اپنے ضمیر کے مطابق عقیدہ رکھنے، مذہب اختیار کرنے نیز اس پر عمل کرنے اور اس کے اظہار تبلیغ کا حق حاصل ہو گا۔ نیز ملکی حدود و قیود کو معلومات کے حصول اور ترسیل کے راستے میں رکاوٹ نہیں بننے دیا جائے گا۔

پر امن اجتماع کا حق:۔

ہر شخص کو پر امن اجتماع منعقد کرنے کا حق حاصل ہو گا لیکن کسی شخص کو کسی خاص اجتماع میں شرکت پر مجبور نہیں کیا جا سکے گا۔

سیاسی عمل میں شرکت کا حق:۔

حکومتیں اپنا اختیار لوگوں کی رائے سے ہی حاصل کریں گی۔ لوگ سیاسی عمل میں حصہ لینے کے لیے آزاد ہونگے انہیں بلا امتیاز سرکاری اور انتظامی عہدوں تک رسائی کا حق حاصل ہو گا۔ سیاسی عمل کی بنیاد آزادانہ الیکشن پر ہو گی۔

روزگار کا حق:۔

ہر شخص کو بلا امتیاز اپنی پسند کا پیشہ یا جائز ذریعہ معاش اختیار کرنے کا حق حاصل ہو گا۔

آرام اور فراغت کا حق:۔

اوقات کار محدود ہونگے، ہر شخص کو آرام اور فراغت نیز تنخواہ کے ساتھ چھٹی کا حق حاصل ہو گا۔

بنیادی ضروریات زندگی کا حق:۔

خوراک، لباس، گھر اور علاج بنیادی ضروریات زندگی ہیں اور ہر فرد اور خاندان کا حق ہیں۔ مائیں، بچے محتاج اور بے روزگار خصوصی سماجی تحفظ کے مستحق سمجھے جائیں گے۔

تعلیم کا حق:۔

بنیادی تعلیم مفت ہونی چاہیے، تعلیم کا مقصد سیرت کی ایسی تعمیر ہے جس سے عالمی برادری رواداری اور اخوت کے جذبات پروان چڑھیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMED KHAN-03499815886

حقوق اور فرائض

حقوق:-

حقوق حق کی جمع ہے۔ انگریزی میں حقوق کے لیے Rights کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مشہور فلسفی ٹی ایچ گرین (T.H Green) نے حقوق کی تعریف ان الفاظ میں کی تھی:

"حقوق اچھی زندگی گزارنے اور تمام انسانوں کی شخصیت کی تعمیر و تکمیل کے لیے ضروری شرائط کا نام ہے۔"

حقوق کا تصور اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود انسان۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اتارنے سے پہلے جس "ھدیٰ" (ضابطہ ہدایت اور نظام زندگی) کے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا اس میں تمام بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت شامل تھی۔ آدم علیہ السلام کا بیٹا قابیل اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر کے سب سے بڑے انسانی حق یعنی زندگی کو پامال کرنے والا سب سے پہلا انسان تھا (اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے)۔ دنیا میں آنے والے تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد طاقتوروں کے مقابلے میں کمزوروں کے حقوق کی حفاظت کرنا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حقوق و فرائض کے باہمی تعلق کو آج سے چودہ سو سال پہلے جس وضاحت اور خوبی سے بیان کیا آج تک دنیا کا کوئی ماہر سیاسیات اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکا۔ حضور ﷺ نے فرمایا مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے ویسا ہی سلوک کرے جیسے سلوک کی وہ خود دوسروں سے توقع رکھتا ہے گویا اگر ایک شخص زندہ رہنے کا حق مانگتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے حقِ زندگی کا بھی احترام کرے۔ اگر وہ عزت چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ دوسروں کی عزت اس کے ہاتھ سے محفوظ رہے۔ خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کے بارے میں ایک جامع ترین دستاویز ہے۔ اسلامی ریاست میں شہریوں کے حقوق کا احترام کس حد تک کیا جاتا ہے اس کا اندازہ حضرت ابو بکرؓ کے اس قول سے ہوتا ہے کہ میرے نزدیک کمزور اس وقت تک طاقتور ہے جب تک میں طاقتور سے اسے اس کا حق نہ دلا دوں اور طاقتور اس وقت تک کمزور ہے جب تک اس سے کمزور کا حق وصول نہ کر لوں۔ حضور نبی کریم ﷺ کے اعلان حقوق کے تقریباً چھ صدیاں بعد 1215ء میں انگلستان کے لوگوں کو پہلی مرتبہ میگنا کارٹا (Magna Carta) کی رو سے بعض بنیادی حقوق حاصل ہوئے۔ اہل فرانس اور امریکہ برطانیہ سے بھی تقریباً چھ صدیاں بعد بنیادی حقوق کے تصور سے آشنا ہوئے۔

آج دُنیا کے تمام مہذب ممالک کے دساتیر میں بنیادی حقوق کا باب لازمی طور پر شامل ہوتا ہے۔ ان حقوق کو ناقابل تنسیخ قرار دیا جاتا ہے اور عدالتوں کو ان حقوق کا محافظ بنایا جاتا ہے۔

حقوق کی خصوصیات:-

حقوق کی بنیادی خصوصیات درج ذیل ہیں:

1۔ حقوق متمدن زندگی کی بنیادی شرائط ہیں۔

2۔ ریاست اپنے اختیارات کو استعمال میں لا کر حقوق کا تحفظ کرتی ہے گویا موجودہ دور میں حقوق کا تحفظ ریاست کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

3۔ حقوق میں یکسانیت ہوتی ہے یعنی تمام حقوق تمام شہریوں کو یکساں طور پر حاصل ہوتے ہیں۔

4۔ حقوق ناقابل تنسیخ ہوتے ہیں یعنی کسی شہری کو اس وقت تک اس کے کسی حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا جب تک کسی قانونی یا آئینی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ایسا کرنا ضروری نہ ہو گیا ہو۔

5۔ حقوق و فرائض لازم و ملزوم ہیں یعنی ایک شخص کا حق دوسرے کا فرض ہوتا ہے۔

6۔ حقوق ہی وہ اقدار ہیں جن کو معیار بنا کر انسانی معاشرے میں منصفانہ اور غیر منصفانہ (Just and Injust) کا معیار قائم کیا جاتا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

فرائض:۔

فرائض فرض کی جمع ہے۔ انگریزی میں فرائض کے لیے Duties کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ فرض سے مراد:

"وہ ذمہ داری ہے جسے کوئی شخص اس لیے نبھاتا ہے کہ وہ اس کے کام کا حصہ ہے یا کوئی ایسا کام ہے جو ایک شخص اس لیے کرتا ہے کہ اخلاقی اور قانونی طور پر اس کا تقاضا کیا جاتا ہے۔"

یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ فرد یا معاشرے کے ایک شخص سے مطالبات کو اس شخص کے فرائض کہا جاتا ہے

حقوق اور فرائض سے انحراف کے نتائج:۔

حقوق و فرائض کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ہر وہ حق جو ہمیں حاصل ہوتا ہے اس کے ساتھ ہم پر ایک فرض بھی عائد ہو جاتا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ حقوق و فرائض کے تعلق کی نوعیت ایسی ہی ہے کہ جیسے ایک سکے کے دو رُخ۔ ہر حق ایک فرض کے ساتھ اس طرح پیوست ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ حقوق و فرائض سے انحراف کے نتائج معاشرتی زندگی کے حق میں بہت مہلک ہو سکتے ہیں ان نتائج کو ہم بطور خلاصہ اس طرح بیان کر سکتے ہیں:

حقوق و فرائض کا تعلق انسان کی معاشرتی زندگی سے ہے "الف" کا حق "ب" کا فرض ہے۔ اور "ب" کا فرض "الف" کا حق۔ مثلاً "الف" کو زندگی کے تحفظ کا حق ہے تو اس حق کے ساتھ ہی اس پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ "ب" (یعنی معاشرے کے تمام افراد) کے حقِ زندگی کا احترام کرے (کسی کی جان لینے کی کوشش نہ کرے)۔ اگر "الف" اپنا فرض پورا نہیں کرتا ہے اور کسی کی جان لیتا ہے تو وہ خود بھی حقِ زندگی سے محروم ہو جاتا ہے اور اسے سزائے موت دی جاتی ہے۔

ایک محقق کا قول ہے کہ:

"یہ سوچ قطعاً بے فائدہ ہے کہ حقوق کو فوقیت حاصل ہے یا فرائض کو۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ اگر ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ تو کرتا رہے لیکن دوسروں کی طرف سے اس پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان کو پورا نہ کرے تو ایک وقت آئے گا کہ کسی بھی شخص کا کوئی حق باقی نہیں رہے گا۔"

حقوق اور فرائض کا فیصلہ محض برابری کی سطح پر نہیں ہوتا بلکہ حقوق کچھ ایثار اور ضبطِ نفس کا مطالبہ بھی کرتے ہیں۔ حقوق کا مقصد انسانی حرص اور تمناؤں کی تسکین نہیں ہے ان کا ایک اعلیٰ نصب العین بھی ہے۔ ایک فرد کو اپنے فرائض کی بجاآوری اس طرح کرنی چاہیے کہ وہ نہ صرف اپنے لیے زیادہ سے زیادہ خیر کو حاصل کرے بلکہ اس سے پورے معاشرے کو خیر اور نفع حاصل ہو۔ مثال کے طور پر مجھے اظہار رائے کا حق حاصل ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ میں اس حق کو تشدد اور منافرت پھیلانے کے لیے بھی استعمال کر سکتا ہوں۔

حقوق اور فرائض سے انحراف کرتے ہوئے ہمیں یہ سوچ لینا چاہیے کہ فرض ادا کرنے والے اور حق حاصل کرنے والے کے علاوہ دنیا میں ایک تیسری قوت بھی موجود ہے جو حقوق و فرائض کی پاسداری اور ان کے موثر نفاذ کے عمل کی نگران ہے۔ یہ قوت ریاست ہے۔ ریاست ان کو سزا دیتی ہے جو اپنے فرائض کی بجاآوری میں کوتاہی برتتے ہیں اور ریاست ہی شہریوں کے حقوق کی حفاظت بھی کرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ''اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو'' حقوق و فرائض کے بارے میں لکھی جانے والی ہزاروں کتابوں پر بھاری ہے۔ اگر انسانیت اس ایک مختصر سے جملے کو اپنا دستور العمل بنالے تو معاشرت کی ترقی اور اصلاح کے لیے کسی دوسرے فلسفے یا عمرانی علم کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

انسانی حقوق

انسانی حقوق کی وضاحت کی غرض سے استعمال کی جانے والی اصطلاحات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ فطری حقوق:۔

بحیثیت انسان ہر فرد کو کچھ حقوق اپنی پیدائش کے ساتھ ہی حاصل ہو جاتے ہیں۔ سیدنا عمرؓ کا قول ہے:

''انسانوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا ہے۔'' ان حقوق کو فطری حقوق کا نام دیا جاتا ہے۔

2۔ معاشرتی حقوق:۔

معاشرتی حقوق ہمارے ان اختیارات کو کہا جاتا ہے جن کو معاشرہ اور عوامی رائے نے تسلیم کر لیا ہو۔ معاشرتی حقوق کو اخلاقی حقوق، کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

3۔ قانونی حقوق:۔

بعض صورتوں میں کچھ شریر طبع لوگ معاشرتی اور اخلاقی دباؤ کو نظر انداز کرتے ہیں اور دوسروں کو حقوق سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا راستہ روکنے کے لیے ریاست کی طاقت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ریاست کا قانون جن حقوق کو اپنی طاقت کے ذریعے تحفظ دیتا ہے انہیں قانونی حقوق کہا جاتا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN

4۔بنیادی حقوق:۔

مہذب دنیا نے غور وخوض کے بعد انسانی زندگی کی جن شرائط کو انسانی معاشرے کی بقااور انسانی شخصیت کے تحفظ کے لیے ناگزیر قرار دیا ہے۔انہیں بنیادی حقوق کہا جاتا ہے۔اقوام متحدہ کے ''منشورِ حقوق''میں ان حقوق کی ایک جامع فہرست موجود ہے۔تمام جمہوری ریاستوں کے دساتیر میں ان حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی جاتی ہے۔

5۔شہری حقوق:۔

بنیادی حقوق کو دو مزید قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔شہری حقوق اور سیاسی حقوق۔شہری حقوق سے مراد وہ بنیادی حقوق ہیں جو شہری زندگی اور جائیداد کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اور شہری کی شخصیت کی نشوونما کے لیے مناسب ماحول پیدا کرتے ہیں۔

6۔سیاسی حقوق:۔

سیاسی حقوق شہریوں کو ایک ریاست کے معاملات میں حصہ لینے کے قابل بناتے ہیں۔

اہم شہری حقوق:۔

i) زندگی کے تحفظ کا حق
ii) ملکیت بنانے، رکھنے اور وارثت میں منتقل کرنے کا حق
iii) خاندانی زندگی کا حق
iv) اجتماع کا حق
v) معاہدات کا حق
vi) آزادی فکر واظہار کا حق
vii) انجمن ادارے بنانے کا حق
viii) حصول تعلیم کا حق
ix) عقیدے اور ایمان کا حق
x) آزادانہ نقل وحرکت کا حق
xi) خط وکتابت اور روابط کے اخفاء کا حق
xii) قانون کی نظر میں دوسروں کے برابر ہونے کا حق
xiii) معاشی حقوق (یعنی بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی، روزگار کی فراہمی نیز غلامی اور بیگار سے تحفظ کے حقوق)
xiv) عورتوں کا مساویانہ برتاؤ کا حق

اہم سیاسی حقوق:۔

1۔ ووٹ دینے کا حق
2۔ نمائندگی کرنے کا حق
3۔ عوامی عہدوں پر فائز ہونے کا حق
4۔ اپنے نمائندوں پر تنقید کرنے اور انہیں معزول کرنے کا حق

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

خطبہ حجتہ الوداع۔انسانی حقوق کا جامع منشور

ذی الحجہ 10 ہجری یعنی 632ء میں رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد پہلا اور آخری حج ادا فرمایا۔اس حج میں آپ ﷺ نے مختلف مقامات پر جو مختصر خطبات ارشاد فرمائے ان کو اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ اور جوہر کہنا چاہئے۔ حدیث کی معتبر کتابوں بخاری، ابوداؤد اور مسلم میں صحیح ترین روایات کے ساتھ ان خطبات کے مقامات اور الفاظ کی تفصیل درج کی گئی ہے۔ بعض اہل علم نے ان متعدد خطبات کو جمع کر کے ایک مسلسل خطبے کی شکل بھی دی ہے۔ خطبات حجتہ الوداع انسانی حقوق کے حوالے سے تاریخ انسانی کی اہم ترین دستاویز کا درجہ رکھتے ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم ان خطبات کے اہم نکات کا جائزہ لیں گے :

1۔جاہلیت کا خاتمہ :۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے قدموں کے نیچے ہیں۔"

جاہلیت کے یہ دستور کیا تھے انسانوں پر انسانوں کی خدائی، ملوکیت، آمریت، مذہبی جبر، اسلام نے ان سب کو ختم کر دیا۔

2۔انسانی مساوات :۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ مگر تقویٰ کے سبب سے۔"

3۔غلامی کا خاتمہ :۔

غلامی کی صدیوں پرانی روایت عربوں سمیت پوری دنیا کی معاشرت میں اس طرح پیوست ہو چکی تھی کہ اگر اس کو ایک حکم کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی جاتی تو معاشرے کی پوری عمارت زمین بوس ہو جاتی۔اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے اس نے غلامی کے خاتمے کے لیے تدریجی حکمت عملی اختیار کی کے اور غلام رکھنے والوں پر ایسی پابندیاں عائد کر دیں کہ انہیں بالآخر غلاموں کو آزاد کرنے میں ہی اپنی نجات نظر آئی۔اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ دنیا بھر میں غلامی کا خاتمہ سب سے پہلے مسلمان معاشروں میں ہوا۔(امریکہ میں غلامی اٹھارویں صدی تک قائم تھی جسے ختم کرنے کے لیے امریکی صدر ابراہام لنکن کو باقاعدہ جنگ لڑنا پڑی) خطبہ حجتہ الواداع میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ، وہی ان کو کھلاؤ، وہی ان کو پہناؤ جو خود پہنو۔"

جان اور مال کے حقوق :۔

مسلمانوں کے لیے حرم کعبہ سے محترم کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی مثالیں دے کر فرمایا کہ تمہارے لیے ایک دوسرے کا خون اور مال اس طرح قابل احترام ہے جس طرح کعبۃ اللہ۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEEF AHMAD KHAN-03498915886

عزت وآبرو کے حقوق:۔

ایک مقام پر سید عالم ﷺ نے جان ومال کے علاوہ دوسروں کی عزت وحرمت کی پاسداری کا حکم بھی دیا اور یہ فرمایا کہ یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے۔

مذہبی انتہاء پسندی سے اجتناب:۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مذہب میں غلو (شدت، مبالغہ اور سختی) سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اس لیے برباد ہوئیں کہ مذہبی انتہا پسندی کا شکار ہو گئی تھیں۔''

قانونی حقوق:۔

رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر فرمایا کہ کسی شخص کو کسی دوسرے گناہ کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ یہاں تک بیٹا بھی اپنے باپ کا جرم کا ذمہ دار نہیں۔

''ہاں مجرم! اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے۔ ہاں باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کی جوابدہی باپ کے ذمے نہیں۔''

حکمرانوں کے حقوق:۔

سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ قانونی طور پر قائم شدہ حکومت کا یہ حق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

وراثت کے حقوق:۔

قرآنِ حکیم اور سنت نبوی ﷺ میں وراثت کے تمام حقوق کی تصریح کر دی گئی تھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ وراثت کے طے شدہ قوانین سے انحراف کرتے ہوئے کسی کو حق وراثت سے محروم کر دے فرمایا کہ: (از روائے وارثت)

''اللہ نے ہر حق دار کو کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اب کسی کو وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔''

عورتوں کے حقوق:۔

اسلام سے پہلے عورتوں کو انسانوں کی بجائے جائیداد یا ملکیت کی چیز سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے پہلی مرتبہ واضح طور پر عورتوں کو شرف اور تکریم عطا کی۔ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

''عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، تمہارا حق عورتوں پر ہے اور عورتوں کا حق تم پر۔''

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499813386

نفرت اور انتقام کی نفسیات کا خاتمہ:۔

انسانی معاشرے کو فساد اور تشدد میں مبتلا کرنے والی سب سے بڑی چیز نفرت اور انتقام کی انسانی نفسیات ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس سے پہلے فتح مکہ کے موقع پر یک طرفہ ایثار کے ذریعے عفو و درگزر کی اعلیٰ مثالیں قائم کر چکے تھے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں آنجناب ﷺ نے فرمایا:

"جاہلیت کے تمام خون اور انتقام باطل کر دیے گئے، سب سے پہلے میں اپنے خاندان یعنی ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں۔"

پھر فرمایا:

"جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیے گئے، سب سے پہلے اپنے خاندان کا (یعنی اپنے چچا) عباسؓ بن مطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔"

دیگر حقوق کے لیے حوالہ:۔

رسول اللہ ﷺ ہمیشہ بہت مختصر خطبات ارشاد فرماتے تھے۔ خطبات حجۃ الوداع بھی نہایت مختصر تھے۔ ان خطبات میں بلا کی بلاغت اور جامعیت تھی لیکن ظاہر ہے کہ ان میں تمام حقوق و معاملات کی تفصیل بیان نہیں ہو سکتی تھی اس لیے آپ ﷺ نے مسلمانوں کو قرآن و سنت سے رجوع کرنے کی تاکید فرمائی۔ فرمایا:

"لوگو! میری بات غور سے سمجھ لو۔ میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اب میں تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے راستے سے نہیں بھٹکو گے۔ وہ واضح اور روشن ہیں یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت۔"

خطبہ حجۃ الوداع اور اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا منشور۔ ایک تقابلی جائزہ:۔

اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا منشور بلاشبہ انسانی حقوق کی ایک جامع اور خوبصورت دستاویز ہے اور ہر شریف و مہذب انسان کے لیے اس کا اعتراف و احترام واجب ہے لیکن اس سلسلہ میں دو باتیں نہایت قابل غور ہیں۔ پہلی یہ کہ جدید دنیا بے شمار تجربات، جنگوں اور تباہیوں سے گزرنے کے بعد جن نتائج تک پہنچی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے وحی الٰہی کی روشنی میں وہ اصول انتہائی اختصار اور جامعیت کے ساتھ اس سے 1400 برس پہلے بیان فرما دیئے تھے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا منشور محض اچھے الفاظ اور نیک خواہشات کا مرقع ہے۔ اس کی کوئی ٹھوس عملی اور قانونی حیثیت نہیں۔ اقوام متحدہ کے پاس کوئی ایسی طاقت نہیں کہ وہ ان کو نافذ کر سکے یا منوا سکے۔ اس کے برعکس خطبہ حجۃ الوداع میں نہ صرف بنیادی حقوق بیان کیے گئے ہیں بلکہ اس بات کی ضمانت بھی فراہم کی گئی ہے کہ ان پر عمل درآمد بھی ہوگا۔

1۔ تمام انسان جو ان حقوق کے مخاطب ہیں آخرت کی جواب دہی کے شدید احساس کے تحت ان حقوق کی بجا آوری کے پابند ہوں گے۔

2۔ ہر مسلمان ریاست کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ اپنے قانونی نظام کے ذریعے ان حقوق کے تحفظ اور نفاذ کو یقینی بنائے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS- FAISEL AHMAD KHAN-03499615886

مشق

1۔ خالی جگہ ایسے الفاظ سے پُر کیجیے کہ بیان بامعنی ہو جائے۔

1۔ 1956ء کے آئین کے تحت __________ کے لیے مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا۔

2۔ 1973ء کے آئین کے تحت __________ کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔

3۔ __________ کے آئین میں مملکت کا نام ایک ترمیم کے ذریعے جمہوریہ پاکستان کی بجائے اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔

4۔ آئین __________ کے تحت صدر اور وزیر اعظم دونوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

5۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے چچا __________ بن مطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔

2۔ ہر سوال کے آگے قوسین میں دیئے گئے تین جوابات میں سے مناسب ترین جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔ 1973ء کے آئین میں __________ ترمیم کے تحت قرارداد مقاصد کو آئین کے متن کا حصہ بنا دیا گیا۔
(پہلی، دوسری، آٹھویں)

2۔ 1962ء کے آئین کے تحت __________ کا مسلمان ہونا ضروری تھا۔ (صدر، وزیر اعظم، دونوں)

3۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جاہلیت کے تمام خون اور انتقال باطل کر دیئے گئے، سب سے پہلے میں اپنے خاندان یعنی __________ کا خون معاف کرتا ہوں (عبد المطلب، ربیعہ بن حارث، زید بن حارث ؓ)

4۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں یعنی __________ اور میری سنت
(اللہ کی کتاب، نماز، ایمان)

3۔ ص (صحیح) یا غ (غلط) کے اوپر دائرہ لگا کر درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ 1962ء کے آئین میں اسلام کو نظریہ پاکستان کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ ص غ

2۔ عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل ہے۔ ص غ

3۔ رسول اللہ ﷺ کو نبوت کے تیسرے سال ہی حکومت کی پیش کش کی گئی تھی۔ ص غ

4۔ محض اسلامی قانون بنا کر اسلامی ریاست قائم کی جا سکتی ہے۔ ص غ

5۔ نظام زکوۃ کا نفاذ 20 جون 1980ء کو ہوا۔ ص غ

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEEF AHMAD KHAN

4۔ کالم الف کے اندراجات کو کالم ب سے لائن کے ذریعے اس طرح ملایئے کہ دونوں کا تعلق واضح ہو جائے۔

کالم الف	کالم ب
قرارداد مقاصد	تقویٰ
قرارداد لاہور	عربی
عجمی	مارچ 1949ء
معیارِ فضیلت	1215ء
میگنا کارٹا	مارچ 1940ء

5۔ ہر سوال کا جواب دو سے پانچ سطور میں لکھیے۔

1۔ 1973ء کے آئین کے تحت مسلمان کی تعریف کس انداز میں کی گئی ہے؟

2۔ 1977ء کے بعد اقتصادی معاملات میں نفاذ اسلام کے لیے کیا اقدامات کیے گئے؟

3۔ 1977ء کے بعد عدلیہ اور قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے کیا اقدامات کیے گئے؟

4۔ خطبہ حجتہ الوداع اور اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور کا تقابلی جائزہ لیجیے۔

5۔ حقوق کی تین اہم خصوصیات بیان کیجیے۔

6۔ 1956ء کے آئین کی تین اہم اسلامی دفعات بیان کریں۔

7۔ حقوق کی تعریف بیان کریں۔

6۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

1۔ قرارداد مقاصد کے اہم نکات اور اس کی اہمیت بیان کریں۔

2۔ 1956ء کے آئین اسلامی دفعات پر روشنی ڈالیے۔

3۔ 1962ء کے آئین کی اسلامی شقیں بیان کیجیے۔

4۔ 1973ء کے آئین اسلامی دفعات پر روشنی ڈالیے۔

5۔ حقوق و فرائض سے انحراف کے نتائج بیان کیجیے۔

6۔ نفاذ اسلام کی راہ میں کون سی مشکلات حائل ہیں اور ان کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟

7۔ اقوام متحدہ کے اعلان حقوق کے اہم نکات بیان کیجیے۔

8۔ حقوق اور فرائض کی تعریف کیجیے اور دونوں کا تعلق واضح کیجیے۔

9۔ واضح کیجیے کہ کس طرح خطبہ حجتہ الوداع انسانی حقوق کا جامع منشور ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03494815986

5 پاکستان کا انتظامی ڈھانچہ اور اچھی حکمرانی کا تصور

پڑھیں

پاکستان کے موجودہ انتظامی ڈھانچے کی بنیاد 1973ء کے آئین پر رکھی گئی ہے۔ اس آئین کے تحت پاکستان کو ایک ایسی جمہوریہ قرار دیا گیا ہے۔ جس کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ آئین میں کہا گیا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک وفاقی مملکت ہے۔ جو مندرجہ ذیل چار قسم کے علاقوں پر مشتمل ہے:

1۔ چاروں صوبے، پنجاب، سندھ، خیبر پختونخواہ، بلوچستان۔

2۔ وفاقی دارالحکومت (اسلام آباد) اور اس سے ملحقہ علاقے۔

3۔ صوبہ خیبر پختونخواہ

4۔ بلوچستان اور سے ملحقہ قبائلی علاقے۔

پاکستان میں کل پانچ حکومتیں کام کرتی ہیں۔ ایک مرکزی حکومت جسے وفاقی حکومت بھی کہا جاتا ہے اور چار صوبائی حکومتیں۔ ہر وفاقی نظام کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے آئین میں وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم کو واضح کر دیا جائے۔ پاکستان کے آئین میں وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم دو فہرستوں کے ذریعے کی گئی۔

الف۔ **وفاقی قانون سازی کی فہرست:** اس میں وہ معاملات درج ہیں جن کے بارے میں قانون صرف پاکستان کی پارلیمنٹ بنا سکتی ہے۔ اس فہرست میں درج اہم معاملات یہ ہیں۔ افواجِ پاکستان، معاہدات، بینکنگ، کرنسی، زرمبادلہ، جوہری توانائی، قومی منصوبہ بندی شہریت امورِ خارجہ اور مواصلات وغیرہ۔

ب۔ **امورِ متصلہ کی فہرست:** اس فہرست میں درج معاملات پر صوبائی اسمبلیوں اور قومی پارلیمنٹ دونوں کو قانون بنانے کا اختیار ہے۔ اس فہرست میں درج معاملات یہ ہیں صحت، تعلیم، فوجداری اور دیوانی قانون، اسلحہ، فیملی پلاننگ، بجلی، آبپاشی، اخبارات، زکوٰۃ، سیاحت، آثارِ قدیمہ وغیرہ

ج۔ ایسے معاملات جو دونوں میں سے کسی فہرست میں درج نہیں ان کو غیر متذکرہ امور کہا جاتا ہے ان پر قانون سازی کا اختیار بھی صوبائی اسمبلیوں کو دیا گیا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN 03499815886

وفاقی حکومت کے ادارے اور ان کے وظائف:۔

حکومت تین اہم شعبوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومت کے تینوں اہم شعبوں کی ساخت حسب ذیل ہے:

1۔ مقننہ:۔

یعنی قانون بنانے والا ادارہ۔ پاکستان کی وفاقی حکومت میں قانون ساز ادارے کو "پارلیمنٹ" کا نام دیا گیا ہے پارلیمنٹ دو ایوانوں یعنی قومی اسمبلی اور سینیٹ پر مشتمل ہے۔

پاکستان میں وفاقی حکومت کا بنایا ہوا ہر قانون ملک میں نافذ ہونے سے پہلے چار بنیادی مراحل سے گزرتا ہے۔

i۔ مسودہ کی تیاری:۔

وفاقی حکومت جو قانون نافذ کرنا چاہتی ہے اس کا ایک ڈرافٹ ماہرین سے تیار کرایا جاتا ہے۔ اس ڈرافٹ کو مسودہ قانون یا بل (Bill) کہا جاتا ہے۔ اسمبلی کے ممبران ذاتی طور پر بھی مسوداتِ قانون مرتب کر کے اسمبلی میں پیش کر سکتے ہیں۔

ii۔ مسودہ قانون کو تیاری کے بعد ایوانِ زیریں یعنی قومی اسمبلی کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ قومی اسمبلی میں اس پر کئی مراحل میں بحث ہوتی ہے اگر قومی اسمبلی کے ارکان بل کو اصل یا ترمیم شدہ حالت میں منظور کر لیں تو اس کو ایوان بالا میں بھیج دیا جاتا ہے۔ مسودہ کی منظوری کے لیے قومی اسمبلی کے 3/4 حاضر ارکان کی تائید ضروری ہوتی ہے۔

iii۔ ایوان بالا یعنی سینٹ میں مسودہ پر دوبارہ بحث ہوتی ہے۔ بحث کے بعد سینٹ اس کو مسترد کر دیتی ہے یا ترمیم شدہ حالت میں یا ترمیم کے بغیر منظور کر لیتی ہے۔ دونوں ایوانوں سے منظوری کے بعد وہ بل قانون کا حصہ بن جاتا ہے۔

iv۔ پارلیمنٹ (یعنی قومی اسمبلی اور سینٹ) کا منظور کیا ہوا مسودہ قانون حتمی منظوری کے لیے صدر پاکستان کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ صدر کے دستخط کے بعد مسودہ قانون یعنی بل، قانون بن کر قانون کی کتاب کا حصہ بن جاتا ہے۔ صدر پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے کسی مسودہ قانون کو مسترد نہیں کر سکتا۔ مالیاتی مسوداتِ قانون کے علاوہ تمام مسودات قانون (Bills) منظوری کے لیے قومی اسمبلی سے پہلے سینٹ میں بھی پیش کیے جا سکتے ہیں اور بعد میں قومی اسمبلی میں بھیجے جا سکتے ہیں لیکن زیادہ تر مسودات پہلے قومی اسمبلی میں ہی پیش ہوتے ہیں۔

NOTES BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-0349981-5886

وفاقی پارلیمنٹ کی ساخت

قومی اسمبلی:۔

پاکستان کی پارلیمنٹ کا ایوانِ زیریں یعنی قومی اسمبلی 342 ارکان پر مشتمل ہے۔ قومی اسمبلی کے لیے ملک کو آبادی کے لحاظ سے قریب قریب مساوی حلقوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر حلقے سے ووٹرز عام بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ایک ایک ممبر کا انتخاب کرتے ہیں۔ اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے شہری اپنے اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ ہر صوبے کے ارکان قومی اسمبلی اپنے اپنے صوبے کے لیے خواتین کی مخصوص نشستوں پر انتخاب کرتے ہیں۔

پاکستان کا ہر وہ شہری جس کی عمر کم از کم 25 سال ہو قومی اسمبلی کے انتخاب میں امیدوار بن سکتا ہے۔

قومی اسمبلی کے اجلاس کی صدارت کرنے والے عہدہ دار کو سپیکر کہتے ہیں۔ اس کی معاونت کے لیے ایک ڈپٹی سپیکر کا انتخاب بھی کیا جاتا ہے۔ قومی اسمبلی کے ارکان اپنے درمیان سے وزیر اعظم کا انتخاب کرتے ہیں۔ وزیر اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سب سے بااختیار عہدہ ہے، وہ ملکی انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے اور قومی اسمبلی میں اکثریتی پارٹی کے قائد کی حیثیت رکھتا ہے۔ صدر اس کے مشورے کو ماننے کا پابند ہوتا ہے۔

قومی اسمبلی کا انتخاب 5 سال کے لیے عمل میں آتا ہے لیکن صدر وزیر اعظم کے مشورے سے قومی اسمبلی توڑ سکتا ہے۔ اس صورت میں وہ 90 دن کے اندر اندر نئے انتخابات کرانے کا پابند ہوتا ہے۔

قومی اسمبلی کے اختیارات بہت وسیع ہیں، قانون سازی میں اس کو مرکزی کردار حاصل ہے۔

قومی اسمبلی ملکی مالیات کو مکمل طور پر کنٹرول کرتی ہے ملک میں کوئی ٹیکس قومی اسمبلی کی منظوری کے بغیر نہیں لگایا جا سکتا۔ کابینہ کا ہر وزیر ایک انتظامی محکمے کا سربراہ ہوتا ہے۔ تین چوتھائی وزراء قومی اسمبلی کے ممبر ہوتے ہیں۔ ملکی انتظامیہ کے سربراہ یعنی وزیر اعظم کا انتخاب بھی قومی اسمبلی کرتی ہے اس طرح قومی اسمبلی کو انتظامیہ پر مکمل کنٹرول حاصل ہے۔

سینیٹ :۔

پارلیمنٹ کا ایوان بالا یعنی سینیٹ عوام کا نمائندہ ایوان نہیں بلکہ صوبوں کا نمائندہ ایوان ہے۔ سینیٹ میں چھوٹے بڑے تمام صوبوں کی نمائندگی برابر ہے۔ ہر صوبے سے سینیٹ کے ارکان کا انتخاب متعلقہ صوبے کی صوبائی اسمبلی کرتی ہے۔ سینیٹ کا رکن بننے کے لیے ضروری ہے کہ امیدوار کی عمر کم از کم 30 سال ہو اور وہ اس صوبے کا رجسٹرڈ ووٹر ہو جس سے وہ سینیٹ کا ممبر منتخب ہونا چاہتا ہے۔ سینیٹ کے ارکان سینیٹر کہلاتے ہیں اور سینیٹ کے اجلاس کی صدارت کرنے والے عہدے دار کو چیئرمین کہتے ہیں ان کی معاونت کے لیے ایک ڈپٹی چیئرمین کا انتخاب بھی عمل میں آتا ہے۔

سینیٹ ایک مستقل ایوان ہے اسے پورے طور پر کبھی بھی برخاست نہیں کیا جا سکتا سینیٹ کے نصف ارکان ہر تین سال بعد ریٹائر ہوتے ہیں۔

ملک میں کوئی قانون سینیٹ کی منظوری کے بغیر نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ قانون سازی کے تمام معاملات میں سینٹ کو قومی اسمبلی کے برابر اختیارات حاصل ہیں تاہم مالی معاملات میں قومی اسمبلی کے اختیارات سینیٹ سے زیادہ ہیں۔ صدر مملکت کی عدم موجودگی میں سینیٹ کا چیئرمین قائم مقام صدر کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔

وفاقی انتظامیہ / وزیر اعظم :۔

حکومتی شعبوں کے باہمی تعلق کی نوعیت کے لحاظ سے دنیا بھر میں جمہوری نظاموں کی دو بڑی اقسام ہیں، پارلیمانی اور صدارتی۔ پارلیمانی نظام برطانیہ اور بھارت وغیرہ میں رائج ہیں اور صدارتی نظام کی سب سے بڑی مثال ریاست ہائے متحدہ امریکہ ہے۔ پاکستان کا نظام حکومت بھی پارلیمانی نوعیت کا ہے۔ پارلیمانی نظام میں مقننہ کو انتظامیہ پر بالادستی حاصل ہوتی ہے۔ پاکستان میں بھی قانون ساز ادارہ یعنی پارلیمنٹ ہی انتظامیہ کی تخلیق کرتا ہے۔ قومی اسمبلی ملکی انتظامیہ کے سربراہ یعنی وزیر اعظم کا انتخاب کرتی ہے۔ وزیر اعظم اپنی کابینہ کے تین چوتھائی وزیر قومی اسمبلی کے ارکان میں سے اور کم از کم ایک چوتھائی سینیٹ کے ارکان میں سے منتخب

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEEF AHMAD KHAN

کرتا ہے۔ ہر وزیر ایک انتظامی محکمے کا سربراہ ہوتا ہے۔ آئینی طور پر ملکی انتظامیہ کے سربراہ کا منصب وزیر اعظم کو حاصل ہے، صدر مملکت کا عہدہ اگرچہ وزیر اعظم سے زیادہ باوقار ہے لیکن زیادہ اختیار نہیں ہے۔ صدر کے ہر اہم فیصلے پر وزیر اعظم کی توثیقی دستخط ہونا ضروری ہیں۔

قومی اسمبلی حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی قرارداد منظور کر کے وزیر اعظم اور اس کی کابینہ کو مستعفی ہونے پر مجبور کر سکتی ہے۔

صدر:۔

صدر پروٹوکول کے اعتبار سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی وفاقی حکومت کا سب سے بلند منصب ہے لیکن آئینی طور پر صدر وزیر اعظم کے مشورے کا پابند ہے۔ صدر مملکت کا انتخاب پارلیمنٹ کے دونوں ایوان (قومی اسمبلی اور سینیٹ) نیز چاروں صوبائی اسمبلیوں کے ارکان مل کر کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ سنگین بد عنوانی یا ذہنی جسمانی نااہلیت کی بناء پر صدر کو مواخذہ کے ذریعے اس کے عہدے سے برطرف کر سکتی ہے۔

ہر وہ شخص جو مسلمان ہو، قومی اسمبلی کا رکن بننے کی اہلیت رکھتا ہو اور اس کی عمر 45 سال سے کم نہ ہو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے عہدہ صدارت کا امیدوار بن سکتا ہے۔

وزیر اعظم کے مشورے سے صدر کسی صوبے میں ہنگامی حالات نافذ کر سکتا ہے اور اس صوبے کی صوبائی اسمبلی کو معطل کر سکتا ہے، اسے سپریم کورٹ اور چاروں ہائی کورٹس کے تمام ججوں کے تقرر کے اختیارات حاصل ہیں۔ علاوہ ازیں صدر اٹارنی جنرل، چاروں صوبوں کے گورنرز، اسلامی نظریاتی کونسل کے ارکان، تینوں مسلح افواج کے سربراہوں نیز متعدد دیگر اہم عہدے داروں کے تقرر پر بھی صدر کے دستخط ہوتے ہیں۔

جب قومی اسمبلی کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو صدر فوری ضرورت کے پیش نظر وزیر اعظم کے مشورے سے حکم نامے (Ordinance) جاری کر سکتا ہے۔ چار ماہ کی مدت تک حکم ناموں کو پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین جیسا درجہ حاصل ہوتا ہے تاہم پارلیمنٹ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ ان کو باقاعدہ قانون کی حیثیت سے منظور کر لے یا منسوخ کر دے۔ صدر کو قومی اہمیت کے کسی مسئلے پر ریفرنڈم کرانے کا اختیار بھی حاصل ہے۔

وفاقی عدلیہ: سپریم کورٹ

1973ء کے آئین کے تحت ملک میں سپریم کورٹ کے نام سے ایک اعلیٰ عدالت قائم کی گئی ہے جس کا دائرہ اختیار اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حدود میں واقع تمام افراد اور اداروں تک وسیع ہے۔ سپریم کورٹ، ایک چیف جسٹس اور چند ججوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ چیف جسٹس کا تقرر صدر مملکت کرتا ہے باقی ججوں کا تقرر صدرِ مملکت چیف جسٹس کے مشورے سے کرتا ہے۔ سپریم کورٹ کے ججوں کو اپنے عہدے کا مکمل تحفظ حاصل ہے۔ اعلیٰ عدالتی کونسل کسی سنگین بد عنوانی یا دماغی یا جسمانی نااہلیت کی بنا پر کسی جج کی برطرفی کی سفارش کر سکتی ہے۔ برطرفی کا حکم صدر جاری کرتا ہے۔ لیکن وہ اعلیٰ عدالتی کونسل کی سفارش کے بغیر کسی جج کو برطرف نہیں کر سکتا۔

صوبائی حکومتیں اور ان کے اختیارات و وظائف:۔

جیسا کہ ہم نے اس باب کے آغاز میں پڑھا، پاکستان میں ایک وفاقی حکومت کے علاوہ چاروں صوبوں میں بھی ایک ایک حکومت قائم ہے۔ ان حکومتوں کی ساخت ایک جیسی ہے البتہ صرف صوبوں کے سائز کے فرق کی وجہ اسمبلیوں کی نشستوں اور ہائی کورٹ کے ججوں کی تعداد میں نمایاں فرق موجود ہے۔ ہم ان حکومتوں کی ساخت کا شعبہ وار الگ الگ جائزہ لیں گے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN

مقننہ :۔

ہر صوبے میں ہر صوبائی اسمبلی کو چھوٹے درجے میں وہی حیثیت حاصل ہے جو وفاقی سطح پر پارلیمنٹ کو حاصل ہے۔ صوبائی اسمبلیاں آئین میں دی گئی متصلہ اور غیر متذکرہ امور کی فہرستوں میں درج تمام معاملات پر قانون سازی کر سکتی ہیں۔ ہر صوبے کو صوبائی اسمبلی کے ارکان کی تعداد کے مطابق حلقوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ہر حلقے سے ووٹرز عام بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ایک ممبر کا انتخاب کرتے ہیں۔ صوبائی انتظامیہ کا سربراہ وزیر اعلیٰ کہلاتا ہے۔ وزیر اعلیٰ کا انتخاب صوبائی اسمبلی کے ارکان کی قطعی اکثریت سے عمل میں آتا ہے۔ وزیر اعلیٰ مختلف صوبائی محکموں کا انتظام چلانے کے لیے صوبائی اسمبلی کے ارکان میں سے اپنے وزراء کا انتخاب کرتا ہے۔ وزیر اعلیٰ اپنے وزراء سمیت صوبائی اسمبلی کے سامنے جوابدہ ہے۔ صوبائی اسمبلی وزیر اعلیٰ اور اس کی کابینہ کے خلاف عدمِ اعتماد کی قرار داد منظور کر کے حکومت کو مستعفی ہونے پر مجبور کر سکتی ہے۔

انتظامیہ : وزیر اعلیٰ اور گورنر

صوبائی انتظامیہ کا سربراہ وزیر اعلیٰ کہلاتا ہے۔ وزیر اعلیٰ کی صوبے میں وہی حیثیت ہے جو وفاق میں وزیر اعظم کی ہے۔ وزیر اعلیٰ کابینہ کی مدد سے صوبائی حکومت کا انتظام چلاتا ہے۔ ہر صوبے کا آئینی سربراہ گورنر کہلاتا ہے۔ ہر صوبے میں گورنر کو وہی حیثیت حاصل ہے جو وفاق میں صدرِ مملکت کو حاصل ہے۔ چاروں صوبوں کے گورنروں کا تقرر صدرِ مملکت کرتا ہے۔ آئین صدر کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ گورنروں کا تقرر کرتے وقت وزیر اعظم سے مشورہ لے۔ گورنر صوبے میں وفاقی حکومت کے نمائندہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ صدر وجہ بتائے بغیر گورنر کو اس کے عہدے سے برطرف کر سکتا ہے۔ صوبائی اسمبلی کا منظور کیا ہوا مسودہ قانون گورنر کے دستخط کے بعد ہی قانون کی کتاب کا حصہ بنتا ہے۔ البتہ گورنر کو صوبائی اسمبلی کے منظور کئے ہوئے کسی مسودہِ قانون کو مطلقاً مسترد کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ صدر کی طرح عبوری مدت کے لیے گورنر بھی آرڈی ننس جاری کر سکتا ہے تاہم اس کا دائرہ اختیار صوبے کی حدود تک محدود ہو گا۔ صوبائی اسمبلی آرڈی ننس کو منظور کر کے قانونی حیثیت دے سکتی یا مسترد کر سکتی ہے۔

صوبائی عدلیہ : ہائی کورٹ :۔

آئین کے تحت اسلامی جمہوریہ پاکستان کے چاروں صوبوں میں ایک ایک ہائی کورٹ قائم کی گئی ہے جو سپریم کورٹ کی نگرانی میں کام کرتی ہے۔ ہر ہائی کورٹ ایک چیف جسٹس اور چند ججوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہائی کورٹس کو مقدمات کی ابتدائی سماعت، اپیل سننے اور توہین عدالت کے مقدمات کی سماعت کے علاوہ اپنے صوبے کے گورنر اور صوبائی حکومت کو قانونی مشورہ دینے کے اختیارات بھی حاصل ہیں۔ ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی جاسکتی ہے۔

ڈیوولیوشن پروگرام کے تحت قائم شدہ مقامی حکومتیں

چیف آف آرمی اسٹاف جنرل پرویز مشرف 12 اکتوبر 1999ء کو سیاسی حکومت کو برطرف کر کے برسرِ اقتدار آئے اور چیف ایگزیکٹو کی حیثیت سے ملک کا اقتدار سنبھال لیا۔ جنرل پرویز مشرف نے سن 2001ء ملک میں Devolution of Powers and Responsibility Plan کے نام سے مقامی حکومت کا ایک نیا نظام متعارف کرایا۔ اس کی بنیادی روح جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اختیارات اور ذمہ داریوں کو معاشرے کی سب سے نچلی سطح Grass-Root Level تک پہنچانا اور عوام کو امور حکومت میں شریک کرنا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-0399815886

ڈیولیوشن پلان مقامی حکومت کے ایک چار درجاتی نظام پر مشتمل ہے۔ چار درجات حسب ذیل ہیں:

1۔ یونین کونسل
2۔ سٹی ڈسٹرکٹ
3۔ تحصیل کونسل
4۔ ضلع کونسل

یونین کونسل:۔

یونین کونسل کا انتخاب ایک آدمی ایک ووٹ کی بنیاد پر براہ راست انتخاب کے ذریعے تین سال کی مدت کے لیے عمل میں آئے گا۔ یونین کونسلوں کی حد بندی کرتے ہوئے کوشش کی جائے گی کہ ان کی آبادی قریب قریب برابر ہو۔ یہ یونین کونسل 21 منتخب ارکان پر مشتمل ہو گی جن کو درج ذیل تقسیم کے مطابق منتخب کیا جائے گا۔

ناظم	1
نائب ناظم	1
مسلم (مرد) ارکان	8
مسلم (خواتین) ارکان	4
مزدور کسان (مرد) ارکان	4
مزدور کسان (خواتین) ارکان	2
اقلیتی رکن	1
میزان =	21

اگر کسی یونین کونسل میں اقلیتوں کی تعداد 10 فیصد بڑھ جائے تو صوبائی حکومت نشستوں کی تقسیم کے فارمولے پر نظر ثانی کرے گی۔

اختیارات و وظائف:۔

یونین کونسل کے فرائض مندرجہ ذیل ہوں گے۔

1۔ مقامی سطح پر ترقیاتی کاموں کی نگرانی اور بجا آوری۔
2۔ فنڈز اکٹھا کرنے کے لیے ٹیکس لگانا۔
3۔ سالانہ ترقیاتی پروگرام تیار کرنا اور ان کو اپنی قلمرو میں روبہ عمل میں لانا۔
4۔ دیوانی، فوجداری اور خاندانی تنازعات کے حل کے لیے مصالحتی ادارے کی حیثیت سے کام کرنا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815866

تحصیل کونسل:۔

تحصیل کونسل میں براہ راست منتخب شدہ ناظم، ایک نائب ناظم اور تحصیل کی تمام یونینوں کے نائب ناظمین شامل ہوں گے۔

تحصیل انتظامیہ:۔

تحصیل ناظم تحصیل گورنمنٹ کا سربراہ ہوگا۔ تحصیل میونسپل آفیسر (TMO) تحصیل انتظامیہ میں رابطہ کار کے فرائض انجام دے گا۔ چار تحصیل آفیسر (TO) مالیات، بجٹ، زمین کے استعمال، کنٹرول اور شہری دیہی منصوبہ بندی کے مسائل TMO کو رپوٹ دیں گے۔ اور اس کے فرائض کی بجاآوری میں معاونت کریں گے۔

وظائف:۔

1۔ تحصیل کی حدود میں میونسپل سروسز کی فراہمی۔

2۔ ضلعی حکومت کے عہدیداروں کے درمیان ارتباط اور ان کے کام کی نگرانی۔

3۔ تحصیل کے تمام دیہات میں زمین کے کنٹرول اور ماسٹر پلاننگ کے ذریعے ترقیاتی کام۔

4۔ شہری علاقوں کی توسیع اور دیہی علاقوں کے شہروں میں تبدیل ہونے عمل کو روکنا۔

5۔ کسی تحصیل علاقے کے شہری علاقے میں تبدیل ہونے کی صورت میں اس کا درجہ بڑھا کر اسے سٹی ڈسٹرکٹ بنانا اور سٹی ڈسٹرکٹ کو آبادی کی بنیاد پر متعدد ٹاؤنز میں تبدیل کرنا۔

ضلع کونسل (ضلعی حکومت):۔

ضلعی حکومت میں ضلع ناظم، ضلع نائب ناظم اور ضلع کونسل کے ارکان شامل ہیں۔

ضلع ناظم ضلع کونسل کا ممبر نہیں ہوگا، تاہم نائب ناظم ضلع کونسل کا سپیکر ہوگا۔ ضلع ناظم ضلعی انتظامیہ کا سربراہ ہوگا۔ پولیس اس کے سامنے جوابدہ ہوگی اور وہی اسے کنٹرول کرے گا۔ اس نظام کا مقصد بیوروکریسی کو عوامی نمائندوں کے تابع بنانا ہے۔

انتخابات:۔

تمام یونین ناظمین ضلع کونسل میں اپنی اپنی یونین کونسلوں کی نمائندگی کریں گے۔ وہ ضلع کونسل کے مستقل رکن ہوں گے۔ ضلع کونسل کی عام نشستیں ضلع کی یونین کونسلوں کی تعداد کے مساوی ہوگی۔ یونین کونسلر محفوظ نشستوں کے لیے ممبران کا انتخاب کریں گے۔ محفوظ نشستوں کی تقسیم کا فارمولا حسب ذیل ہے:

خواتین	33 فیصد
مزدور کسان	5 فیصد
اقلیتیں	5 فیصد

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN 03459815886

ضلع ناظم اور نائب ناظم کا انتخاب مشترکہ امیدواروں کے طور پر عمل میں آئے گا۔ ان کو ضلع کے یونین کونسلر منتخب کریں گے۔ امیدوار کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ کم از کم میٹرک پاس ہو۔

ضلع ناظم:

ڈیوولیوشن پلان کے تحت ضلع ناظم کا عہدہ ایک بہت ہی بااختیار اور باوقار سیاسی اور انتظامی عہدہ بن کر سامنے آیا ہے۔ صوبے کی ثقافتی اور اقتصادی سرگرمیوں کے محور اور مرکز کی حیثیت سے اسے ضلعی انتظامیہ کو کنٹرول کرنے کے مکمل اختیارات حاصل ہیں۔ ضلع کا سالانہ بجٹ اس کی رہنمائی میں تیار ہوتا ہے۔ ضلع میں تمام ترقیاتی پروگراموں کی تیاری اور ان پر عمل درآمد کی نگرانی وہی کرتا ہے تاہم ضلع ناظم ضلع کونسل کا ممبر نہیں ہوتا۔

ضلع نائب ناظم:۔

ضلع نائب ناظم ضلع کونسل کا سپیکر ہوتا ہے اور ضلع کونسل اور ضلع ناظم کے درمیان رابطہ کار کے فرائض انجام دیتا ہے۔ ضلع ناظم کی غیر موجودگی میں نائب ناظم اس کے قائم مقام کی ذمہ داریاں نبھاتا ہے۔

ضلع کونسل اور ضلع ناظم کے وظائف

متعلقہ قانون سازی:۔

ٹیکس کے نظام کو چلانا اور اس میں ردوبدل کرنا، نئے ٹیکس عائد کرنا۔

مقامی حکومت کے ماتحت اداروں کے لیے قوانین وضوابط وضع کرنا۔ (صوبائی اسمبلی ضلع کونسل کے بنائے ہوئے کسی ضابطے یا قانون کو منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہے، وہ اس کے کسی بھی حکم کو کالعدم کر سکتی ہے)۔

انتظامیہ:۔

- ضلع ناظم ضلعی پولیس اور ضلعی انتظامیہ کا انتظامی سربراہ ہوگا۔ اور یہ ادارے اس کی مرضی کے مطابق کام کرنے کے پابند ہونگے۔
- ضلع کونسل ضلعی انتظامیہ کی کارگزاری کا جائزہ لینے کے لیے متعدد کمیٹیاں قائم کرے گی۔
- تمام ڈویژن توڑ دیئے گئے ہیں اور ضلع کو ہی اصل انتظامی اکائی قرار دیا گیا۔

سٹی ڈسٹرکٹ:۔

اگر ایک تحصیل کا حلقہ آبادی میں اضافے کے باعث دیہی علاقے سے شہری علاقے میں بدل جائے اور اس وجہ سے اس کے لیے اپنے فرائض کی انجام دہی ممکن نہ رہے تو اس کا درجہ بڑھا کر اسے سٹی ڈسٹرکٹ بنا دیا جائے گا۔ سٹی ڈسٹرکٹ کو متعدد ٹاؤنز میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ یہ تقسیم آبادی کی بنیاد پر ہوگی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-0343...815886

ضلعی پولیس:۔

ڈیولیوشن یعنی اختیارات کی نچلی سطح تک منتقلی کے تصور کے تحت امن عامہ صوبائی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ صوبائی حکومت ضلع میں امن وامان کے قیام کے لیے پولیس فورس مہیا کرے گی۔ لیکن یہ پولیس فورس ضلعی حکومت کی نگرانی میں کام کرے گی۔ پولیس افسران کے تقرر اور برطرفی کے سلسلے میں ضلعی انتظامیہ کو وسیع اختیارات تفویض کئے گئے ہیں۔ پولیس کی نگرانی کے لیے فعال اور بااختیار شہری کمیٹیاں تشکیل دینے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

ضلعی عدالتی نظام:۔

ڈیولیشن پلان 2001 میں عدل کے مندرجہ ذیل نئے تصورات واہداف کی نشاندہی کی گئی ہے:

- فوری انصاف۔
- گھر کے دروازے پر انصاف
- مقدمہ بازی شروع ہونے سے پہلے اس کے اسباب کا خاتمہ
- عدلیہ کی مرکزیت کا خاتمہ
- تحصیل کی سطح پر معمولی معاملات نمٹانے والی عدالتوں کا قیام اور عدالتی نظام کا عمودی کی بجائے افقی پھیلاؤ۔
- عورتوں کے لیے خصوصی عدالتوں کا قیام

سٹیزن کمیونٹی بورڈ:۔

انتہائی نچلی سطح پر عوام کی امور حکومت میں شمولیت کو ممکن بنانے کے لیے سٹیزن کمیونٹی بورڈز کا تصور دیا گیا ہے۔ یہ بورڈز گورنمنٹ کے ہسپتالوں، بنیادی مراکز صحت نیز تعلیمی اور دیگر عوامی فلاح کے اداروں کے معاملات کو چلائیں گے۔

خواندگی اور انفرامیشن ٹیکنالوجی:۔

ڈیولیوشن پلان 2001ء میں کمپیوٹر کی تعلیم کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ ضلعی حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خواندگی اور انفرامیشن ٹیکنالوجی کے فروغ کے لیے کام کرے۔

پبلک سروسز کی تنظیم نو:۔

ڈویژنل کمشنر (جسے پہلے کمشنر کہا جاتا تھا) کا عہدہ اب ختم کر دیا گیا ہے۔

- ڈپٹی کمشنر کے عہدے کی جگہ ڈی سی او (ڈسٹرکٹ کوآرڈی نیشن آفیسر) کا عہدہ تخلیق کیا گیا ہے۔ ضلعی حکومت کے ہر محکمے کا سربراہ ایک ایگزیکٹو آفیسر ہوگا۔ ان محکموں کی تعداد 12 سے نہیں بڑھنی چاہیے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815006

❖ مال اور مجسٹریسی کے محکمے ایک دوسرے سے الگ کر دیئے گئے ہیں ان کے سربراہ دو الگ الگ ایگزیکٹو آفیسر ہوں گے (برطانوی نظام میں جواب تک پاکستان میں رائج تھا ڈپٹی کمشنر بیک وقت ڈی ایم یعنی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور ریونیو کلکٹر ہوتا تھا)۔

❖ صوبائی حکومت افسران کا ایک پینل ضلع ناظم کے سامنے پیش کرے گی اور وہ اس پینل میں سے ڈی سی او، ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر اور دیگر ایگزیکٹو افسران کا انتخاب کرے گا۔

ضلعی محتسب :۔

ضلعی سطح پر محتسب کا محکمہ تخلیق گیا گیا ہے۔ محتسب کا فرض ہو گا کہ وہ عوامی شکایات کا ازالہ کرے۔

اچھی حکمرانی کا اسلامی تصور

ایک اسلامی ریاست میں شہری اور ریاست کے درمیان تعلقات کو اس نہج پر استوار کیا جاتا ہے کہ نہ تو فرد کی شخصیت دباؤ کا شکار ہو کر مسخ ہو جائے اور نہ حکومت اتنی بے لگام ہو جائے کہ وہ آمریت کی راہ پر چل پڑے۔ اسلام ایک ایسا سیاسی کلچر پیدا کرنا چاہتا ہے جس میں ریاست کے مقاصد اور افراد کی تمناؤں کے درمیان مکمل توازن قائم ہو۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اسلامی حکمرانی کے درج ذیل اصول بیان کرتا ہے:

سربراہ ریاست کا انتخاب لوگوں کی رائے سے عمل میں آنا چاہیے اور اسے اپنے تقویٰ اور علم کی معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے ممتاز ہونا چاہیے۔ قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

> " اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ قابل احترام وہ ہیں جو تقویٰ میں سب سے بڑھے ہوں۔" (49:13)

❖ ریاست کے تمام اداروں کو قانون کی سختی سے پابندی کرنی چاہیے اور قانون کی نظر میں تمام شہریوں کو برابر ہونا چاہیے۔

❖ شہریوں کے مابین رنگ، نسل، زبان، مقام سکونت، عقیدہ اور مرد وزن کی تخصیص کی بناء پر کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جانا چاہیے۔

❖ تمام شہریوں کے بنیادی معاشرتی، سیاسی اور مذہبی حقوق محفوظ ہونے چاہئیں۔ تمام شہریوں کو بلا امتیاز آزادی کی نعمتوں سے بہرہ مند ہونے کا موقع ملنا چاہیے۔

❖ سود پر پابندی ہونی چاہیے۔ دولت کی ذخیرہ اندوزی کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے۔

❖ حکومت کو چاہیے کہ وہ زکوۃ، عشر، خمس اور صدقات وغیرہ جمع کرے اور مساکین اور اہل ضرورت تک پہنچائے۔

❖ ریاست کی یہ ذمہ داری ہونی چاہیے کہ وہ تمام شہریوں کو ضروریات زندگی کی فراہمی یقینی بنائے۔ بنیادی ضروریات زندگی میں خوراک، لباس، رہائش، صحت نیز بڑھاپے وغیرہ کے تحفظات شامل ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS- YOUSEF AHMAD KHAN-03499815860

❖ ایک اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ سب کے ساتھ بلا امتیاز انصاف کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر حالت میں عدل سے کام لیں۔ قرآن حکیم میں اللہ کا ارشاد ہے:

"کسی قوم کی نفرت تمہیں اس بات پر مجبور نہ کردے کہ تم انصاف سے باز رہو۔ انصاف سے کام لو کہ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔" (5:8)

❖ ایک اسلامی حکومت کو تمام برائیوں کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔ مثلاً جھوٹ، عہد شکنی، غیبت، منافقت بہتان، اسراف اور بخل، حرص، رشوت، غصب، چوری، ڈاکہ، ناپ تول میں کمی بیشی، شراب نوشی، جواء، گھمنڈ، غرور اور منافقت، ریا وغیرہ

❖ ریاست کو خیر کے فروغ کے لیے ترغیب، تعلیم اور تبلیغ کے ذرائع استعمال کرنے چاہئیں۔ یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کی دیکھ بھال بیت المال سے کی جانی چاہیے۔ عصمت وعفت، عزتِ نفس، رحم اور انسانی ہمدردی، عفو و درگزر، حسنِ معاملہ، تواضع، حسنِ کلام، نرمی، اخوت، اعتدال اور ہمدردی کی صفات شہریوں میں پیدا کرنا ایک اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل ہیں۔

❖ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ تمام شہریوں کو لازمی اور مفت تعلیم فراہم کرے اور اس تعلیم کا دائرہ بنیادی خواندگی سے لے کر علوم اسلامیہ، لسانیات اور سائنسی اور عمرانی علوم کی اعلیٰ ترین سطح کی تعلیم تک وسیع ہو۔

❖ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ امن وامان کا ایک نہایت اعلیٰ معیار قائم کرے۔ مجرموں کو سخت ترین سزائیں دے۔ ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کے حقوق مسلمان شہریوں کے برابر اور بعض معاملات میں ان سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ (مثلاً وہ لازمی فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہوتے ہیں)۔ غیر مسلموں کو اپنے کلچر، زبان، شخصی قانون، عبادت گاہوں اور مذہبی اداروں کے تحفظ کا حق ملنا چاہیے۔ کسی شخص کو کوئی ایسا ٹیکس ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جانا چاہیے جو کسی ایسے مذہب کی تبلیغ واشاعت کے لیے خرچ ہونے والا ہو جس پر وہ خود عمل نہیں کرتا۔

❖ ایک اسلامی ریاست محض امن وامان قائم رکھنے کے لیے وجود میں نہیں آتی۔ اس کا مقصد اس سے بلند تر ہے اور وہ مقصد اپنے شہریوں کی اخلاقی اور روحانی ترقی کے لیے کام کرنا ہے۔ ایک اسلامی حکومت اپنے شہریوں کو ایسی زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھاتی ہے جس کا انجام آخرت کی نجات ہو۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وہ لوگ (مسلمان) ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں غلبہ اور حکومت عطا کریں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں۔ بیشک تمام چیزوں کا انجام اور آخری فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔" (2:2:4)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN 03499815886

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نظام حکومت

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اگست 634ء میں منصب خلافت پر فائز ہوئے اور دس سال حکومت کرنے کے بعد 644ء میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار تاریخ انسانی کے عظیم ترین فاتحین اور حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ ان کی سلطنت کا رقبہ 58 لاکھ مربع کلومیٹر تک تھا۔ (موجودہ پاکستان سے سات گنا بھی زیادہ) تاہم دنیا کے حکمرانوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا امتیاز ان کی سلطنت کی وسعت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس بے مثل نظم حکومت کی وجہ سے ہے جو انہوں نے اپنی مملکت میں قائم کیا اور پھر پوری دنیا میں اس کی پیروی کی گئی۔

رہنما اصول

1۔ احساسِ ذمہ داری:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ منصب حکومت مفادات کے حصول کا ذریعہ نہیں بلکہ ذمہ داری اور خدمت کا مقام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا نام اپنے جانشین کے طور پر تجویز کیا اور لوگوں نے اس کی توثیق کر دی تو حضرت عمرؓ نے اپنی تقریر میں فرمایا:

"اے لوگو اگر مجھے حضرت ابو بکرؓ کی نافرمانی کا خوف نہ ہوتا تو میں کبھی تمہارا امیر اور حاکم بننا پسند نہ کرتا۔"

2۔ جذبہ خدمت:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکمرانی کے وہ اصول قائم کئے جن کے تحت حکمرانی کا منصب مملکت کے سب سے زیادہ خدمت گزار شخص کا منصب بن جاتا ہے۔ ایک مرتبہ جب سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المال کے بھاگے ہوئے اونٹ صحرا سے پکڑ کر لائے اور گرمی سے بے حال ہو گئے تو ایک صحابیؓ نے کہا کہ امیر المومنین یہ کام تو غلام بھی کر سکتا تھا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "مجھ سے بڑا غلام کون ہے"۔

3۔ کفالت:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قائم کی ہوئی حکومت میں انسانی فلاح کا تصور اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ ان کا یہ قول آج بھی زبان زدِ عام ہے کہ "اگر دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مر گیا تو اس کا حساب بھی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیا جائے گا۔ انہوں نے بیت المال سے یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کے وظائف مقرر کیے۔ بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کے لیے دودھ کا وظیفہ بیت المال سے مقرر ہو جاتا تھا۔

4۔ مساوات:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظم حکومت کی سب سے نمایاں خصوصیت مساوات کا وہ اعلیٰ ترین خورد و نوش معیار تھا جو انہوں نے اسلامی ریاست کے شہریوں کے درمیان قائم کیا۔ مدینہ میں قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے جس جس کے پاس جو سامانِ خورد و نوش تھا اس کو بیت المال میں جمع کر لیا گیا۔ تمام لوگوں کا کھانا ایک جگہ پکتا اور اجتماعی دستر خوان پر کھایا جاتا۔ معذوروں اور خواتین کا کھانا ان کے گھروں میں بھیجا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

خود روغن اور گھی کے استعمال سے مکمل پرہیز کا فیصلہ کیا وہ سوکھ کر کانٹا ہو گئے اور ان کی جلد سیاہ پڑ گئی۔ خلیفہ اور ان کے گھر والوں کا حصہ اجتماعی کھانے میں سب کے بعد اور سب سے کم تھا۔ جب ان سے کہا گیا کہ وہ شہری بچوں کا روزینہ دیہاتی بچوں سے زیادہ کر دیں کیونکہ دیہاتی بچے سخت جان اور بھوک پیاس کے عادی ہوتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "یہ بلا آسمان سے سب پر برابر اتری ہے اور سب کو مل کر اس کا بوجھ برابر بانٹنا ہے"۔

آذر بائیجان کے گورنر نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمدہ حلوے کا ایک مرتبان بھیجا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو چکھا، پسند کیا اور پوچھا کیا وہاں سب لوگ یہی حلوہ کھاتے ہیں، جواب ملا کہ نہیں یہ تو امراء کی خوراک ہے۔ حضرت عمرؓ نے مرتبان وہیں بند کر کے واپس کر دیا اور فرمایا کہ جو چیز عام آدمی کی رسائی سے باہر ہو مسلمانوں کے امیر کا بھی اس پر کوئی حق نہیں۔

جب حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فسطاط کے نام سے ایک نئی فوجی چھاؤنی قائم کی تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ میں نے ایک گھر امیر المومنین کے لیے بھی بنوایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو ڈانٹ کر لکھا کہ حجاز میں رہنے والے ایک شخص کا مصر میں گھر کیا معنی؟ اس گھر کو کسی فلاحی خدمت کے لیے وقف کر دو۔

5۔احتساب:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر لحہ اس بات کے لیے تیار رہتے کہ عام لوگ ان کا محاسبہ کر سکیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے یہ اصول اخذ کیا تھا کہ اگر مسلمانوں کا امیر یا اس کے اہل خانہ کسی جرم کا ارتکاب کریں تو ان کو اس کی دہری سزا دی جائے۔

انہوں نے اپنے بیٹے پر شراب نوشی کی دوہری حد نافذ کی۔ وہ اپنے گورنروں کا بھی سختی سے محاسبہ فرماتے تھے۔ ہر عہدے دار کو مقرر کرتے وقت اس کی جائیداد کی فہرست لے کر اس پر چار گواہوں سے دستخط ثبت کراتے۔ گورنر کا تقرر چار شرائط کے تحت عمل میں آتا تھا۔

1۔ ترکی گھوڑے پر (جو شان و شوکت کی علامت تھا) نہ بیٹھے گا۔

2۔ باریک (یعنی قیمتی) کپڑا نہ پہنے گا۔

3۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

4۔ دروازے پر دربان مقرر نہیں کرے گا۔

عام آدمی کسی بڑے عہدے دار کے خلاف شکایت کر سکتا تھا، جرم ثابت ہونے پر اسے سخت سزا دی جاتی اور اکثر معزول بھی کر دیا جاتا۔

6۔عدل اور قانون کی بالادستی:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ایسا نظام عدل قائم کیا جو قانون کی بالادستی کے تمام تقاضوں کو بطریق احسن پورا کرتا تھا۔ قاضی کے منصب پر نہایت دیانت دار اور متقی لوگوں کو مقرر کیا جاتا تھا۔ ان کو بھاری تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ قانون کی نظر میں سربراہ مملکت سے لے کر ادنیٰ شہری تک ہر ایک کو مساوی درجہ حاصل تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو خود مدعی بن کر عدالت میں پیش ہونا پڑا۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے جو قاضی تھے خلیفہ ہونے کی وجہ سے آپ کی تعظیم

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN

کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ تمہارا پہلا ظلم ہے" اور جا کر خود مدعا علیہ کے پاس بیٹھ گئے۔ جب قاضی نے حضرت عمرؓ کے مرتبے کا احساس کرتے ہوئے ان سے قسم لینے میں تامل کیا تو اس تو حضرت عمرؓ نے فرمایا! جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر نہ ہوں تو تم جج کے منصب کے اہل نہیں ہو سکتے۔"

7۔ آزادی اظہار:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ تاثر عام ہے کہ وہ بہت سخت گیر انسان تھے۔ بلاشبہ وہ قانون کے نفاذ اور بیت المال کی حفاظت کے بارے میں بہت سخت گیر تھے۔ لیکن جہاں تک آزادی اظہار اور مشاورت کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی انسان ان سے زیادہ مشورہ کرنے والا نہیں تھا۔ جب مجمع عام میں ایک شخص نے ان کے کرتے کی لمبائی کے بارے میں یہ سوال اٹھایا تو ایک اور شخص نے اعتراض کرنے والے کو ٹوکنا چاہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں تو اس کو کہنے دو۔ "اگر لوگ ہم پر تنقید نہ کریں تو وہ کسی کام کے نہیں اور اگر ہم ان کی بات نہ سنیں تو ہم کسی کے کام کے نہیں"۔

8۔ جمہوریت:۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ایک جمہوری ریاست کے بنیادی اصول قائم کر دیئے۔ انہی اصولوں کی بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور حکومت میں ایک عالمگیر جمہوری ریاست کی عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی۔ یہ وہ ریاست تھی جس سے پوری دُنیا نے جمہوریت کا سبق سیکھا۔ فرانسیسی فلسفی روسو (Rousseaus) کی کتاب "معاہدہ عمرانی" مغربی دُنیا میں جمہوریت کا نقش اول سمجھی جاتی ہے۔ روسو نے اپنی اس کتاب کا آغاز جس فقرے سے کیا اس میں واضح طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کی بازگشت سنائی دیتی ہے جو انھوں نے ایک گورنر کو تنبیہ کے طور پر لکھا تھا انسانوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا تم نے انھیں غلام کیسے بنالیا۔ روسو نے اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ اور آنجناب کے خلفاء کو جمہوریت کا نقیب مانا ہے۔ ہندوستان کے عظیم رہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ رام راجیہ (الٰہی حکومت) کی بات کرتے تھے جب ان سے کسی نے پوچھا کہ رام جیہ کیسی حکومت ہوگی تو انہوں نے کہا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت کو دیکھ لو رام جیہ کا نقشہ تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔

9۔ اقلیتوں کے حقوق:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غیر مسلموں سے حسن سلوک ایک ایسا موضوع ہے جس پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ شام میں مسلمان ایک مسجد تعمیر کرنا چاہتے تھے ایک عیسائی کا مکان اس تعمیر میں حائل تھا۔ مسلمانوں نے اس سے کہا کہ وہ اسے فروخت کر دے اس نے انکار کر دیا مسلمانوں نے اسے زبردستی ڈھا دیا اور مسجد میں شامل کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے حکم دیا کہ مسجد کے اس حصے کو جس میں اس عیسائی کا مکان شامل کیا گیا ہے مسمار کیا جائے اس پر مکان تعمیر کر کے مالک کو دیا جائے۔ کہتے ہیں یہ مکان اب بھی عمرؓ کے عدل اور رواداری کی زندہ شہادت کے طور پر موجود ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN

نظم و نسق:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی بار ایسا نظم مملکت قائم کیا جو ایک ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے اور آج بھی دنیا کی مہذب اور ترقی یافتہ ریاستوں میں جو کامیاب حکومتی ماڈل کام کر رہے ہیں ان کی بہت سی باتیں حضرت عمرؓ کے حکومتی ماڈل سے مستعار لی گئی ہیں۔

مردم شماری:۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مردم شماری کرانے والے پہلے حکمران تھے۔

ملکی تقسیم:۔

خلافتِ فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اسلامی مملکت کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا۔

عمال یا گورنروں کا تقرر:۔

ہر صوبے میں ایک عامل مقرر کیا گیا، جو تمام لوگوں اور امیر المومنین کے سامنے جوابدہ ہوتا تھا۔

صاحب الخراج کا تقرر:۔

ہر صوبے میں مالگزاری اور حسابات کا ریکارڈ رکھنے کے لیے صاحب الخراج یعنی ٹیکس کلکٹر مقرر کئے گئے۔

صاحب الاحداث:۔

پولیس کا باقاعدہ محکمہ قائم کیا گیا پولیس کے اعلیٰ افسر کو صاحب الاحداث کا نام دیا گیا۔

کاتب:۔

ہر صوبے میں حکومتی امور کا ریکارڈ رکھنے کے لیے ایک کاتب مقرر کیا جاتا تھا جس کا مرتبہ موجودہ دور کے سیکرٹری کے برابر تھا۔

صاحب بیت المال:۔

بیت المال کا حساب کتاب رکھنے والا افسر یا وزیر خزانہ صاحب بیت المال کہلاتا تھا۔

قاضی:۔

ہر صوبے میں ایک چیف جسٹس مقرر کیا جاتا تھا جسے قاضی کہا جاتا تھا۔

دیوان (سیکرٹریٹ):۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کی تنخواہوں اور شہریوں نیز مجاہدین کے وظائف کا حساب رکھنے کے لیے ایک سیکرٹریٹ مقرر کیا جسے دیوان کا نام دیا گیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03459315886

فوج:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک باضابطہ فوج (Standig Army) قائم کی اور اس میں مختلف عہدے قائم کیے۔

فوجی چھاؤنیاں:۔

حضرت عمرؓ کے دور میں پہلی مرتبہ مستقل فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں جن کو "جند" کہا جاتا تھا۔ ان میں یہ قابل ذکر ہیں، فسطاط، بصرہ، کوفہ، دمشق، موصل، حمص، اردن، فلسطین اور مدینہ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں افتاء حدود و تعزیرات کے محکمے قائم کئے گئے تھے، محکمہ ڈاک اور ٹیکس قائم کئے گئے۔ اہم مقامات پر مساجد اور مدارس کی تعمیر کی گئی۔ نئی سڑکیں بنائی گئیں۔

ڈیولیوشن پلان اور اچھی حکمرانی

توقعات اور اہداف:۔

جیسا کہ ہم پہلے مطالعہ کر چکے ہیں جنرل پرویز مشرف نے سن 2001ء میں Devolution of Power and Responsibility Plan کے نام سے مقامی حکومت کا ایک منصوبہ پیش کیا جس کی کامیابی کی صورت میں معاشرے میں انقلابی تبدیلیوں کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اس منصوبے کے درج ذیل اہداف بیان کئے گئے ہیں:

1۔ قوم کے اعتماد کو بحال کرنا اور قوم میں حوصلہ مندی پیدا کرنا۔

2۔ وفاق کو مضبوط بنانا، صوبوں کے درمیان عدم توازن کو دور کرنا۔

3۔ سرمایہ کاروں کے اعتماد کو بحال کرنا۔

4۔ قانون کی عملداری بحال کر کے امن و امان قائم کرنا اور فوری انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانا۔

5۔ ریاست کے اداروں سے سیاست کا خاتمہ کرنا۔

6۔ حکومتی اختیار کو سب سے نچلی سطح Grass Root Level تک پہنچانا۔

7۔ تیز رفتار احتساب کو یقینی بنانا ایسا احتساب جو دیکھا اور محسوس کیا جاسکے۔

اچھی حکمرانی کے راستے میں حائل رکاوٹیں

اچھی حکمرانی کا براہ راست تعلق اچھی شہرت سے ہے۔ اچھی حکمرانی ایک مضبوط اور مستحکم سیاسی کلچر میں ہی جنم لیتی ہے۔ اچھی حکمرانی کی راہ میں حائل بڑی رکاوٹیں درج ذیل ہیں:

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815866

1۔ بری شہریت (Bad Citizenship)

2۔ جہالت اور علم سے محرومی

3۔ غربت

4۔ جنگ اور تشدد کا کلچر

5۔ جبر پر مبنی سیاسی نظام

6۔ کرپشن اور بددیانتی پر مبنی معاشرتی نظام

7۔ احتساب کا نہ ہونا

کسی سیاسی کلچر کی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے کوئی کرشماتی طریقہ موجود نہیں۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ کسی بگڑے ہوئے سیاسی نظام کی اصلاح پلک جھپکنے میں ہو جائے۔ اچھی حکمرانی کا مسئلہ سادہ اور آسان نہیں بلکہ گنجلک اور پیچیدہ ہے، یہ بہت سے چھوٹے چھوٹے مسائل کا مجموعہ ہے۔ جہالت تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ جہالت کا خاتمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تعلیم عام نہ ہو۔ لیکن ایک غریب معاشرہ اپنے شہریوں کو تعلیم کہاں سے دے گا، خود غربت ایک اتنا بڑا شر ہے جس کی کوکھ سے بے شمار شر جنم لیتے ہیں، اسی سے تشدد پیدا ہوتا ہے، اسی بیج سے کرپشن اور معاشرتی انتشار کی فصل اگتی ہے۔ غریب لوگ اپنے معمولی اور چھوٹے چھوٹے مفادات کے لیے خود غرض سیاستدانوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتے ہیں۔

ٹیکنالوجی کی ترقی کے نتیجے میں جنگ ایک بہت مہنگا سودا بن گئی ہے۔ دنیا کی امیر ترین قومیں بھی جدید جنگ کی قیمت ادا نہیں کر سکتیں۔ پاکستان اور بھارت جیسے غریب ملک تو کس شمار میں ہیں۔ جرمنی کا لیڈر اڈولف ہٹلر جسے دنیا کے بے رحم جنگجوؤں کی فہرست میں نمایاں ترین مقام حاصل ہے اور جو گذشتہ صدی میں دنیا کو ایک عالمگیر جنگ میں جھونکنے کا مجرم بھی بنا جنگ کو انسانی شرف کی علامت سمجھتا تھا وہ کہتا تھا۔ ''جسے زندہ رہنا ہے اسے لڑنا چاہیے جو لڑنا نہیں چاہتا اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔'' لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد وہ بھی اس نتیجے پر پہنچا کہ:

''موجودہ دور کی جنگ میں فاتح کوئی نہیں ہوتا، کچھ لوگ فنا ہو جاتے ہیں اور کچھ باقی بچ جاتے ہیں۔''

جو قومیں اچھی حکمرانی کا خواب دیکھتی ہوں ان کی پہلی ترجیح یہ ہونی چاہیے کہ وہ جنگ کو خیرباد کہہ دیں۔ چاہے ایسا کرنے کے لیے انہیں اپنے بعض جائز حقوق سے دستبردار ہی کیوں نہ ہونا پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ میں یہی کیا تھا۔ چین اور جاپان نے اسی اصول کو اپنا کر دور جدید میں اچھی حکمرانی قائم کی ہے اور اقتصادی ترقی کے شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499615886

مشق

1۔ خالی جگہ ایسے الفاظ سے پُر کیجیے کہ بیان بامعنی ہو جائے۔

1۔ پاکستان میں کل ________ حکومتیں کام کرتی ہیں۔

2۔ ________ نے کہا کہ رام راجیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حکومت جیسی ہو گی۔

3۔ فرانسیسی فلسفی ____________ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفاء کے نظام حکومت سے بہت متاثر تھا۔

4۔ ضلعی حکومت کا نیا نظام ____________ درجات پر مشتمل ہے۔

5۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ 634ء سے ____________ تک برسراقتدار رہے۔

2۔ **ہر سوال کے آگے قوسین میں دیئے گئے تین جوابات میں سے مناسب ترین جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پر کیجیے۔**

1۔ قومی اسمبلی کا انتخاب ____________ سال کے لیے عمل میں آتا ہے۔ (6،5،4)

2۔ سینیٹ کے امیدوار کے لیے عمر کی کم از کم حد ____________ سال ہے۔ (35،30،25)

3۔ سینیٹ اور قومی اسمبلی کو مجموعی طور پر ____________ کہا جاتا ہے۔ (پارلیمنٹ، سپریم کورٹ، انتظامیہ)

4۔ وزیراعظم اپنی کابینہ کے کم از کم ____________ وزیر سینیٹ سے لینے کا پابند ہے۔ (ایک تہائی۔ ایک چوتھائی، نصف)

5۔ یونین کونسل کے ارکان کی کل تعداد ____________ مقرر کی گئی ہے۔ (25،15،21)

3۔ **ص (صحیح) یا غ (غلط) کے اوپر دائرہ لگا کر درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔**

1۔ پاکستان کی موجودہ انتظامی ڈھانچے کی بنیاد 1973ء کے آئین پر رکھی گئی ہے۔ ص غ

2۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس سال حکومت کی۔ ص غ

3۔ حضرت عمرؓ نے غیر مسلموں کو اپنی مملکت سے باہر نکال دیا۔ ص غ

4۔ قانون کے ڈرافٹ کو مسودہ قانون یا بل کہا جاتا ہے۔ ص غ

5۔ سینیٹ کے اجلاس کی صدارت کرنے والے عہدے دار کو سپیکر کہا جاتا ہے۔ ص غ

4۔ **کالم الف کے اندراجات کو کالم ب سے لائن کے ذریعے اس طرح ملایئے کہ دونوں کا تعلق واضح ہو جائے۔**

کالم الف	کالم ب
پارلیمنٹ	12 اکتوبر 2001ء
تحصیل انتظامیہ	45 سال
صدر	دو ایوان
ڈیوولیشن پلان	5 فیصد اقلیتی ارکان
ضلع کونسل	TMO

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN 0345-9816886

5۔ ہر سوال کا جواب دو سے پانچ سطور میں لکھیے۔

1۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کن علاقوں پر مشتمل ہے؟

2۔ وفاقی قانون سازی کی فہرست میں کونسے معاملات شامل ہیں؟

3۔ امور متصلہ کی فہرست میں کونسے اہم معاملات شامل ہیں؟

4۔ وفاقی عدلیہ (سپریم کورٹ) پر مختصر نوٹ لکھیے۔

5۔ ڈیوولیوشن پروگرام کب اور کیوں متعارف کرایا گیا۔

6۔ اچھی حکمرانی کی راہ میں حائل پانچ اہم رکاوٹوں کی فہرست بنائیے۔

7۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظام حکومت میں احتساب کی کیا کیفیت تھی؟

8۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت میں کفالت کا کیا معیار تھا؟

9۔ ضلعی حکومت کے نظام کے چار درجات بیان کیجیے۔

10۔ سٹیزن کمیونٹی بورڈ سے کیا مراد ہے؟

6۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

1۔ پاکستان کی وفاقی مقننہ کی ساخت اور اس کے وظائف بیان کیجیے۔ (قومی اسمبلی اور سینیٹ کے ساخت الگ بیان کرنے کی ضرورت نہیں)

2۔ پاکستان کی قومی اسمبلی اور سینٹ پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔

3۔ 1973ء کے آئین کے تحت پاکستان کی وفاقی انتظامیہ کی ساخت اور ظائف بیان کیجیے۔

4۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظام حکومت پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔

5۔ اچھی حکمرانی کے راستے میں کون سی رکاوٹیں حائل ہیں اور انھیں کیسے دُور کیا جاسکتا ہے۔

6۔ نئے ضلعی نظام کے تحت یونین کونسل کی ساخت اور اختیارات وظائف پر روشنی ڈالیے۔

7۔ سٹی ڈسٹرکٹ، ضلعی پولیس اور ضلعی عدالتی نظام کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

8۔ اچھی حکمرانی کے اسلامی تصور پر مضمون لکھیے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

6
اسلامی جمہوریہ پاکستان کا کلچر

پڑھیں

کلچر کی تعریف:۔

ثقافت یا کلچر ایک وسیع مفہوم رکھنے والی اصطلاح ہے۔ کلچر ان تمام خصوصیات (اچھائیوں اور برائیوں) کے مجموعے کو کہا جاتا ہے جن سے کسی قوم کی پہچان ہوتی ہے۔ ہر قوم اپنی ابتداء سے لے کر موجودہ لمحے تک پیش آنے والے مخصوص حالات اپنے عقائد و نظریات سے روشنی حاصل کر کے زندگی کے مختلف شعبوں، سائنسی علوم، معاشرتی علوم، ادبیات، فنون اور مجلسی زندگی میں جو کمالات حاصل کرتی ہے۔ ان کمالات کا مجموعہ اس قوم کا کلچر کہلاتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے کلچر کی تعریف یوں کی ہے:

"کلچر اس کل کا نام ہے۔ جس میں مذہب و عقائد علوم اور اخلاقیات، معاملات اور معاشرت، فنون و ہنر، رسم و رواج، افعال ارادی اور قانون صرفِ اوقات اور وہ ساری عادتیں شامل ہیں جن کا انسان معاشرے کے ایک رکن کی حیثیت سے اکتساب کرتا ہے اور جن کے برتنے سے معاشرے کے متضاد و مختلف افراد اور طبقوں میں اشتراک و مماثلت، وحدت اور یکجہتی پیدا ہو جاتی ہے جن کے ذریعے انسان کو وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز ہوتی ہے۔"

ٹی۔ایس ایلیٹ لکھتے ہیں:

"کلچر کیا ہے، یہ ان لوگوں کا انداز حیات ہے جو کسی خاص ملک یا مقام میں اکٹھے رہتے ہوں، یہ ان کے فنون، رسم و رواج، عادات اور مذہب میں نظر آتا ہے۔"

کلچر کی اہمیت:۔

ہر علاقے کے لوگوں میں اپنی زمین، اپنے ماحول اور اپنی تاریخ کے اثر سے کچھ ایسی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جو ان کی شناخت کی علامت بن جاتی ہیں۔

عمرانی علوم کے جدید ماہرین نے قوموں کی تشکیل اور شناخت کے عمل میں (جس کا مطالعہ علم سیاسیات کا موضوع ہے) کلچر کی بنیادی اہمیت پر پوری طرح زور دیا ہے اور اب کسی ملک کی سیاسیات کے مطالعہ میں سیاسی اداروں کی بجائے سیاسی کلچر (Political Culture) کو زیادہ اہمیت دی جانے لگی ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-0349981588

قیام پاکستان کی تحریک کے مطالعے سے کلچر اور قومیت کے تعلق کی اہمیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ پاکستان کا مقصد کوئی عام قسم کی قومی ریاست قائم کرنا نہیں تھا بلکہ ہندوستان کے مسلمان ایک ایسی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے جہاں وہ اپنے تمدن، ثقافت اور کلچر کی حفاظت کر سکیں اور اسے ترقی دے سکیں۔ مسلم کلچر ہی ہندوستان میں اسلامی قومیت کی تشکیل کی بنیاد بنا، اس قومیت کو بعد میں ''پاکستانی قومیت'' اور اس کلچر کو ''پاکستانی کلچر'' کا نام دیا گیا۔

پاکستان کی قدیم تہذیب۔ آرنلڈ ٹائن بی کی نظر میں

مغربی دُنیا میں پیدا ہونے والے مورخین میں آرنلڈ جے ٹائن بی کو سب سے نمایاں مقام حاصل ہے۔ 13 ضخیم جلدوں میں شائع ہونے والی ٹائن بی کی ''مطالعہ تاریخ'' (A Study of History) ابن خلدون کی تاریخ العبر کے بعد فن تاریخ نویسی اور انسانی تہذیب کی تاریخ پر سب سے معتبر کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب کی اولین جلدیں سب سے پہلے 1934ء میں شائع ہوئیں۔ ٹائن بی نے ''مطالعہ تاریخ'' میں وادی سندھ کی تہذیب پر بہت قیمتی معلومات فراہم کی ہیں۔ آئندہ سطور میں اس کتاب کی جلد اول کے صفحات 107 اور 108 سے وادی سندھ کی تہذیب کے بارے میں ٹائن بی کی تحقیق کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

- ❖ موہن جودڑو کے مقام پر جو سندھ کے شمال مغرب میں واقع ہے اور ہڑپہ کے مقام پر جو پنجاب کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ حکومت ہند کے شعبہ آثارِ قدیمہ نے جو کھدائی کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وادی سندھ کی تہذیب اور عراق کی سمیری تہذیب کے درمیان گہری مناسبت ہے۔ لیکن اس مشابہت کو پوری مطابقت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔
- ❖ موہن جودڑو کی تہذیب کا عرصہ حیات 3250 اور 2750 قبل مسیح کے درمیان ہے۔ (بعد کے دور میں سائنسی آلات کے ذریعے کی جانے والی تحققات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ یہ تہذیب حقیقتاً اس سے کم قدیم ہے اور یہ کہ 2600 ق م پرانا شہر کوٹ ڈیجی ہڑپہ اور موہن جودڑو سے زیادہ قدیم ہے)۔
- ❖ ترک جو بنیادی طور پر آریا تھے، کوہ ہندوکش عبور کر کے ہندوستان آئے اور کچھ اور ترک کے مغرب کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے شام تک پہنچ گئے۔
- ❖ سر جان مارشل وہ شخص ہیں جنہوں نے وادی سندھ کی تہذیب پر سب سے زیادہ تحقیقی کام کیا ہے۔ اس نے اپنی کتاب ''موہن جودڑو اور وادی سندھ کی تہذیب'' (جلد اول باب ہفتم) میں لکھا ہے کہ وادی سندھ کی تہذیب پورے خطہ سندھ اور وسطی پنجاب تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہڑپہ اور موہن جودڑو کے کلچر میں مکمل مطابقت ہے حالانکہ دونوں کے درمیان تقریباً چھ ساڑھے چھ کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔
- ❖ اس تہذیب کے اثرات بلوچستان تک بھی وسیع تھے، یہ الگ بات ہے کہ بلوچستان کا شمار اس تہذیب کے اہم مراکز میں نہیں ہوتا تھا۔
- ❖ اس کے برعکس دریائے گنگا کی وادی سندھ کے تہذیبی تعلق کی کوئی شہادت دستیاب نہیں ہوئی۔

اس تحقیق سے ہم مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچے ہیں:

1۔ پاکستان کا موجود علاقہ قدیم ترین زمانے سے ہی ایک جداگانہ تہذیبی اکائی رہا ہے

2۔ تہذیبی اعتبار سے پاکستان مشرقی وسطیٰ کا حصہ ہے وادی گنگا یعنی موجودہ ہندوستان کا نہیں

3۔ نسلی اعتبار سے بھی وادی سندھ کا تاریخی تعلق مشرق وسطیٰ سے ثابت ہوتا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03495915686

پاکستان کا ثقافتی ورثہ

وہ سرزمین جو 14 اگست 1947ء کو پاکستان کہلائی۔ دنیا کے قدیم ترین مہذب قوموں کا مسکن رہی ہے۔ اس سرزمین میں وادی سندھ کی اس تہذیب نے نشوونما پائی جو آب ہڑپہ اور موہن جو دڑو کے کھنڈرات کی شکل میں دنیا کی توجہ کا مرکز ہے۔ یہیں پوٹھوہار کے وسیع علاقے پر پھیلی ہوئی گندھارا تہذیب نے اپنا دور عروج دیکھا۔ گندھارا کا مرکز ٹیکسلا اپنے عہد میں دُنیا کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا۔ لیکن نامعلوم حادثات نے ان تہذیبوں کو خاک میں ملا دیا۔ یہ ایسی بے نشان ہوئیں کہ اب ان سے ہم اپنے تسلسل کا کوئی رشتہ تلاش نہیں کر سکتے۔ چونکہ پاکستان کے قیام کی بنیاد ہی اسلامی نظریئے پر رکھی گئی ہے۔ للہذا ہماری شناخت کے حوالے بھی اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جس دور میں اسلام خطے میں آیا اور اس نے لوگوں کی زندگیوں کو ایک نیا رنگ دیا۔ مسلمان فاتح کی حیثیت سے پہلی بار 712ء میں وادی سندھ میں داخل ہوئے۔ ان کا فن تعمیر، ان کی خطاطی، مصوری اور موسیقی ہی پاکستان کا حقیقی ورثہ ہے۔

ثقافتی ورثے کے حوالے سے پاکستان کے اہم مقامات:

کوٹ ڈیجی:۔

صوبہ سندھ میں خیر پور سے 24 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس مقام پر نومبر 1955ء میں کھدائی کا آغاز ہوا اور ایک شہر کے آثار دریافت ہوئے جو تقریباً 2600 سال قبل مسیح یعنی آج سے 4600 سال یہاں پہلے آباد تھا۔ کوٹ ڈیجی کی دریافت کے بعد ہمیں پہلی مرتبہ ہڑپہ سے پہلے دور کے بارے میں نہایت قیمتی معلومات حاصل ہوئیں۔

ہڑپہ:۔

ہڑپہ پنجاب کے ضلعی صدر مقام ساہیوال سے تقریباً بیس کلو میٹر لاہور سے 180 کلو میٹر کی مسافت پر پشاور، کراچی، شاہراہ کے قریب واقع ہے۔ ہڑپہ میں پائے جانے والے آثار وادی سندھ کی قدیم اور ترقی یافتہ شہری زندگی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ تقریباً چار ہزار سال قدیم اس شہر کے آثار دنیا بھر کے سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ہیں۔

موہن جو دڑو:۔

موہن جو دڑو سندھی لفظ ہے جس کا مطلب ''مردوں کا ٹیلہ'' ہے ظاہر ہے یہ نام بعد میں دیا گیا۔ موہن جو دڑو وادی سندھ کی قدیم تہذیب کے عظیم الشان مرکز ہڑپہ کا ہم عصر ہے اور انہی خصوصیات کا حامل ہے۔ شہر کے کھنڈرات دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر 5 کلو میٹر کے علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں اور کراچی سے 320 کلو میٹر شمال میں واقع ہیں۔

ٹیکسلا:۔

تاریخی شہر ٹیکسلا کے کھنڈرات اسلام آباد سے تقریباً 16 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہ ماضی کی ترقی یافتہ تہذیب گندھارا کا مرکز تھا۔ جین مت کی مذہبی روایات میں تو اس شہر کو کروڑوں سال پرانا بتایا گیا ہے تاہم اس مقام پر کی جانے والی کھدائی سے ملنے والے آثار یہ بتاتے ہیں کہ شہر ٹیکسلا کی بنیاد سن 600 قبل

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-0399

مسیح (آج سے 2600 سال پہلے) رکھی گئی اور یہ شہر ایک ہزار سال تک پوری آب وتاب کے ساتھ قائم رہا۔ شہر ٹیکسلا سے ملحقہ وادی میں جو آثار دریافت ہوئے ہیں وہ ٹیکسلا سے کہیں زیادہ قدیم اور اہم ہیں ان میں سب سے قدیم سرائے کھولا ہے جس کو ماہرین ہڑپہ اور موہن جوداڑو سے زیادہ قدیم بتاتے ہیں اور اس کا تعلق کوٹ ڈیجی سے جوڑتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اشوک کے زمانے میں ٹیکسلا کو دنیا کے سب سے بڑے اور جدید تعلیمی مرکز (یونیورسٹی) کی حیثیت حاصل تھی۔ ٹیکسلا یونیورسٹی میں بدھ مذہب کے علاوہ علم وادب، ریاضیات، جراحی (سرجری) اور فلسفہ وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ٹیکسلا شہر میں دریافت ہونے والے سنگ تراشی کے نمونوں کا معیار بہت اعلیٰ ہے۔

گندھارا سلسلے کا ایک اور شہر جسے ماہرین آثار قدیمہ نے بعد میں بھیرہ ماؤنڈ کا نام دیا خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ شہر ایران کے خامنشی، حکمرانوں کی قلمرو میں شامل تھا۔ اس حکمران خاندان کا دور حکومت 518 سے 359 قبل مسیح تک ہے۔ سن 326 قبل مسیح میں جب سکندر نے حملہ کیا تو اس وقت یہ شہر پوری شان وشوکت کے ساتھ آباد تھا۔ اس شہر پر اشوک نے اپنے باپ کے نائب کے طور پر حکومت کی۔ تین صدیوں تک موریہ بھی اس پر حکمران رہے۔ 189 قبل مسیح میں یہ یونانیوں کے قبضے میں چلا گیا۔

وادی ٹیکسلا میں واقع، سرکپ اور سرسکھ کے منظم شہر جنڈیال کا مندر اور جولیاں کی خانقاہ سیاحوں خاص طور پر بدھ مت کے پیروکاروں کی دلچسپی کا مرکز ہیں۔

سوات:۔

وادی سوات جہاں اپنے قدرتی حسن اور دلفریب مناظر کی وجہ سے سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ہے وہیں اس میں آثار قدیمہ۔ اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بھی بہت کشش ہے۔ قدیم زمانے سے وادی سوات کا صدر مقام ''اورا'' یعنی باغوں کا شہر۔ یہ شہر تقریباً ایک ہزار سال پہلے محمود غزنوی کے حملوں سے تباہ ہوگیا اور پھر بحال نہ ہوسکا۔ یہ وادی گندھارا کی سرحد پر واقع ہے اور بدھ تہذیب کے قدیم اور اہم مراکز میں سے ہے۔ تبت سے تعلق رکھنے والے بدھ مت کے پیروکاروں کے لیے سوات کو ایک مقدس مقام کی حیثیت حاصل ہے۔ یہاں پائے جانے والے بدھ کے مجسمے اور ظروف ماہرین آثار قدیمہ کے لیے گہری دلچسپی کا باعث ہیں۔

بھنبھور:۔

بھنبھور کراچی سے 64 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جسے قدیم زمانے میں دیبل کہا جاتا تھا۔ اور محمد بن قاسمؒ نے سن 712ء عیسوی میں یہاں اپنے مبارک قدم رکھے تھے۔ اب بھنبھور کے آثار ایک اونچے ٹیلے کی شکل میں ہیں۔ یہاں سے دستیاب ہونے والے قدیم ترین آثار کا تعلق ایک ہزار ق م یعنی (تقریباً 3000 سال پہلے) کے دور سے ہے۔ یہاں ہندو مذہب کے بت اور بدھ مت کے کچھ آثار ملے ہیں۔

بھنبھور میں پائی جانے والی ایک مسجد کو جنوبی ایشیاء میں دریافت ہونے والی قدیم ترین مسجد کا درجہ حاصل ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بیرونی حملوں اور دریائے سندھ کے رخ بدل لینے کی وجہ سے تیرھویں صدی میں یہ شہر غیر آباد ہوگیا تھا۔ آخری تباہی غالباً آگ لگنے کی وجہ سے ہوئی تھی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN

منصورہ:۔

منصورہ وہ شہر ہے جو مسلمانوں نے آباد کیا یہ بہت بڑا شہر تھا۔ شہر کے چاروں طرف فصیل تھی جس میں چار دروازے تھے۔ شہر کے وسط میں جامع مسجد تھی۔ شہر کے نام کے بارے میں بہت سی روایات ہیں لیکن صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے محمد بن قاسمؒ کے بیٹے عمر نے آباد کیا اور اپنی فتوحات کے حوالے سے اس کا نام منصورہ رکھا تھا۔ عربی لفظ منصورہ کا مطلب کامیابی ہے۔ ایک مدت تک اس شہر کے صحیح مقام کا تعین ہو سکا۔ اب یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ سندھ کا مقام دالوری غالباً قدیم منصورہ کی جگہ ہے یہاں 22-1920 میں کھدائی کی گئی تھی جس سے عرب دورِ حکومت کے سکے اور دوسرے آثار دریافت ہوئے تھے۔

پاکستان میں مسلم عہد کی اہم عمارات:۔

مقبرہ شاہ رکن عالم (ملتان)، مقبرہ جہانگیر، مقبرہ جام نظام الدین، مکلی، مقبرہ قطب الدین ایبک، شاہی قلعہ لاہور، قلعہ رہتاس، عالمگیری مسجد لاہور، شاہجہانی مسجد ٹھٹھہ، مسجد وزیر خان لاہور، مسجد مہابت خاں پشاور، شالار مار باغ لاہور۔ پاکستان میں مسلم عہد کی اہم ترین عمارات ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام آباد کی فیصل مسجد اور لاہور کا الحمراء پاکستانی فن تعمیر میں جدید اور خوبصورت اضافے ہیں۔

فن تعمیر:۔

مسلمانوں کے فن و تعمیر کی حسب ذیل خصوصیات مسلم عہد کی عمارات میں ایک امتیازی شان پیدا کرتی ہیں:

1۔ وسعت اور کشادگی جو اسلام کی بلند نظری اور سیع القلبی کا مظہر ہے۔

2۔ توازن اور تناسب جو دین اسلام کا اصول اساسی ہے۔

3۔ محراب، مینار اور گنبد کا استعمال نیز دوہرے گنبد کا استعمال جس سے حُسن ذوق کا اظہار ہوتا ہے۔

4۔ افقی خطوط سے اجتناب اور عمودی خطوط کا استعمال جس سے عمارت میں رفعت، بلندی اور حرکت کی شان نمایاں ہوتی ہے۔

فنونِ لطیفہ:۔

پاکستان کا ثقافتی ورثہ پوری دُنیا کے اہل ذوق کے لیے کشش اور دلچسپی کا باعث ہے۔ مثلاً

1۔ ہڑپہ اور موہن جودڑو کے کھنڈرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے ملک کے لوگ آج سے چار پانچ ہزار سال پہلے بھی فن تعمیر کے لحاظ سے بہت ترقی کر چکے تھے، وہ پختہ اینٹوں کے مکان، حوض، حمام اور کاروباری مراکز تعمیر کرتے تھے۔ اُن کی تعمیرات روشن، ہوادار اور ان کا نکاسی آب کا نظام نہایت عمدہ اور حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق تھا۔ صاحبزادہ عبد الرسول کے الفاظ میں "موہن جودڑو اور ٹیکسلا کی شہری تقسیم و تنظیم اور خانقاہوں کی تعمیرات، اسلامی دور کے باغات، محلات، مقبرے اور مسجدیں، ان کے سجاوٹی نقش و نگار دیکھ کر ان لوگوں کی تعمیرات میں فنی مہارت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ موہن جودڑو اور سرکپ کے شیر، تخت بائی اور جولیاں کی خانقاہیں، اٹک اور رہتاس کے قلعے،

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499...886

لاہور کے محلات، باغات، لاہور اور ٹھٹھہ کی بادشاہی مسجدیں، شاہ رکن عالم (ملتان) جام نظام الدین (مکلی) اور جہانگیر کا مقبرہ ہمارے فن تعمیر کے بہترین نمونے ہیں۔"

2۔ ہڑپہ اور موہن جوداڑو کے لوگ دھاتوں کو پگھلانے اور ان سے زیورات، مہریں اور مجسمے بنانے کے فن ماہر تھے۔ گندھارا میں سنگ تراشی کا فن عروج پر تھا۔ مسلمانوں کے دور حکومت میں روغنی ٹائلوں اور پچی کاری کے فنون نے ترقی کی۔

3۔ تصویر سازی کا پاکستانی فن بت کڑا (سوات) کی دیواری تصویر سے لے کر مغلوں کی چھوٹی تصویروں کے دور سے گزرتا ہوا دور جدید میں عبدالرحمٰن چغتائی استاد اللہ بخش اور گل جی جیسے فنکاروں کے ہاتھوں اپنی عظمت کا لوہا منوا چکا ہے۔

4۔ ملک کے مختلف حصوں میں لکڑی پر کندہ کاری اور نقش کاری، مٹی کے روغنی اور منقش ظروف بنانے، پیتل، تانبے اور کانسی کے برتنوں پر کندہ کاری اور خوبصورت زیورات بنانے کا فن پاکستانی قوم کے ذوق جمال کا مظہر ہے۔

5۔ خطاطی کے فن میں پاکستان کا دامن سید تاج الدین زریں رقم، عبدالمجید پروین رقم، حافظ یوسف سدیدی، سید انور حسین، نفیس رقم، صادقین اور اسلم کمال جیسے عظیم ماہرین فن کے فن پاروں سے مالا مال ہے۔

6۔ پاکستان کے تمام صوبوں میں روایتی طریقوں سے مردوں اور عورتوں کے خوبصورت لباس کی تیاری کا فن نہ صرف زندہ بلکہ ترقی پذیر ہے۔ گلگت اور سوات کی اُونی پٹی، کشمیر کی شالیں، اور گاؤن، پنجاب اور سرحد کی پھلکاری خیر پور، بہاولپور اور ملتان کی ہاتھ سے چھپی ہوئی چادریں، سندھ کی اجرک اور باندھنا یہ سب ایسی خوبصورت صنعتیں ہیں کہ نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر کے لوگ ان کی تعریف کرنے پر مجبور ہیں۔

7۔ صدیوں سے پاکستانی قالینوں کا شمار دنیا کے بہترین قالینوں میں کیا جا رہا ہے۔ لاہور قالین سازی کا قدیم ترین مرکز ہے۔ کشمیر، سرحد، بلوچستان اور سندھ میں بھی خاص انداز کے قالین، نمدے اور غالیچے تیار ہوتے ہیں۔

8۔ موسموں، فصلوں اور بزرگان دین کے عُرسوں کی مناسبت سے سجائے جانے والے میلے دیہاتی معاشرت کی بہترین عکاسی کرتے ہیں اور لوگوں کو تفریح فراہم کرنے کا اہم ذریعہ ہیں

9۔ کشتی، کبڈی، ملاکھڑا، والی بال، فٹ بال، دیہات کے مقبول کھیل ہیں۔ ہاکی قومی کھیل ہے۔ ہاکی، کرکٹ اور سکواش کے پاکستانی کھلاڑی دنیا بھر میں صف اوّل کے کھلاڑی شمار ہوتے ہیں۔

پاکستانی کلچر کی مشترک خصوصیات:۔

پاکستانی کلچر کے نمایاں ترین خدوخال اور امتیازی پہلو مندرجہ ذیل ہیں:

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN

مذہبی یکجہتی:۔

پاکستان کے 96 فیصد لوگ مسلمان ہیں۔ پاکستانی مسلمانوں کو اپنے دین سے گہری محبت ہے اور اس کے لیے وہ ہر وقت بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار رہتے ہیں۔ پاکستانی مزاج کی یہی امتیازی خصوصیت دراصل پاکستان کے قیام اور بقاء کی حقیقی بنیاد ہے۔ تاہم پاکستانی لوگوں کی معاشرت کو خالص اسلامی قرار دینا درست نہیں کیونکہ ان کے مذہبی نظریات اور معاشرتی طور طریقے مقامی غیر اسلامی اثرات سے بالکل پاک نہیں ہیں۔

مخلوط ثقافت:۔

پاکستان میں کسی ایک رنگ یا نسل کے لوگ آباد نہیں ہیں یہ علاقہ جہاں پاکستان قائم ہے ہمیشہ سے بیرونی اقوام کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ یہاں بہت سی اقوام آئیں اور آباد ہو گئیں۔ عربوں، ایرانیوں، تورانیوں، یونانیوں اور انگریز حکومت کے اثرات نے مل کر اس معاشرت اور طرزِ زندگی کی تخلیق کی ہے جسے آج ہم پاکستانی طرزِ حیات کہتے ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

خاندانی زندگی، رسم و رواج اور لباس:۔

پاکستان کی خاندانی معاشرت کے نمایاں خدوخال حسب ذیل ہیں:

1۔ مشترکہ خاندانی نظام رائج ہے۔ جس میں چھوٹے بڑوں کا احترام کرتے ہیں۔

2۔ خاندان کا سربراہ مرد ہوتا ہے۔ عورتوں کا احترام کیا جاتا ہے۔

3۔ شادی بیاہ اور خوشی اور غم کی تقریبات میں اسلامی سے زیادہ مقامی رنگ غالب ہے۔

4۔ عام لوگوں کی زندگی سادہ اور قدیم روایات پر مبنی ہے۔

5۔ عورتوں کو وراثت میں حصہ دار بنایا گیا ہے۔

6۔ عورتوں کی اکثریت حیاءدار اور باپردہ ہے۔ مکانات باپردہ بنائے جاتے ہیں۔

7۔ عزت اور غیرت کو زندگی کی اعلیٰ ترین اقدار کا درجہ حاصل ہے۔

8۔ لباس باوقار اور سادہ پہنا جاتا ہے۔ قومی تقریبات میں شیروانی اور ٹوپی پہنی جاتی ہے۔ عورتیں عموماً شلوار قمیض پہنتی ہیں اور سر پر دوپٹہ یا چادر اوڑھتی ہیں۔ مردوں میں مغربی لباس بھی مقبول ہے۔

9۔ روزمرہ کی خوراک کی نہایت سادہ ہے لیکن تقریبات میں پرتکلف کھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

10۔ شادی کو ایک مقدس اور مستقل بندھن سمجھا جاتا ہے۔ نئی زندگی کا آغاز نکاح کی اسلامی رسم سے ہوتا ہے۔ لیکن جہیز کی نمائش، مہندی، آتش بازی، چراغاں اور گانے بجانے جیسی بہت سی غیر اسلامی باتیں بھی اب اس تقریب کا حصہ بن چکی ہیں۔

11۔ پاکستان کا خاندانی نظام بہت مستحکم ہے اور طلاق کی شرح مغربی ممالک کے مقابلے میں انتہائی کم ہے۔

12۔ بچے کی پیدائش پر اس کے کان میں آذان کہی جاتی ہے اور مٹھائی تقسیم کر کے خوشی منائی جاتی ہے۔ لوگ نومولود کو پیسے اور تحائف دیتے ہیں۔

13۔ موت کے وقت ہمسائے اور عزیز واقارب تجہیز و تکفین اور جنازے میں شرکت کرتے ہیں۔ میت کے گھر تین دن تک کھانا بھیجا جاتا ہے۔

پاکستانی بنیں۔ پاکستان مصنوعات خریدیں

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں اقتصادی طور پر انہی اقوام نے ترقی کی جنہوں نے کسی خاص لمحے میں یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے ملک کی بنی ہوئی مصنوعات ہی استعمال کریں گی۔ اور یہ فیصلہ کرنے کے بعد انہوں نے اسے ایک تحریک اور قومی شعار کی حیثیت دے دی۔ پاکستان کی اقتصادی پس ماندگی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پاکستان کے لوگ اپنی مصنوعات کی سرپرستی کی بجائے غیر ملکی مصنوعات کو ترجیح دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ کام ضرورتاً کیا جاتا ہے اور بعض اوقات محض شان وشوکت اور ذاتی تفاخر کے اظہار کے لیے اس عادت کی وجہ سے ہمارا انہایت قیمتی زرمبادلہ غیر ضروری طور پر ملک سے باہر نکل منتقل ہو جاتا ہے۔ اس صورت حال کی اصلاح کے لیے حکومت اور عوام دونوں سطحوں پر ایک ایسا اقتصادی کلچر پیدا کرنے کی ضرورت ہے جس میں غیر ملکی مصنوعات پر انحصار کم سے کم ہو جائے اس کے لیے بنیادی طور پر مندرجہ ذیل اقدامات ضروری ہیں:

1۔ قائدین اور عوامی زندگی کے رہنما غیر ملکی مصنوعات استعمال نہ کرنے کا فیصلہ کریں خود بھی ملکی مصنوعات استعمال کریں اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔

2۔ ملکی مصنوعات کا معیار بہتر بنانے کے لیے حکومت کی سطح پر منصوبہ بندی کی جائے تاکہ ضرورتاً غیر ملکی اشیاء خریدنے پر مجبور نہ ہوں۔

3۔ ملکی مصنوعات کی قیمتیں کم رکھنے کے لیے صنعت کاروں کو ٹیکس کی چھوٹ دی جائے۔

4۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعے لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ اچھے پاکستانی بننے کے لیے ضروری ہے کہ ہم پاکستانی مصنوعات استعمال کریں۔ ''پاکستانی بنیں پاکستانی مصنوعات استعمال کریں'' کا نعرہ عام کرنے کی ضرورت ہے۔

صنفی عدل کے مسائل

صالح انسانیت کی تعمیر کے لیے لازم ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان مساوات اور عدل قائم ہو۔ لیکن افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ انبیاءؑ اور مصلحین کی تمام تر کوششوں کے باوجود آج تک یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکا۔ اس معاملے میں مشرق اور مغرب دونوں کا معاملہ ایک جیسا ہے۔ مغرب میں عورت کو آزادی کا دھوکہ دے کر استحصال کا نشانہ بنایا گیا اور اسے اُس کی فطری پاکیزگی اور سعادت سے محروم کر دیا گیا۔ برطانیہ میں کئے جانے والے تازہ ترین سروے میں 98 فیصد

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

عورتوں نے بڑے دکھ کے ساتھ یہ کہا کہ وہ اپنی خاندانی زندگی کی طرف واپس لوٹنا چاہتی ہیں لیکن نہ ان کو باپ قبول کرتے ہیں نہ۔ شوہر۔ پس ماندہ اور کم تعلیم یافتہ معاشروں کے مسائل دوسری طرح کے ہیں۔ ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو ہمیں عورت مندرجہ ذیل مسائل سے دوچار نظر آتی ہے:

1۔ عورت کو ایک کمتر درجے کی مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ اس کی پیدائش ایک بوجھ محسوس ہوتی ہے۔ آئے دن اس طرح کے واقعات سننے میں آتے ہیں کہ کسی عورت کو بیٹی پیدا کرنے کے جرم میں قتل کر دیا گیا یا گھر سے نکال دیا گیا یا گھر میں ظلم و جبر اور تشدد کیا گیا۔

2۔ دیہی معیشت میں عورت کھیت مزدور ہے اور خاندان کی کفالت میں اس کی ذمہ داری مرد سے بڑھ کر ہے۔ یوں وہ دہری ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبی ہوتی ہے۔

3۔ جاگیردارنہ معیشت میں اس کی حیثیت کنیز اور لونڈی کی ہے اسے قلعہ نما گھروں کی چار دیواری میں قید رکھنا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

4۔ غیرت کے نام پر قتل روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ الزام درست ہے یا غلط، معاشرہ مرد سے ہمدردی رکھتا ہے اور معاشرتی نظام مرد کا تحفظ کرتا ہے عورت کو قانونی چارہ جوئی کا حق بھی نہیں دیا جاتا۔

5۔ نچلے معاشی طبقات میں اول تو تعلیم کی شرح ویسے ہی بہت پست ہے اور اگر ہے تو اس میں عورتوں کا حصہ بہت کم ہے۔ خصوصاً دیہات میں عورتوں کی شرح خواندگی بہت کم ہے۔

6۔ عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے آئینی اور قانونی تحفظات بھی موجود ہیں اور قائدین کی تقریروں میں بھی ان پر بہت زور دیا جاتا ہے لیکن معاشرت کے عملی حقائق یہ ہیں کہ عورتوں پر حصول انصاف کے تمام دروازے بند ہیں۔

7۔ کم عمری کی شادیوں کا رواج بہت عام ہے۔ جس سے صنف نازک کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے۔

8۔ اسلام نے وراثت میں عورتوں کا حصہ رکھا ہے لیکن عملی طور پر وراثت میں عورتوں کو ان کا قانونی حصہ نہیں دیا جاتا یوں وہ معاشی مسائل کا شکار رہتی ہے۔

یہ صورت حال نہ تہذیب کا تقاضا ہے نہ اسلام سمیت دنیا کا کوئی مذہب اس کی حمایت کر سکتا ہے۔ اسلام جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے 96فی صد لوگوں کا مذہب ہے صنفی عدل کا سب سے بڑا علم بردار ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اسلام کے حوالے سے صنفی عدل کے تقاضوں کا جائزہ لیں گے۔

اسلام میں عورتوں کے حقوق

اللہ تعالیٰ نے انسانی تمدن کی گاڑی کو اس وضع پر تخلیق کیا ہے کہ مرد اور عورت کو اس گاڑی کے دو پہیے کہا جا سکتا ہے۔ اس کا آخری ظہور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہوا۔ اس سے پہلے دنیا کے اکثر معاشروں میں عورت کو ایک نہایت پست اور ادنیٰ درجے کی مخلوق کی حیثیت حاصل تھی۔ یونانیوں کے ہاں بھی جو یورپ میں سب سے مہذب قوم سمجھے جاتے تھے عورت کا درجہ غلاموں سے کمتر تھا۔ قدیم ہندوستانی مصنفین کی کتابیں تو عورت کی مذمت سے بھری پڑی ہیں۔ مغرب میں عورت

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN 03499815886

کی آزادی کا نعرہ محض اس کے استحصال کے لیے لگایا گیا۔ ورنہ حالت یہ ہے کہ برطانیہ میں 1918ء میں اور امریکہ میں 1920ء میں عورت کو پہلی مرتبہ ووٹ کا حق دیا گیا۔ امریکہ کی سوا دو سو سالہ آئینی تاریخ میں آج تک ایک عورت بھی امریکی صدارت کے منصب پر فائز نہیں ہو سکی۔ اسلام نے عورت کو مکمل انسانی حقوق عطا کئے، ان حقوق کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے۔

تکریم:۔

اسلام نے عورت کو ناپاک مخلوق سمجھنے کی بجائے عزت و تکریم کا مستحق ٹھہرایا۔ حج، فرائض دینیہ میں سے ایک اہم فرض ہے۔ تکمیل ایمان کے لیے ہر صاحب استطاعت کے لیے فریضہ حج کی ادائیگی ضروری ہے۔ صفا اور مروہ کی سعی حج کا ایک لازمی حصہ ہے۔ چار ہزار سال سے اسلام کے کروڑوں پیروکار جن میں عام مومنین کے علاوہ انبیاء علیھم السلام، صحابہ رضی اللہ عنھم اور اولیاء کرام بھی شامل ہیں اس فریضے کو ادا کر رہے ہیں۔ یہ ایک عورت حضرت حاجرہ علیہ السلام کی سنت ہے۔

حقِ زندگی:۔

عورت کا خون بھی قانون کی نظر میں اتنا ہی محترم ہے جتنا کہ مرد کا خون، عورت کے قتل کی سزا مرد کے قتل کے برابر ہے۔۔

حقِ ملکیت:۔

بعض سابقہ مذاہب میں خود عورت کو مرد کی ذاتی ملکیت سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے عورت کو ملکیت کا حق دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسلام نے عورت کو ملکیت کا حق دیا اور شوہر اور باپ کی وراثت میں حصہ دار بنایا۔ عورت کی ملکیت اس کی اپنی ملکیت شمار ہوتی ہے اور مرد کو اس کی اجازت کے بغیر اس کے لینے یا خرچ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN

حقوق میں مساوات:۔

اسلام نے اجمالی طور پر تمام حقوق میں عورت کو مرد کے برابر ٹھہرایا ہے اس اعتبار سے دونوں کے حقوق بھی برابر ہو گئے ہیں۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 228، میں ارشاد ہے۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط یعنی عورتوں کے حقوق بھی مردوں جیسے ہیں لیکن چونکہ گھر ایک ریاست ہے اور قانون فطرت کے مطابق کسی ریاست کو دو حکمران بیک وقت نہیں چلا سکتے ہیں لہٰذا اس میں یہ ترتیب قائم کر دی گئی کہ خاندان کے پروٹوکول میں سربراہ کا منصب مرد کو حاصل ہوگا۔

نان نفقہ کا حق:۔

عورت کو نان و نفقہ یعنی زندگی کی تمام جائز ضروریات فراہم کرنا مرد کی ذمہ داری ہے۔ عورت بچوں یا شوہر کو کما کر کھلانے پر مجبور نہیں کی جا سکتی۔ مرد کو عورت پر جو ایک درجہ فضیلت دی گئی ہے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے سورۃ النساء آیت 34 میں ارشاد باری ہے۔ فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ط اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر اس لیے فضیلت دی ہے کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

حسن سلوک کا حق:۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنی بیویوں کو ڈانٹا تو انہوں نے برابر جواب دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام سے پہلے ہم عورتوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اسلام آیا تو اس نے ظلم اور سختی روک دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہے''

اظہار رائے اور مشورہ کا حق:۔

اسلام نے عورتوں سے رائے لینے کا اور ان کا احترام کرنے کی روایت قائم کی۔ رسول اللہ ﷺ اکثر اسفار میں ازواج مطہرات کو ساتھ رکھتے اور نہایت اہم معاملات میں سے ان سے مشورہ فرماتے۔ غزوہ حدیبیہ کے موقع پر ایک نہایت نازک مرحلہ ایک خاتون ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کے مشورے سے طے ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بہت اہم ملکی فیصلہ اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مشورے سے کیا۔ نہایت صاحب علم اور بلند درجہ صحابیہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مسائل دریافت کرتے، دینی معاملات میں ان کو باقاعدہ فقہیہ کا منصب حاصل تھا۔

سماجی زندگی اور حصولِ علم کا حق:۔

اسلام کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ اسلام عورتوں کو حصول تعلیم سے روکتا ہے اور گھر کی چار دیواری میں محصور رکھنا چاہتا ہے۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام عورت اور مرد کے آزادنہ اختلاط کو تمدن کے لیے زہر قاتل سمجھتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی درست ہے کہ اسلام کی رو سے حصول علم عورت پر اس طرح فرض ہے جس طرح مرد پر ہے اور خود یہ بات کہ مرد اور عورت اپنے اپنے الگ دائرہ کار میں رہیں اس بات کو لازم کرتی ہے کہ عورتوں کی پچاس فیصد آبادی کے لیے اساتذہ، ڈاکٹروں اور زندگی کے تمام اہم شعبوں میں عورتوں کی تعداد کم از کم پچاس فیصد ہو، تاکہ عورتیں اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنی تمام ضروریات کے لیے عورتوں ہی سے رجوع کر سکیں۔

پاکستان میں سیاسی اور معاشرتی امور میں عورتوں کی شراکت کی حکمت عملی:۔

چیف آف دی آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف 12 اکتوبر 1999ء کو برسر اقتدار آئے اور انہوں نے ''چیف ایگزیکٹو'' کا عہدہ سنبھال لیا۔ ان کا سیاسی فلسفہ یا وژن (Vision) یہ ہے کہ ملک کی حکومت میں مقامی سطح پر عوام کی شراکت کو اور خاص طور پر خواتین کی شراکت کو جو آبادی کا نصف سے زیادہ ہیں یقینی بنایا جائے اور اختیارات کو سب سے نچلی سطح پر (Grass Root Level) تک پہنچایا جائے۔ اپنے اس فلسفے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے انہوں نے اختیارات اور ذمہ داریوں کو نچلی سطح تک تقسیم (Devolution of Power and Responsibility Plan) مرتب کیا اور اس پر فوراً عملدرآمد شروع کیا۔ ڈیوولیوشن پلان کا تفصیلی مطالعہ ہم باب 5 میں کر چکے ہیں۔ یہاں ہم اس منصوبے کے تحت کئے گئے ان اقدامات کا مطالعہ کریں گے جن کا تعلق عورتوں کی ترقی کے معاملے سے ہے۔ ڈیوولیوشن پلان میں یہ حکمت عملی اختیار کی گئی ہے کہ مقامی حکومتوں میں عورتوں کی شراکت کی شرح میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جائے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

یونین کونسل مقامی حکومت کے نئے ضلعی نظام کا سب سے بنیادی یونٹ ہے۔ منصوبے کے تحت ہر یونین کونسل 21 ممبرز پر مشتمل ہو گی جن میں سے 6 ممبر لازماً خواتین ہوں گی۔ ان 6 ممبرز میں سے 2 نشستیں کسان خواتین کے لیے مخصوص ہیں۔ عورتوں کو باقی 15 سیٹوں پر الیکشن لڑنے کی بھی آزادی ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD KHAN-03499315686

ضلع کونسل ضلع نظام کا سب بڑا ادارہ ہے۔ ضلع کونسل میں عورتوں کی نمائندگی 33 فیصد رکھی گئی ہے۔ موجودہ دنیا کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ ایک بہت بڑی تعداد ہے اور شاید دنیا میں چند ہی ایسے ملکوں کی مثالیں تلاش کی جا سکیں جن میں اتنی بھاری تعداد میں عورتوں کو نمائندگی دی گئی ہو۔ مقامی سطح پر عورتوں کی نمائندگی میں اضافے کے ساتھ حکومت نے آئین میں ترمیم کر کے قانون ساز اداروں میں بھی عورتوں کی نشستوں میں معقول اضافہ کیا ہے۔ اسمبلیوں میں خاتون نشستوں کی صورتحال یہ ہے:

قانون ساز ادارہ	1973ء کے آئین تحت	خواتین نشستوں کی موجودہ تعداد
قومی اسمبلی	20	60
پنجاب اسمبلی	12	66
سندھ اسمبلی	5	29
کے پی کے اسمبلی	4	22
بلوچستان اسمبلی	2	11

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عورتیں اپنی مخصوص نشستوں کے علاوہ ہر قانون ساز ادارے کی تمام نشستوپر منتخب ہو سکتی ہیں۔ ضلعی حکومتوں کے نظام کا بنیادی رول سیاسی سے زیادہ سماجی نوعیت کا ہے جب کہ قانون ساز اسمبلیاں سیاسی ادارے ہیں لیکن ان کے بنائے ہوئے قوانین زندگی کے ہر شعبے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ میں عورتوں کے لیے خصوصی پروگرام کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جس سے عورتوں میں احساس شراکت پیدا ہوا ہے اور ان کی سماجی بیداری میں اضافہ ہو رہا ہے، ''ماں پیاری ماں'' اور خواتین ٹائمز، اس کی بڑی بڑی مثالیں ہیں۔ خواتین کے حقوق کے لیے کام کرنے والی قدیم تنظیم اپوا (Apwa) کی تنظیم نو کے بعد اسے مزید فعال بنایا گیا ہے۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ عورتوں کے حقوق، سیاسی اور سماجی زندگی میں ان کی تعمیری شراکت کے حوالے سے ایک نئے دور کا آغاز ہو چکا ہے۔

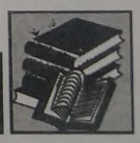

مشق

1۔ خالی جگہ ایسے الفاظ سے پُر کیجیے کہ بیان بامعنی ہو جائے۔

1۔ وادی سندھ کی تہذیب پر سب سے زیادہ تحقیقی کام _____ نے کیا۔

2۔ _____ کی تہذیب کے اثرات بلوچستان تک بھی وسیع تھے۔

3۔ _____ نسلی اعتبار سے وادیٔ سندھ کے لوگوں کا تعلق _____ سے ثابت ہوتا ہے۔

4۔ مسلمان فاتح کی حیثیت سے پہلی بار سن _____ میں وادی سندھ میں داخل ہوئے۔

5۔ بھیر ماؤنڈ بھی _____ سلسلے کا ایک اہم شہر ہے۔

MDCAT BY FOUR DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815805

2۔ ہر سوال کے آگے قوسین میں دیئے گئے تین جوابات میں سے مناسب ترین جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پر کیجیے۔

1۔ تاریخی شہر ٹیکسلا اسلام آباد سے تقریباً ________ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ (92،25،16)

2۔ ہڑپہ ضلع ________ میں واقع ہے۔ (ٹیکسلا، ساہیوال، لاہور)

3۔ پاکستان کے ________ فیصد لوگ مسلمان ہیں۔ (80،70،96)

4۔ برطانیہ میں عورتوں کو ووٹ کا حق پہلی بار سن ________ میں ملا (1940ء،1920ء،1918ء)

5۔ پاکستان میں خواتین کے حقوق کے لیے کام کرنے والی قدیم ترین تنظیم کا نام ________ ہے

(WWA،WAPDA،APWA)

3۔ ص (صحیح) یا غ (غلط) کے اوپر دائرہ لگا کر درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ ابن خلدون رحمتہ اللہ علیہ کی 'A Study of History' 1934ء میں شائع ہوئی۔ ص غ

2۔ ٹائن بی کے بقول وادی گنگا کے علاقے سے وادی سندھ کا کوئی تہذیبی تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ ص غ

3۔ ٹائن بی کی تحقیق کے مطابق وادی سندھ کی تہذیب اور عراق کی سمیری تہذیب کے درمیان گہری مناسبت ہے۔ ص غ

4۔ پاکستان کا موجودہ علاقہ قدیم ترین زمانے سے ہی ایک جداگانہ تہذیبی اکائی ہے۔ ص غ

5۔ مشرف حکومت نے قومی اسمبلی میں عورتوں کی مخصوص نشستوں کی تعداد 20 سے بڑھا 60 کر دی۔ ص غ

4۔ کالم الف کے اندراجات کو کالم ب سے لائن کے ذریعے اس طرح ملایئے کہ دونوں کا تعلق واضح ہو جائے۔

کالم الف	کالم ب
آرنلڈ ٹائن بی	تاریخ العبر
ابن خلدونؒ	سوات
بھیر ماؤنڈ	دیبل
اورا	مطالعہ تاریخ
بھنبھور	ہنجامنشی

5۔ ہر سوال کا جواب دو سے پانچ سطور میں لکھیے۔

1۔ پاکستان کے قدیم تہذیبی پس منظر کا مختصر تذکرہ کیجیے۔

2۔ کوٹ ڈیجی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN

3۔ سرزمین پاکستان کے تہذیبی ورثے کے حوالے سے ہڑپہ کی کیا اہمیت ہے؟

4۔ سندھ کے قدیم شہر منصورہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

5۔ مسلم فن تعمیر کی تین امتیازی خصوصیات بیان کیجیے۔

6۔ موہن جودوڑو پر مختصر نوٹ تحریر کریں۔

6۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

1۔ کلچر کی تعریف اور اہمیت بیان کیجیے۔

2۔ آرنلڈ ٹائن بی نے ہمارے خطے کی قدیم تہذیب کے مطالعہ سے کیا نتائج اخذ کئے ہیں؟

3۔ پاکستان کے فنونِ لطیفہ پر نوٹ لکھیئے۔

4۔ موہن جودڑو، ٹیکسلا اور گندھارا کے حوالے سے پاکستان کی قدیم تہذیب کا جائزہ لیجیے۔

5۔ پاکستان میں صنفی عدل کے مسائل بیان کریں۔

6۔ اسلام نے عورتوں کو کن حقوق کی ضمانت دی ہے؟

7۔ ڈیولیوشن پلان کے تحت، پاکستان میں سیاسی اور معاشرتی امور پر میں عورتوں کی شراکت کے لیے کیا حکمت عملی اختیار کی گئی ہے؟

8۔ "پاکستانی بنیں، پاکستانی مصنوعات خریدیں" کے موضوع پر ایک مضمون تحریر کیجیے۔

9۔ خاندانی زندگی اور رسم ورواج کے حوالے سے پاکستان کی معاشرتی خصوصیات کو نمایاں کیجیے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSUF AHMAD KHAN-03439813986

7

پاکستانی زبانیں

پڑھیں

ثقافت کی سلامتی اور انسانی تعلقات میں زبان کا کردار:۔

زبان انسانوں کے درمیان ابلاغ اور افہام و تفہیم کا وسیلہ ہے۔ انہی ابلاغ کے نتیجے میں معاشرتی زندگی وجود میں آتی ہے۔ ثقافت معاشرے کی اعلیٰ اور ترقی یافتہ اقدار کے مجموعے کا نام ہے۔ لہٰذا زبان کو انسانی معاشرت اور ثقافت کی سب سے اہم اور بنیادی قدر کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔

زبان تمام علوم کی تحصیل و ترسیل کا ذریعہ ہے۔ اس لیے زبان پر تمام متعلقہ علوم کے نقوش ثبت ہوتے ہیں۔ زبان تمام علوم سے اثر پذیر ہوتی ہے اس کے الفاظ، قواعد، روزمرہ محاورات اور اسالیب بیان سب پر اس معاشرے کے اثرات مرتب ہوتے ہیں جس میں یہ زبان بولی جاتی ہے، بلکہ محاورہ کے بارے میں تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا مادہ "ح ور" ہے جس کے معنی گردش کرنا ہیں۔ یعنی جب دو یا زیادہ الفاظ کسی معاشرے میں صدیوں تک گردش کرنے کے بعد ایک خاص مفہوم کے لیے مخصوص ہو جاتے ہیں تو انہیں محاورہ کہا جاتا ہے۔ یہی معاملہ روزمرہ اور ضرب الامثال کا ہے۔ زبان پر کسی معاشرے کے تمام معاشرتی علوم کا پر تو ہوتا ہے۔ کوئی معاشرہ تاریخ کے طویل تجربات سے جو کچھ حاصل کرتا ہے اس کا بہترین حصہ زبان کے وسیلے سے اگلی نسلوں تک منتقل ہوتا رہتا ہے۔ زبان کو ہم کسی معاشرت کی زندہ تاریخ بھی کہہ سکتے ہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کو قوموں کا حافظہ قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ زبان تاریخ کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتی۔

طبعی اور عمرانی علوم زبان پر اثر انداز ہوتے ہیں اور زبان کا اثر قوموں کی علمی زندگی پر پڑتا ہے۔ زندہ اور متمدن قوموں کی زبان بھی علمی ثروت اور وجاہت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ غیر مہذب معاشروں کی زبان بھی غیر ترقی یافتہ ہوتی ہے۔ جنوبی ایشیاء کے حوالے سے ہم دیکھتے ہیں کہ اردو کی صورت میں ایک ایسی زبان وجود میں آئی جو ہندو مسلم معاشرت کے اتحاد کی علامت کے طور پر صدیوں تک قائم رہی لیکن تاریخ کے ایک مرحلے پر پہنچ کر ہندوؤں نے اُردو سے قطع تعلق کا اعلان کر کے اپنی ثقافت کا حوالہ قرار دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندی اسلامی ثقافت کی بنیاد پر قائم انسانی تعلقات کی عمارت میں دراڑیں پڑ گئیں۔ یوں زبانوں کی علیحدگی ثقافتوں کی علیحدگی کی بنیاد بن گئی۔

پاکستان کی قومی زبان:۔

چونکہ تحریک پاکستان کے دوران ہی اردو کو مسلمانان ہند کے ایک قومی شعار کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ اس لیے قیام پاکستان سے اردو کو بے پناہ فائدہ پہنچا۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدا ہی میں دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا تھا:

> "اگر پاکستان کے مختلف حصوں کا باہم متحد ہو کر ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونا ہے تو اس کی سرکاری زبان ایک ہی ہو سکتی ہے جو میری ذاتی رائے میں اردو اور صرف اردو ہے۔"

قیام پاکستان کے بعد سرکاری اعلانات اور آئین میں کئے گئے وعدوں کے باوجود مغربی افکار سے متاثر حکمران طبقے نے ہمیشہ اردو کو سرکاری اور علمی زبان بنانے کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کیں، یہی وجہ ہے کہ اردو کو آج تک اس کا جائز مقام حاصل نہیں ہو سکا۔ تاہم مخلصانہ کوششیں ہر دور میں کی گئیں۔

قومی زبان صرف اُردو ہی کیوں؟ (اردو زبان کی امتیازی خصوصیات)

قومی زبان صرف اردو ہی کیوں ہو سکتی ہے؟ اردو کے علاوہ پاکستان کی کوئی دوسری زبان کیوں نہیں ہو سکتی اس کی بہت سی وجوہ ہیں:

1۔ اردو پاکستان کی تمام علاقائی زبانوں سے قریبی مشابہت رکھتی ہے۔ ان تمام زبانوں میں استعمال ہونے والے بہت سے الفاظ مشترک ہیں اور ان تمام زبانوں کا رسم الخط ایک ہے۔

2۔ اردو ملک کے تمام حصوں کے درمیان رابطے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اسے ملک کے ہر حصے میں سمجھا اور بولا جاتا ہے۔

3۔ اردو قومی استحکام کی علامت ہے۔ یہ کسی خاص علاقے یا طبقے کی زبان نہیں، پوری پاکستانی قوم کا مشترکہ ثقافتی ورثہ ہے۔

4۔ اردو ایک نہایت ہی وسیع اور خوب صورت زبان ہے کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے بہت سی زبانوں کے اچھے الفاظ کو قبول کر لیا ہے۔ ناقص الفاظ خود بخود متروک ہوتے چلے گئے ہیں۔

5۔ عربی، فارسی اور ترکی الفاظ کی شمولیت کے باعث اردو عالم اسلام کے لیے دوسری بیرونی زبانوں کے مقابلے میں زیادہ مانوس بن گئی ہے۔

6۔ اپنے مزاج کے اعتبار سے اردو میں دوسری زبانوں کے ضروری الفاظ کو جذب کر لینے کی صلاحیت دوسری ہر زبان سے زیادہ ہے۔

7۔ اپنی نشوونما کی بے پناہ صلاحیت کے باعث اردو علمی و ادبی، سائنسی اور دفتری تمام مقاصد کے لیے ایک بہترین زبان بننے کے امکانات رکھتی ہے۔

8۔ تاریخ نے اسلام، پاکستان اور اردو کو ایک دوسرے کے لیے اس طرح لازم و ملزوم بنا دیا ہے کہ اب ایک کے بغیر دوسرے کا تصور بھی محال ہے۔ اردو میں اسلامی لٹریچر کا نہایت قابل قدر ذخیرہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مملکت کے نظریاتی مقاصد کی تکمیل قومی زندگی کے ہر شعبے میں اردو کے مکمل نفاذ کے بغیر ممکن نہیں۔

اردو زبان کا تاریخی ارتقاء (اردو کی ترقی کے مختلف عوامل)

مختصر تاریخ:۔

اردو زبان کب اور کہاں وجود میں آئی؟ کیا اردو کو برصغیر پاک و ہند کی کسی بھی قدیم زبان کی ترقی یافتہ شکل قرار دینا درست ہے؟ اگر درست ہے تو کون سی زبان ہے جسے اردو کی ماں کا درجہ دیا جا سکتا ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جن پر تحقیق کرنے والوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے لیکن وہ کسی متفقہ نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ مثلاً سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق اردو سندھی کی ارتقاء یافتہ شکل ہے۔ حافظ محمود شیرانی کی رائے ہے کہ اردو نے پنجابی سے جنم لیا۔ ڈاکٹر نصیر الدین ہاشمی جنوبی ہند کو اردو کا

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD KHAN

ابتدائی وطن بتاتے ہیں۔ مولانا محمد حسین آزادؒ کے خیال میں فارسی کو اردو کی ماں کہنا زیادہ مناسب ہے۔ بہت سے ماہرین دہلی کے گردو نواح میں بولی جانے والی برج بھاشا کو بھی اردو کا ماخذ قرار دیتے ہیں۔ اگر ہم قطعی طور پر یہ فیصلہ کرنا چاہیں کہ اردو کی ابتدا کے بارے میں کون سا نقطہ نظر درست ہے تو ایسا کرنا شاید ممکن نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اُردو کسی ایک زبان یا بولی سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس کی تشکیل میں بہت سی زبانوں اور بولیوں نے حصہ لیا۔

اُردو زبان کے تشکیلی مراحل:۔

اردو زبان کے تشکیلی مراحل کے بارے میں اب تک ہمیں جو کچھ معلوم ہو سکا ہے اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

اردو زبان کی بنیاد برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی آمد کے ساتھ ہی رکھی گئی۔ دور نبوی ﷺ میں ہی جنوبی ہند کے ساحلوں پر عربوں کی اسلامی بستیاں قائم ہو گئیں۔ پھر مسلمان فاتحین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لشکروں کی زبانیں عربی، فارسی اور ترکی تھیں۔ وہ جہاں آباد ہوئے وہاں کی مقامی زبانوں میں فاتحین کی زبانوں کی پیوند کاری شروع ہو گئی۔ یہی مخلوط زبانیں اردو کی بنیاد بن گئیں۔

- سولہویں اور سترھویں صدی میں آنے والے انگریز، فرانسیسی اور پرتگالی تاجروں اور نوآباد کاروں کی زبانوں نے بھی نئی زبان کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔
- مقامی طور پر پنجاب، سندھ، دھلی اور دکن کی زبانوں نے اردو زبان کی تشکیل میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔
- جنوبی ہندوستان میں صوفیاء کرام نے تبلیغ اسلام کے لیے عوامی زبان میں بہت سے چھوٹے چھوٹے رسائل لکھے غالباً یہی رسائل اردو کی اولین تصانیف ہیں اگرچہ اب یہ دستیاب نہیں ہیں۔
- اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر ریاست گولکنڈا کا حاکم اور اور شہر حیدر آباد دکن کا بانی محمد علی قطب شاہ ہیں۔ (عہد حکومت 1581ء تا 1611ء)
- ولی دکنی کو اس لیے اردو کا پہلا شاعر کہا جاتا ہے کہ ان کی زبان جدید اردو سے قریب تر ہے اور یہ کہ انہوں نے اردو شاعری میں ایک مستقل دبستان کی بنیاد رکھی۔
- اردو نثر کی اولین کتاب ملا وجہی کی "سب رس" ہے، جو ایک فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔
- شمالی ہند میں اسی دور میں بعض ادبی شاہکار معرض وجود میں آئے اس کے بعد دینی ادب میں اردو کے باقاعدہ استعمال کا دور شروع ہوا۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی کتاب "تقویۃ الایمان" نیز شاہ عبد القادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے اردو تراجم قرآن جدید اور بے تکلف اردو کے عمدہ نمونے ہیں۔
- 1800ء میں کلکتہ میں برطانوی حکومت کے زیر اہتمام فورٹ ولیم کالج کی بنیاد رکھی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ انگریز افسروں کو پڑھانے کے لیے پورے برصغیر کے ادیبوں سے آسان اردو میں کتابیں لکھوائی جائیں۔ اس کالج نے اردو کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔
- انیسویں صدی کے وسط میں مرزا اسد اللہ خان غالب نے اپنے خطوط کے ذریعے آسان اور بے تکلف اردو لکھنے کی روایت کو آگے بڑھایا۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء نے اس روایت کو ایک تحریک کی شکل دے دی۔ اسی دور میں شبلی نعمانیؒ نے اردو کے علمی ذخیرے میں قابل قدر اضافے کئے۔
- بیسویں صدی میں اردو کو نیا اسلوب عطا کرنے والے اور اشاعت دین کا وسیلہ بنانے والے اہل قلم میں مولانا ابو الکلام آزادؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کے نام سر فہرست ہیں۔ اقبالؒ، حالیؒ اور اکبرؒ وہ عظیم شعراء ہیں جنہوں نے اردو شاعری کو مقصدیت عطا کی اور قومی ترقی کا وسیلہ بنایا۔

- ❖ اٹھارویں صدی کے آخر تک مسلم ثقافت کے حوالے سے اردو زبان کو فارسی سے زیادہ اہمیت حاصل ہو چکی تھی۔
- ❖ 1837ء میں اردو کو برطانوی سول عدالتوں کی زبان کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا۔
- ❖ بعض ریاستوں نے جن میں حیدر آباد دکن خاص طور پر قابل ذکر ہے اردو کو سرکاری زبان کی حیثیت سے نافذ کر دیا۔
- ❖ 1920ء میں حیدر آباد میں پہلی جدید یونیورسٹی کی بنیاد رکھی گئی جس میں ذریعہ تعلیم اردو کو بنایا گیا۔

چونکہ تحریک پاکستان کے دوران ہی اردو کو مسلمانان ہند کے ایک قومی شعار کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ اس لیے قیام پاکستان سے اردو کو بے پناہ فائدہ پہنچا۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداء ہی میں دوٹوک الفاظ میں فرمادیا تھا۔

"اگر پاکستان کے مختلف حصوں کو باہم متحد ہو کر ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونا ہے تو اس کی سرکاری زبان ایک ہی ہو سکتی ہے۔ جو میری رائے میں اردو ہے"۔

(جلسہ تقسیم اسناد ڈھاکہ یونیورسٹی 24 مارچ 1948ء)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

پاکستان کی علاقائی زبانیں

پنجابی

تاریخی پس منظر:۔

پنجابی پاکستان کے سب سے بڑے صوبے پنجاب میں بولی جانے والی ایک قدیم زبان ہے۔ پنجابی زبان کی ابتدا کب اور کس علاقے میں ہوئی؟ اس سوال کا قطعی جواب ہمیں تاریخ سے نہیں ملتا۔ بعض محققین پنجابی کا تعلق کی قدیم ہڑپہ کی قدیم تہذیب (اڑھائی سال قبل مسیح) اور اس خطے کے قدیم دراوڑ باشندوں سے قائم کرتے ہیں۔ بعض نے محمود غزنویؒ کے زمانے میں پنجابی علم و ادب کے نشانات تلاش کئے ہیں۔ یہ دور ایک ہزار سن عیسوی کے قریب کا ہے۔ عام طور پر بابا الدین گنج شکرؒ (1174ء تا 1265ء) کو پنجابی کا پہلا شاعر سمجھا جاتا ہے۔

موضوعات:۔

پنجابی نظم و نثر کے موضوعات بہت وسیع اور متنوع ہیں جن میں عشق و محبت، فقہ، قصص اور رزمیہ داستانیں شامل ہیں۔

موضوعات:۔

اصناف پنجابی شاعری کا شمار دنیا کی اعلیٰ ترین شاعری میں ہوتا ہے۔ قدیم شعراء نے نظم کو ذریعہ اظہار بنایا۔ جدید دور میں غزل کا رجحان عام ہے۔ اس زبان کا دامن رزمیہ داستانوں اور حب الوطنی کے نغمات سے بھی مالا مال ہے۔ پنجابی کی روایتی اصناف شاعری میں بولیاں، ٹپے وار، کافیاں، ڈھولے، ماہیے، "دوہے" سٹھنیاں اور گھوڑیاں وغیرہ شامل ہیں۔

پنجابی نثر میں ناول، افسانہ، ڈرامہ تذکرہ نیز تحقیقی اور تنقیدی مضامین کا محدود ذخیرہ موجود ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے پنجابی ڈرامہ نگاری اور فلم نے کہانی نویسی کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

نام اور لہجے:۔

اس زبان کے لیے پنجابی کا نام پہلی مرتبہ کتاب مفتاح الفقہ میں استعمال کیا گیا جو سترھویں صدی کے نصف اول میں لکھی گئی۔ اس سے پہلے تاریخ میں اس کا ذکر ملتانی، لاہور، ہندوی اور جٹکی وغیرہ کے ناموں سے ملتا ہے۔ البیرونی نے اسے الہندیہ کا نام دیا تھا۔ مختلف علاقوں کے لوگ اپنی اپنی بولیوں کو پنجابی سے مختلف نام دینا پسند کرتے ہیں۔ مثلاً سرائیکی، ہندکو، چھاچھی، ہٹھاڑی، پوٹھواری، دھنی، شاہ پوری اور ماجھی وغیرہ۔ اپنی شیرینی، ادبیت اور بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے سرائیکی کو ایک نہایت منفرد مقام حاصل ہے۔ اس زبان کے عظیم شعری اور ادبی سرمائے کا اعتراف کرتے ہوئے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور اور بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں سرائیکی زبان وادب کی پوسٹ گریجویٹ کلاسز کا اجراء کیا گیا ہے۔ جو اس زبان کے بولنے والوں کے لیے ایک منفرد اعزاز ہے۔

ادبی سرمایہ:۔

پنجابی زبان کے شعراء کی فہرست خاصی طویل ہے۔ جن میں صوفی شعراء مادھو لال حسین رحمۃ اللہ علیہ، سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ، حافظ برخوردار رحمۃ اللہ علیہ، فضل شاہ رحمۃ اللہ علیہ، ہاشم شاہ رحمۃ اللہ علیہ، قادر یار رحمۃ اللہ علیہ، وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ فرید رحمۃ اللہ علیہ اور میاں محمد بخشؒ کے نام نہایت نمایاں ہیں۔

پنجابی نثر کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے قیام پاکستان سے پہلے کم پنجابی نثر لکھی گئی۔ تمام قدیم داستانیں نظم میں لکھی گئی ہیں۔ مشہور ترین یہ ہے۔ ہیر رانجھا (وارث شاہؒ) سسی پنوں (ہاشم شاہؒ) سوہنی مہینوال (فضل شاہؒ) مرزا صاحبان (حافظ برخوردارؒ)

سندھی

رسم الخط:۔

پروفیسر میکس طر نے اپنی مشہور کتاب (Biography of Words) میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ سندھی زبان سنسکرت سے پہلے وجود میں آئی۔ ملر کے بقول دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر رہنے والے لوگ ہزار سال قبل مسیح میں یہ زبان بولتے تھے چونکہ ہڑپہ اور موہن جودڑو کے اثار سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً تین ہزار سال پہلے بھی اس خطے میں تحریر کا رواج موجود تھا۔ اس لیے اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ سندھی زبان کا بھی کوئی رسم الخط ضرور ہوگا۔ تاہم سندھی کا مروجہ رسم الخط ابوالحسن سندھی کی کوششوں کا نتیجہ ہے اور اس کی بنیاد عربی رسم الخط پر رکھی گئی ہے۔

ادبی سرمایہ:۔

جنوبی ایشیاء کی زبانوں میں سندھی ہی وہ زبان ہے جس میں قرآن حکیم کا پہلا ترجمہ کیا گیا۔ چچ نامہ کا شمار سندھی ادب کی اولین اور لافانی کتابوں میں ہوتا ہے۔ 1050ء سے 1350ء کا سندھی ادب میں مذہبی تخلیقات کا دور ہے۔ اس دور میں اسماعیلی مبلغین نے سندھی زبان کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انہوں نے چالیس حروف پر مشتمل رسم الخط ایجاد کیا۔ گنان، بیت سوروٹھے اور گاتھا اس دور کی خاص اصناف ہیں۔

MEDICAL BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

شاہ عبد الطیف بھٹائیؒ (1689ء تا 1752ء) بلاشبہ سندھی زبان کے عظیم ترین شاعر ہیں اور ان کی کتاب "شاہ جو رسالو" سندھی کا سب سے بڑا ادبی شاہکار ہے۔ فصاحت، بلاغت، سلاست اور موسیقیت ان کے کلام کی نمایاں ترین خصوصیات ہیں۔ انہوں نے محنت کی عظمت اور زندگی کے اعلیٰ قدار کو اپنا موضوع بنایا اور سندھی کی قدیم لوک داستانوں کو اپنے زور قلم سے زندہ جاوید بنا دیا۔ اسی دور کے ایک اور عظیم شاعر سچل سرمستؒ تھے، جنہوں نے سندھی کے علاوہ ہندی، اردو سرائیکی، پنجابی اور فارسی میں بھی شاعری کی، ان کے اشعار کی تعداد 9 لاکھ ہے۔ ان کا موضوع وحدت الوجود ہے۔

مخدوم محمد ہاشمؒ (1690ء تا 1761ء) ایک بہت بڑے عالم دین اور انشاپرداز تھے۔ فارسی اور سندھی میں ان کی تصانیف کی تعداد 150 کے قریب ہے۔ ان کی بعض کتابیں جامعہ الازہر کے نصاب میں داخل ہوئیں۔ عزیز اللہ بھی مخدوم ہاشمؒ اور شاہ لطیفؒ کے ہم عصر تھے۔ انہوں نے قرآن حکیم کا سندھی نثر میں ترجمہ کیا اور اس لحاظ سے سترھویں اور اٹھارہویں صدی کا آغاز سندھی ادب کا سنہری دور کہلانے کا مستحق ہے۔

برطانوی دور حکومت میں مرزا قلیچ بیگؒ (1855ء تا 1929ء) بلاشبہ سندھی کے سب سے بڑے ادیب قرار دیئے جا سکتے ہیں ان کی تصانیف کی تعداد 400 کے قریب ہے۔ انہوں نے تقریباً ہر موضوع پر قلم اٹھایا۔

جدید سندھی ادب میں شیخ ایاز، پروفیسر کریم بخش نظامانی اور اسد اللہ بھٹو کی تخلیقات کو بہت اہم مقام حاصل ہے۔ محمد بن قاسم ادبی سوسائٹی، عمرانی علوم دینی اور ادبی موضوعات پر سندھی میں کتابیں شائع کرنے اور دوسری زبانوں سے سندھی میں ترجمہ کرانے کی نہایت مفید خدمت انجام دے رہی ہے۔ حکومت کی زیر سرپرستی کام کرنے والے بعض ادارے سندھی ادب کے بہت بڑے ذخیرے کو جدید تقاضوں کے مطابق مرتب کر کے محفوظ کر چکے ہیں۔

لہجے:۔

راجستھان، سندھ اور بلوچستان کے مختلف علاقوں میں بولی جانے والی سندھی کے لہجوں کو مختلف نام دیئے گئے ہیں۔ علمی اور ادبی نگارشات کے لیے سندھی کا معیاری لہجہ، ساہتی کہلاتا ہے۔ زیریں سندھ اور راجستھان میں بولی جانے والی سندھی کے لہجے لاڑی، کاچھی، کاٹھیاواڑی اور تھری کہلاتے ہیں۔ بلوچستان کے علاقے میں جوگالی، گنداوی، فکری، لاسی، کیتچی، لوری اور چینی لہجے رائج ہیں۔ دیگر مشہور لہجوں کے نام کوہستانی، سرائیکی اور وچولی ہیں۔

پشتو

تاریخی پس منظر:۔

پشتو پاکستان کے شمال مغربی علاقے میں دریائے سندھ کے دائیں کنارے اور کوہ ہندوکش کے درمیان آباد بہادر پختونوں کی زبان ہے۔ اس زبان کی ابتدا غالباً پانچ ہزار سال پہلے افغانستان کے علاقے باختر یا بخت میں ہوئی اسی نسبت سے اسے بختو کہا جانے لگا یہی لفظ بعد میں پشتو بن گیا۔

رسم الخط:۔

مسلمانوں کی برصغیر میں آمد سے پہلے پشتو خروشتی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں سیف اللہؒ نامی محقق نے پہلی بار پشتو کو عربی رسم الخط میں ڈھالا۔ وہ ایک کتاب تذکرۃ الاولیاء کے مصنف بھی تھے۔ پشتو کے حروف تہجی کی موجودہ تعداد 43 ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN

اگرچہ پشتو زبان پر ترکی، سنسکرت اور پالی وغیرہ زبانوں کے اثرات نمایاں ہیں لیکن اس زبان کا مزاج خالص اسلامی ہے اور یہ ہندو فلسفے اور دیو مالا کے ان اثرات سے بالکل پاک ہے جو پاکستان کے تمام دوسری زبانوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

پشتو ادب:۔

دوسری تمام زبانوں کی طرح پشتو ادب کا آغاز بھی شاعری سے ہوا۔ انیسویں صدی سے پہلے پشتو میں نثر لکھنے کا رواج نہ تھا۔ پشتو کی قدیم ترین دریافت ہونے والی کتاب پٹہ خزانہ ہے جو آٹھویں صدی کے نصف آخر میں لکھی گئی۔

پشتو ادب کے چار دور:۔

پشتو ادب کے تحریری ذخیرے کو سامنے رکھتے ہوئے ماہرین نے پشتو ادب کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ پہلا دور:۔

پہلا دور آٹھویں صدی عیسوی سے پندرہویں صدی عیسوی تک کا ہے۔ پشتو زبان کے پہلے باقاعدہ شاعر امیر کروڑؒ اسی دور میں پیدا ہوئے۔ اسی دور میں غیاث الدین بلبنؒ اور شیر شاہ سوریؒ کے قصائد لکھے گئے بایزید انصاریؒ اس دور کے مشہور شاعر ہیں۔

2۔ دوسرا دور:۔

دوسرا دور سولہویں صدی سے سترھویں صدی عیسوی تک کا ہے۔ مشہور مصنف اخوند درویزہ کا تعلق اسی دور سے ہے۔ پشتو ادب کی لافانی شخصیات خوشحال خان خٹک رحمۃ اللہ علیہ اور رحمان بابا رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی دور میں ہوئے۔

3۔ تیسرا دور:۔

تیسرا دور سترھویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں مشہور عالم دین حضرت میاں محمد عمرؒ کے علاوہ ملا عبد الرشیدؒ، سعادت خانؒ اور قاسم علی آفریدیؒ کے نام قابل ذکر ہیں۔

4۔ چوتھا دور:۔

چوتھا دور اٹھارہویں صدی کے بعد کا ہے۔ اس دور کے ادیبوں اور شاعروں نے انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کے جذبات ابھارنے اور آزادی جذبہ زندہ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان حریت پسند ادیبوں اور شعراء میں محمد اکرم خادم، فضل محمود مخفی، عبد الکبیر خاں گل بادشاہ، اکبر فضل رحیم ساقی، محمد اسلم خان شرر، عبد الحکیم خان، احمد شاہ بیرسٹر، عبد الغنی خان غنی، امیر نواز جلیا، عبد الخالق خلیق، دوست محمد کامل، محمد نواز خان کامل، محمد نواز خٹک اور عبد المالک فدا کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران پشتو ادیبوں نے اعلیٰ درجے کا قومی ادب تخلیق کیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

لہجے:۔

پشتو تین لہجوں میں بولی جاتی ہے۔ شمال مشرقی علاقوں کا لہجہ، جنوب مغربی علاقوں کا لہجہ اور زئی قبائل کا لہجہ۔

اصناف اور کلاسیکی شاعری:۔

ٹپہ پشتو شاعری کی قدیم ترین صنف ہے۔ سینہ بہ سینہ چلنے والے عوامی ادب میں چار بیتے، توبے، بدلے اور نیمکئی جیسی اصناف شامل ہیں۔

پشتو کے عظیم شاعروں میں خوشحال خان خٹک کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ ان کا دیوان شاعری کا شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سیاسی دستاویز بھی ہے۔ وہ 360 کتابوں کے مصنف تھے جن میں تراجم بھی شامل ہیں وہ ملی غیرت اور پٹھان عصبیت کے نمائندہ شاعر ہیں جبکہ رحمان بابا رحمۃ اللہ علیہ پر دینی عصبیت کا رنگ غالب ہے۔ حمید بابا رحمۃ اللہ علیہ بھی پشتو کے عظیم شاعر تھے۔ جدید افغانستان کے بانی احمد شاہ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی صف اول کے پشتو شعراء میں ہوتا ہے۔

بلوچی

بلوچ، قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور زمانہ جاہلیت کے عرب معاشرے کی تمام خصوصیات ان میں موجود تھیں ہر قبیلے کا اپنا اپنا شاعر ہوا کرتا تھا جو قبیلے کے بہادروں اور جواں مردوں کی شان میں قصیدے کہتا اور مد مقابل کی ہجو کیا کرتا۔ اس طرح جو ادب پیدا ہوتا رہا تحریری طور پر اس کا نام ونشان بھی اب موجود نہیں۔ چونکہ بلوچی زبان کا اپنا رسم الخط نہیں تھا اس لیے یہ شاعری سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہی۔ اس قسم کی شاعری کو اگر رزمیہ شاعری کہا جائے تو مناسب ہوگا۔ ماہرین لسانیات کے خیال میں بلوچی زبان کا تعلق زبانوں کے آریائی گروپ سے ہے۔ بلوچی شاعری کو اپنی آسانی کے لیے چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1۔ رزمیہ داستانیں۔ بلوچوں کے حسب ونسب اور تاریخ کے متعلق نظمیں۔

2۔ قبائل کے درمیان جنگوں کے واقعات، بہادروں کے قصائد، دشمنوں کی ہجویات۔

3۔ رومانوی نظمیں، عشقیہ گیت اور غزلیں، مذہبی اور اخلاقی نظمیں چھوٹی چھوٹی نظمیں جن میں لوریاں (لولی) رومانوی گیت (دستانغ) اور موتک وغیرہ شامل ہیں۔

4۔ مرثیے اور مثنویاں وغیرہ۔

اسلوب:۔

خشک، بنجر اور سنگلاخ کی سرزمین کے ان زرخیز ذہن رکھنے والے لوگوں کی شاعری زبان و بیان کے اعتبار سے بہت سادہ اور متاثر کن ہوتی ہے۔ اس میں بلوچوں کی زندگی کے خد و خال بہت واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری ان کے دل کی آواز ہے۔ واقعاتی اعتبار سے اس میں دیانت کا عنصر پایا جاتا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD KHAN-03458158186

بلوچی ادب کا سنہری دور:۔

انیسویں صدی کا دور بلوچی ادب کا سنہری دور کہلانے کا مستحق ہے۔ کلہوڑہ حکمرانوں نے علم وادب کی جو سرپرستی کی اس سے بلوچی ادب کو بھی فائدہ پہنچا۔ فارسی اثرات مزید گہرے ہوگئے۔ انیسویں صدی کے بلوچی شعراء میں مرزا غلام محمد ناطق مکرانی کا مقام بہت بلند ہے وہ مرزا غالب کے ہم عصر تھے۔ اس صدی میں پیچ، کورتیج، ٹمپل اور بروس نامی انگریز محققین نے قدیم بلوچی شاعری کو مرتب کر کے بلوچی زبان وادب کی قابل تعریف خدمت انجام دی۔

ادبی سرمایہ:۔

بلوچی ادب میں ہانی شاہ مرید، میر چاکر اور حمل رند کے قصے بہت اعلیٰ اور ادبی شہ پاروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ قدیم شعراء میں سید محمد تقی شاہ تائب، مست توکلی گل محمد زیب کا مقام بہت بلند ہے۔ تحریک پاکستان میں میر محمد حسین عنقا کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ جدید بلوچی ادیبوں میں محمد رمضان، گل خان نصیر اور آزاد جمال الدین ممتاز ہیں۔

رسم الخط:۔

بلوچوں میں لکھنے کا رواج زیادہ قدیم نہیں ہے۔ قیام پاکستان کے بعد اردو حروف تہجی میں کمی بیشی کر کے پہلی بار معیاری بلوچی رسم الخط تخلیق کیا گیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

مشق

1۔ خالی جگہ ایسے الفاظ سے پُر کیجیے کہ بیان بامعنی ہو جائے۔

1۔ ________ نے زبانوں کو قوموں کا حافظ قرار دیا ہے۔

2۔ حافظ محمود شیرانی کے خیال میں ________ کو اردو زبان کی ماں کی حیثیت حاصل ہے۔

3۔ فورٹ ولیم کالج کی بنیاد سن ________ میں کلکتہ میں رکھی گئی۔

4۔ ________ میں اُردو کو برطانوی سول عدالتوں کی زبان کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا

5۔ عام طور پر حضرت بابا ________ کو پنجابی کا پہلا شاعر سمجھا جاتا ہے۔

6۔ ________ جنوبی ایشیا کی وہ زبان ہے جس میں سب سے پہلے قرآن حکیم کا ترجمہ کیا گیا۔

7۔ احمد شاہ ابدالیؒ بھی ________ زبان کے اعلیٰ درجے کے شاعر تھے۔

8۔ ________ زبان کے عظیم شاعروں میں خوشحال خاں خٹک کا درجہ سب سے بلند ہے۔

9۔ بلوچی شاعر ________ مرزا غالب کے ہم عصر تھے۔

10۔ پشتو کے حروف تہجی کی موجود تعداد ________ ہے

2۔ ہر سوال کے آگے قوسین میں دیئے گئے تین جوابات میں سے مناسب ترین جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پر کیجیے۔

1۔ سید سلیمان ندویؒ کی تحقیق کے مطابق اردو __________ کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ (سندھی، پنجابی، فارسی)

2۔ مولانا محمد حسین آزادؒ نے __________ کو اردو کا ماخذ قرار دیا ہے۔ (سندھی، پنجابی، فارسی)

3۔ اردو نثر کی اولین کتاب ملا وجہی کی __________ ہے۔ (باغ و بہار، فسانہ عجائب، سب رس)

4۔ شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کا انتقال __________ میں ہوا۔ (1857، 1752، 1989)

5۔ شیخ ایاز کو جدید __________ ادب میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ (سندھی، پشتو، پنجابی)

6۔ سلطان محمود غزنویؒ کے دور میں __________ نے پہلی بار پشتو کو عربی رسم الخط میں ڈھالا

(سیف اللہ، خوشحال خان خٹک، ہاشم شاہ)

7۔ خوشحال خان خٹک __________ کتابوں کے مصنف تھے۔ (360، 260، 60)

8۔ ہانی شاہ مرید __________ ادب کی ایک کلاسیکی داستان ہے۔ (بلوچی، سندھی، پنجابی)

9۔ مرزا صاحبان __________ کی تصنیف ہے (شاہ حسینؒ، فضل شاہؒ، حافظ برخوردارؒ)

10۔ ادبی تخلیقات کے لیے سندھی کا معیاری لہجہ __________ کہلاتا ہے۔ (ساہتی، چولی، مکرانی)

3۔ ص (صحیح) یا غ (غلط) کے اوپر دائرہ لگا کر درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ قائداعظمؒ نے فرمایا کہ پاکستان کی قومی زبان اردو اور صرف اردو ہی ہو سکتی ہے۔ ص غ

2۔ صوفیاء کرامؒ کے رسائل غالباً اردو زبان کی اولین تصانیف ہیں۔ ص غ

3۔ البیرونیؒ نے پنجابی زبان کو "الہندیہ" کا نام دیا۔ ص غ

4۔ سوہنی مہینوال کا قصہ وارث شاہؒ نے نظم کیا۔ ص غ

5۔ سچل سرمستؒ کے اشعار کی تعداد 9 لاکھ ہے۔ ص غ

4۔ کالم الف کے اندراجات کو کالم ب سے لائن کے ذریعے اس طرح ملائیے کہ دونوں کا تعلق واضح ہو جائے۔

کالم الف	کالم ب
ابوالحسن سندھیؒ	عبداللطیف بھٹائیؒ
شاہ جو رسالو	عربی رسم الخط
مرزا قلیچ بیگ	چار سو تصانیف
کورٹیج	پشتو
خروشتی رسم الخط	بلوچی زبان کے محقق

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-034998...888

5۔ ہر سوال کا جواب دو سے پانچ سطور میں لکھیے۔

1۔ "پاکستان کی قومی زبان" کے بارے میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر کیا تھا؟

2۔ اردو زبان کب اور کہاں وجود میں آئی؟

3۔ پشتو زبان کا تاریخی پس منظر مختصراً بیان کریں۔

4۔ پنجابی شاعری کی اہم اصناف کے نام لکھیے۔

5۔ پنجابی کے پانچ اہم شعراء کے نام لکھیے۔

6۔ سندھی زبان کے لہجوں کے نام لکھیے۔

7۔ بلوچی ادب کے سنہری دور کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

6۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

1۔ ثقافت کی سلامتی اور انسانی تعلقات میں زبان کیا کردار ادا کرتی ہے؟

2۔ پاکستان کی قومی زبان صرف اردو ہی کیوں ہو سکتی ہے؟ اردو زبان کی امتیازی خصوصیات بیان کیجیے۔

3۔ اردو زبان کے تشکیلی مراحل تفصیل سے بیان کیجیے۔

4۔ پنجابی زبان پر نوٹ لکھیے۔

5۔ سندھی زبان کے رسم الخط اور ادبی سرمائے کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

6۔ پشتو زبان، ادب اور شاعری پر نوٹ لکھیے۔

7۔ بلوچی زبان پر نوٹ لکھیے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMED KHAN-03339658

8 قومی یکجہتی اور خوش حالی

پڑھیں

قومی یکجہتی کا مفہوم

قومی یکجہتی کا مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے قوم اور قومیت کے مفہوم سے واقفیت حاصل کی جائے۔ قومیت کا فلسفہ سب سے پہلے مسلمان ماہر تاریخ و عمرانیات ابن خلدون نے بیان کیا تھا۔ ابن خلدون نے جذبہ قومیت کو ''عصبیت'' کا نام دیا اور کہا کہ یہ جذبہ انسان کی اجتماعی زندگی اور انسانی گروہوں کے تنزل اور ترقی کی بنیاد ہے۔

جدید مغربی علماء میں سے لاسکی نے قومیت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ:

''یہ خاص نوعیت کا احساس اتحاد ہے کہ جو ان لوگوں کو جو اس احساس میں شریک ہوں باقی انسانوں سے ممیز کر دیتا ہے۔''

اس کی وضاحت ہم یوں کر سکتے ہیں کہ اگر لوگوں کے کسی گروہ میں اجتماعی طور پر یہ احساس پیدا ہو جائے کہ ہم ایک ہیں اور جو باتیں ہمیں ایک بناتی ہیں انہی باتوں کی وجہ سے ہم دوسروں سے مختلف اور ممتاز ہیں۔ تو اس احساس کو اپنے اندر موجود پانے والا گروہ قومیت بن جاتا ہے۔ یہی قومیت ایک قدم آگے بڑھا کر قوم میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

عملی طور پر قومیں اس طرح وجود میں آتی ہیں کہ کسی گروہ کے افراد میں بہت سی باتوں میں اختلاف ہوتا ہے اور کسی ایک یا چند باتوں میں اتحاد ہوتا ہے۔ لیکن وہ اختلاف کی باتوں کو دھیان میں نہیں لاتے اور اتحاد کی وجہ کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اس لیے ان میں بہت سے اختلافات کے باوجود کسی ایک آدھ نکتے پر نہایت مستحکم قومی اتحاد وجود میں آ جاتا ہے۔ وہ قوتیں جو کسی گروہ کے افراد میں ایک دوسرے سے اختلاف پیدا کرنے کا باعث ہوں۔ مرکز گریز قوتیں (Centrifugal Forces) کہلاتی ہیں۔ ان قوتوں کا عمل بالکل کسی ٹیوب ویل کے سینٹری فیوگل پمپ یا ایک فوارے جیسا ہے جو پانی کے بندھے ہوئے دھارے کو اپنی قوت کے ذریعے چاروں سمتوں میں پھیلا دیتا ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ قوتیں جو کسی گروہ کے افراد میں مرکز سے وابستگی کا احساس اور یکجہتی پیدا کرتی ہیں۔ مرکز مائل قوتیں (Centripetal Forces) کہلاتی ہیں۔ اگر آپ کبھی کاغذ میں لگانے والی پنوں کی ڈھیری میں مقناطیس کا ٹکڑا رکھ کر دیکھیں تو آسانی سے مرکز مائل قوت کا مطلب آپ کی سمجھ میں آ جائے گا۔ قوم اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک اس میں کام کرنے والی مرکز مائل قوتیں اس میں کام کرنے والی مرکز گریز قوت یا قوتوں کی مجموعی طاقت سے زیادہ طاقت رکھتی ہوں۔ جب تک مائل قوتوں کی طاقت اور متحد رکھنے کی صلاحیت مرکز گریز قوتوں کی طاقت اور ان کی توڑنے اور بکھیرنے کی صلاحیتوں پر حاوی اور غالب رہتی ہے ہم کہتے ہیں کہ اس قوم میں ''یکجہتی'' موجود ہے۔ جب معاملہ الٹ ہو جاتا ہے یعنی مرکز گریز قوتیں مرکز مائل قوتوں پر غالب آ جاتی ہیں تو کہا جاتا ہے کہ اس قوم میں یکجہتی کا فقدان ہے۔ اب یہ قوم اور اس کا ملک چند دنوں کے مہمان ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ قومی یکجہتی کا مطلب اختلافی وجوہ اور عوامل کی غیر موجودگی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ یہ اختلافی وجوہ اور عوامل رضاکارانہ طور پر ایک وسیع تر قومی اور اتفاقی عامل کے تابع اور اس سے مغلوب رہیں۔

ایک اسلامی جمہوری ریاست میں قومی یکجہتی کی اہمیت:۔

قیام پاکستان کا مقصد جنوبی ایشیا میں ایک اسلامی جمہوری ریاست قائم کرنا تھا۔ وہ لوگ جنہوں نے پاکستان کے لیے جدوجہد کی بہت سی وجوہ کی بناء پر ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ وہ مختلف زبانیں بولتے تھے۔ کچھ اردو، کچھ بنگالی، کچھ سندھی، کچھ بلوچی، کچھ پنجابی، کچھ پشتو، کچھ سرائیکی اور بہت سے کچھ اور۔ وہ کسی ایک نسلی گروہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ ان کا تعلق مختلف نسلوں سے تھا، کچھ مقامی کچھ وسط ایشیا سے آنے والوں کی اولاد۔ کچھ عربوں، کچھ ایرانیوں اور ترکوں کی اولاد تھے۔ ان کے رہن سہن کے طریقے، ان کے لباس، ان کے کھانے، ان کے گھر، ان کی زمینیں، ان کے رسم و رواج، ان کی شاعری اور ان کا ادب سب ایک دوسرے سے بہت مختلف تھا۔ اس کے باوجود وہ ایک قوم بنے، انہوں نے پاکستان کے نام سے ایک گھر بنایا، اور اس گھر میں مل جل کر رہنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کی وجہ یہ تھی کہ وہ سب مسلمان تھے۔ ایک قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ قرآن ان کی زندگی کا مشترکہ ضابطہ تھا۔ توحید پر ایمان انہیں فرد واحد کی طرح متحد کئے ہوئے تھا۔ حضرت محمد ﷺ کی محبت ان سب کے دل میں ایک ساتھ دھڑکتی تھی اور ان کے خون میں ایک ساتھ بہتی تھی۔ ان کے اتحاد کی ایک وجہ ہی اتنی بڑی تھی کہ اس ایک وجہ نے ان میں اختلاف پیدا کرنے والی تمام وجوہ کو غیر اہم بنا دیا۔ وہ مل کر ایک ہوئے اور انہوں نے ہمیشہ ایک ہو کر رہنے کا پختہ عہد کیا۔ انہوں نے اسلام کی بالادستی کے لیے جینے اور مرنے کا عہد کیا۔ دینی نقطہ نظر سے تو یہ عہد ناقابل تنسیخ تھا ہی جدید سیاسیات کے تمام اصولوں اور ضابطوں کے تحت بھی ایسا عہد ناقابل تنسیخ سمجھا جاتا ہے۔ اب اگر پاکستان میں قومی یکجہتی کی بات کی جائے تو اس کا یہی مطلب ہوگا کہ پاکستان کے لوگ، رنگ، نسل، زبان اور زمین کے اختلافات کو بھول کر دینی اخوت کے رشتے کی بنیاد پر متحد رہیں۔ اپنے مسلمان اور پاکستانی ہونے کو ہر دوسری حیثیت پر فوقیت دیں۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ پاکستان ایک بہت بڑی تصویر ہے۔ علاقے، زبانیں، برادریاں، نسلیں، رسم اور رواج اس تصویر کے مختلف رنگ ہیں۔ ہر رنگ اپنی جگہ اہم ہے۔ اس کو مٹانا مقصود نہیں۔ رنگ اگر تصویر میں رہے تو اس میں معانی بھی نظر آتے ہیں اور حسن بھی۔ اگر تصویر سے الگ ہو جائے تو رنگ باقی رہتا ہے نہ تصویر۔ رنگ کو رنگ ہی رہنا چاہیے، تصویر بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

قومی یکجہتی اور ہم آہنگی کے راستے میں حائل رکاوٹیں:۔

ہر ملک میں جہاں مختلف نسلی لسانی اور علاقائی گروہ آباد ہوں اختلافات کا قائم رہنا ناگزیر ہے۔ بلاشبہ پاکستان میں بھی اس قسم کے اختلافات موجود ہیں۔ ان اختلافات کی شدت کو بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن ان کی موجودگی کو نظر انداز بھی نہیں کر دینا چاہیے۔ ایک زیادہ بہتر، زیادہ متحد اور ہم آہنگ قوم بننے کے لیے ضروری ہے کہ ہم انتشار و افتراق پیدا کرنے والے عوامل کی موجودگی سے باخبر ہوں اور ان کے ازالہ کی تدابیر کے لیے مستعد رہیں۔ اختلاف کے مسئلے کا حل اختلاف کو ختم کرنا نہیں بلکہ ایسا کلچر پیدا کرنا ہے جس میں اختلاف کو برداشت کیا جائے۔ قومی یکجہتی کے راستے میں حائل بڑی بڑی رکاوٹیں مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ صوبائیت اور علاقہ پرستی۔

2۔ لسانی اختلافات اور قومی زبان کا نامکمل نفاذ

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

3۔ نسلی اور گروہی تعصبات۔

4۔ غربت یعنی دولت کی غیر مساویانہ تقسیم خصوصاً مختلف علاقوں کے معیار زندگی میں واضح تفاوت۔

5۔ مسلسل غیر جمہوری حکومتوں کی موجودگی سے عوام میں پیدا ہونے والا عدم شراکت کا احساس۔

6۔ بیوروکریسی کا تحکمانہ رویہ خصوصاً اس لیے کہ بیوروکریسی کو بعض مخصوص علاقوں کی نمائندہ اور مخصوص طبقات کے مفادات کی محافظ سمجھا جاتا ہے۔

7۔ جاگیرداری نظام۔

8۔ ناخواندگی

9۔ دینی تقاضوں سے بے خبری

10۔ ذرائع ابلاغ کا منفی کردار۔

قومی یکجہتی کے مسائل کا حل۔ میرا، تمہارا اور ہمارا کردار:۔

پاکستان میں قومی یکجہتی کو فروغ دینے اور قومی اتحاد کو مضبوط تر بنانے کے لیے جو اقدامات کیے جا سکتے ہیں۔ ان کو ہم تین بڑی قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1۔ تعلیمی اور تبلیغی اقدامات

2۔ انتظامی اقدامات

3۔ سیاسی اقدامات

آئندہ سطور میں آپ ان اقدامات کی تفصیل پڑھیں گے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

تعلیمی اور تبلیغی اقدامات

1۔ دینی تعلیم کا فروغ:۔

برصغیر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کا دینی جذبہ پاکستان کے قیام کا باعث بنا۔ پاکستان اس لیے بنایا گیا تھا کہ اس خطے کے مسلمان اپنی زندگیوں میں اسلام کو ایک فیصلہ کن قوت کی حیثیت سے نافذ کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے تمام لسانی، نسلی اور جغرافیائی اختلافات کو بھلا دیا تھا۔ اب اگر کہیں کہیں یہ اختلافات پھر ابھرتے نظر آتے ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اسلام کا دیا ہوا اتحاد کا سبق بھول گئے ہیں۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم یاد نہیں رہا کہ:

"تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو۔ جب تم میں بیر تھا۔ اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔" (آل عمران:103)

اتحاد کا سبق یاد دلانے کے لیے مسلمانوں کو دینی تعلیم سے بہرہ ور کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ ملت اسلامیہ کے افراد کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں سے باخبر رہیں۔

2۔ نظریہ پاکستان کی تعلیم:۔

نظریہ پاکستان برصغیر جنوبی ایشیا کے حالات کے مطابق نفاذ اسلام کے عملی پروگرام کا نام ہے۔ پاکستان کے شہریوں کو یہ بتانا ضروری ہے کہ پاکستان اس علاقے کے مسلمانوں کو تحفظ دینے کے لیے وجود میں آیا تھا۔ تمام پاکستانیوں میں یہ احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان قائم ہے تو ہم سب موجود ہیں، قائم ہیں، پھل پھول رہے ہیں۔ خدانخواستہ پاکستان نہ ہو تو ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔

3۔ اسلامی ثقافت کا فروغ:۔

ہمارے ملک کے تمام علاقوں کے لوگوں کی زندگی میں اسلامی ثقافت کے آثار اور علامتیں مشاہدہ کی جاسکتی ہیں۔ لیکن کہیں کہیں رسوم و رواج اور ذات برادری اور قبیلے کی جاہلانہ روایتیں قائم ہیں جو معاشرے میں انتشار کا باعث بنتی ہیں۔ اس انتشار کے خاتمے کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی روایات کو فروغ دیا جائے تاکہ تمام علاقوں کے لوگوں پر ایک ہی رنگ غالب نظر آئے اور وہ خود کو ایک دوسرے سے قریب تر محسوس کرنے لگیں۔

4۔ ذرائع ابلاغ کا صحیح استعمال:۔

ذرائع ابلاغ صوبائی اور علاقائی عصبیت ختم کر کے قومی نقطہ نظر کو فروغ دینے میں نہایت اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں کو بامقصد ہونا چاہیے۔ ان کے مقاصد میں یہ بات شامل ہونی چاہیے کہ وہ لوگوں کو قیام پاکستان کے مقاصد سے باخبر کریں۔ پاکستان کی محبت دیکھنے اور سننے والوں کے دلوں میں پیدا کریں اور ایک آزاد ملک کا شہری ہونے کی حیثیت سے جو معاشی اخلاقی اور روحانی فائدے پاکستان کے لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں ان سے لوگوں کو آگاہ کریں۔

5۔ اُردو کی ترویج:۔

پاکستان کے مختلف علاقوں کے لوگ مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ ان سب زبانوں کا رسم الخط ایک ہے اور ان سب میں اعلیٰ درجے کا دینی لٹریچر اور ادبی سرمایہ موجود ہے لیکن ان زبانوں کو محدود علاقوں میں سمجھا اور بولا جاتا ہے۔ اردو قومی سطح پر مختلف علاقوں کے لوگوں کے درمیان رابطے کی زبان ہے اسے ملک کے ہر حصے میں بولا اور سمجھا جاتا ہے۔ یہ زبان کسی ایک گروہ کی ملکیت نہیں بلکہ ہمارا مشترکہ قومی سرمایہ ہے۔ ہماری آزادی کی تحریک کے دوران اردو کو ہمارے قومی شعار کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ ہندوستان کے ہر حصے سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں نے، جن میں سے اکثر ایسے تھے جن کی مادری زبان اردو نہیں تھی، اردو کے تحفظ اور دفاع کے لیے ہر قسم کی قربانیاں دیں۔ اب پاکستان میں قومی یکجہتی کے فروغ کے لیے یہ ضروری ہے کہ علاقائی زبانوں کا احترام کرتے ہوئے قومی سطح پر اردو کے فروغ اور ترویج کی رفتار کو تیز تر بنایا جائے۔

انتظامی اقدامات

1۔ محب وطن اور ذمہ دار انتظامیہ:۔

وفاقی انتظامیہ ایک قومی ادارہ ہے۔ وفاقی سطح کی اعلیٰ ملازمتوں کے افراد ایک صوبے سے دوسرے صوبے اور ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں جا کر خدمات انجام دیتے ہیں۔ اگر یہ افسر جذبہ خدمت سے کام کریں اور خود کو عوام کا حاکم سمجھنے کی بجائے خادم سمجھیں تو کسی صوبے اور علاقے کو یہ شکایت پیدا نہ ہو کہ باہر سے لوگ آ کر ان پر حکومت کر رہے ہیں۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ سول اور فوجی ملازمتوں میں تمام صوبوں کو ان کی آبادی کے مطابق حصہ دیا جائے تا کہ ملک کا کوئی حصہ محرومی کا شکار نہ ہو۔

2۔ صوبوں کی تنظیم نو:۔

اس وقت ہمارا ملک چار صوبوں پر مشتمل ہے۔ یہ چاروں صوبے زبان، رسوم ورواج اور اپنے باشندوں کی خصوصیات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے کسی حد تک مختلف ہیں۔ اس طرح کا اختلاف دنیا کی تمام قوموں کے مختلف گروہوں میں ہوتا ہے (مثلاً ہمارے ہمسایہ ملک بھارت میں یہ اختلافات ہمارے مقابلے میں سینکڑوں گنا زیادہ ہیں)

اس طرح کے اختلافات کو قومی یکجہتی کے راستے میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ لیکن ہمارے ہاں وطن دشمن عناصر اور دشمن ملکوں کی سازشوں کے باعث تمام صوبوں میں ایک ایسا عنصر پیدا ہو گیا ہے جو پاکستانی قوم کی بجائے علاقائی اور نسلی قومیتوں کی بات کرتا ہے اور اپنے پاکستانی ہونے پر اپنے پنجابی، سندھی، بلوچی یا پٹھان ہونے کو ترجیح دیتا ہے۔ ممکن ہے یہ منفی رجحان آگے بڑھ کر ایسی صورت اختیار کر لے کہ کچھ لوگ پنجاب، سندھ، بلوچستان اور کے پی کے کو پاکستان کے صوبے سمجھنے کی بجائے مختلف قوموں کے ملک قرار دینے لگیں۔ اس خطرے کا مقابلہ کرنے اور اس رجحان کی حوصلہ شکنی کے لیے ضروری ہے کہ صوبوں کی تنظیم نو کی جائے تا کہ آئندہ صوبوں کو ثقافتی اور تہذیبی اکائیاں سمجھنے کی بجائے انتظامی یونٹ سمجھنے کا رجحان پیدا ہو۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

سیاسی اقدامات

پاکستان میں صوبائی خود مختاری کا مسئلہ ہمیشہ آئین اور نظام حکومت تشکیل دینے والوں کے لیے پریشانی کا باعث بنا رہا ہے۔ اس مسئلے نے کئی بحرانوں کو جنم دیا اور طویل عرصے تک ملک کو آئین سے محروم رکھا۔ قومی یکجہتی کے تقاضوں اور صوبائی خود مختاری کے مطالبات میں ہمیشہ ایک تھوڑا سا تضاد ہوتا ہے۔ اس تضاد کو حل کرنے کے لیے ملک کے سیاسی نظام کے بارے میں مندرجہ ذیل تجاویز پر غور کیا جا سکتا ہے۔

1۔ دو ایوانی مقننہ:۔

با اختیار ایوان بالا: پاکستان کے 1973ء کے آئین میں پہلی مرتبہ سینیٹ کے نام سے قانون ساز ادارے کا دوسرا ایوان قائم کیا گیا۔ ایوان زیریں یعنی قومی اسمبلی میں نمائندگی آبادی کی بنیاد پر دی گئی ہے۔ ایوان بالا میں تمام چھوٹے بڑے صوبوں کو یکساں نمائندگی دی گئی ہے۔ یہ ایک درست اقدام ہے ایسے اقدامات سے چھوٹے صوبوں کا احساس محرومی ختم ہو جاتا ہے۔ اور ان میں یہ احساس پیدا نہیں ہوتا کہ بڑے صوبے اپنی آبادی کی کثرت کی بنا پر ان کے ساتھ ناانصافی کر رہے ہیں۔

سینیٹ کی مرضی کے بغیر کوئی آئینی ترمیم منظور نہیں ہو سکتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑے صوبے اسمبلی میں اپنے ارکان کی کثیر تعداد کی وجہ سے چھوٹے صوبوں کے مفاد کے خلاف آئین میں کوئی ترمیم نہیں کر سکتے۔ ضروری ہے کہ مستقبل کے ہر آئینی ڈھانچے اور سیاسی نظام میں اس صورتحال کو برقرار رکھا جائے۔

2۔ تقسیم اختیارات:۔

وفاقی نظام حکوت میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان اختیار کو تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ایک مستحکم وفاقی نظام کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ صوبائی حکومتوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے جائیں تا کہ عوام میں خود اعتمادی پیدا ہو اور مرکز کو صرف اتنے اختیارات حاصل ہوں جتنے اختیارات کا ہونا قومی اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ ہمارے 1973ء کے آئین میں اختیارات کی تقسیم کے وقت صوبائی خود مختاری کا بخوبی لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس تقسیم پر تمام صوبے متفق ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری حکومتیں اس خود مختاری کا احترام کریں اور ہنگامی حالات اور ہنگامی قوانین کا سہارا لے کر بار بار صوبائی معاملات میں مداخلت نہ کریں۔

3۔ جمہوری نظام حکومت:۔

جمہوری نظام حکومت عوام میں احساس شراکت اور احساس ذمہ داری پیدا کرتا ہے۔ اس نظام سے لوگوں میں وطن سے محبت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ ملک کے تحفظ کو اپنی ذمہ داری سمجھنے لگتے ہیں۔ اس کے برعکس آمریت میں لوگ محرومی کا شکار ہوتے ہیں وہ اجتماعی اور قومی معاملات سے لاتعلق ہو جاتے ہیں اور حکمران شخص یا طبقے کا ملک کے جس حصے سے تعلق ہو اس حصے کو جابر اور ظالم تصور کرنے لگتے ہیں۔ بعض صورتوں میں حکمران سے ان کی نفرت ملک سے نفرت میں بدل جاتی ہے جس سے قومی یکجہتی کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ملک میں اسلامی نظریے کی بالادستی قائم کر کے جمہوری نظام حکومت کا اہتمام کیا جائے۔

مشق

1۔ خالی جگہ ایسے الفاظ سے پُر کیجیے کہ بیان با معنی ہو جائے۔

1۔ ابن خلدونؒ نے جذبہ قومیت کو ________ کا نام دیا تھا۔

2۔ مرکز گریز قوتوں کو ________ کی مثال سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

3۔ پاکستان کی تمام ________ کا رسم الخط ایک ہے۔

4۔ ہمارا ملک ________ صوبوں پر مشتمل ہے۔

5۔ ________ نظام حکومت عوام میں احساس شراکت اور احساس ذمہ داری پیدا کرتا ہے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-0343-9815886

2۔ ہر سوال کے آگے قوسین میں دیئے گئے تین جوابات میں سے مناسب ترین جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پر کیجیے۔

1۔ سینیٹ کا ادارہ پہلی مرتبہ ______ کے آئین میں قائم کیا گیا۔ (1956ء، 1962ء، 1973ء)

2۔ قومی اسمبلی میں نمائندگی کے لیے ______ کو بنیاد بنایا گیا۔ (آبادی، صوبہ، عمر)

3۔ ایک مستحکم سیاسی نظام کے لیے ضروری ہے کہ صوبائی حکومتوں کو ______ اختیارات دیئے جائیں۔

(زیادہ سے زیادہ، کم سے کم، لامحدود)

4۔ ______ جنوبی ایشیاء میں نفاذِ اسلام کے عملی پروگرام کا نام ہے۔ (نظریہ پاکستان، اسلام، آئین پاکستان)

5۔ نظامِ حکومت میں قومی یکجہتی کو نقصان پہنچتا ہے۔ (آمرانہ، جمہوری، پارلیمانی)

3۔ ص (صحیح) یا غ (غلط) کے اوپر دائرہ لگا کر درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ پاکستان کے لیے جدوجہد کرنے والے تمام لوگ ایک ہی نسلی گروپ سے تعلق رکھتے تھے۔ ص غ

2۔ آزادی کی تحریک کے دوران پنجابی زبان کو ہمارے قومی شعار کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ ص غ

3۔ صوبوں کو تہذیبی اکائیاں سمجھنے کی بجائے انتظامی یونٹ سمجھنے کا رجحان قومی یکجہتی کے لیے بہتر ہے۔ ص غ

4۔ 1956ء کے آئین میں پہلی دفعہ دوایوانی مقننہ کا نظام قائم کیا گیا۔ ص غ

5۔ 1973ء کے آئین کے تحت صوبائی خود مختاری کا مسئلہ بہتر طریقے سے حل کر دیا گیا۔ ص غ

4۔ کالم الف کے اندراجات کو کالم ب سے لائن کے ذریعے اس طرح ملایئے کہ دونوں کا تعلق واضح ہو جائے۔

کالم الف	کالم ب
عصبیت	یک جہتی کے لیے خطرہ
Centrifugal	جمہوری نظام
احساس شراکت	ابن خلدونؒ
صوبائی خود مختاری	مرکز گریز
نسلی قومیت	1973ء کا آئین

5۔ ہر سوال کا جواب دو سے پانچ سطور میں لکھیے۔

1۔ لاسکی کے الفاظ میں قومیت کی تعریف نقل کیجیے۔

2۔ ''قومی یکجہتی کے مسائل کا حل۔ میرا، تمہارا اور ہمارا کردار'' پر مختصراً تبصرہ کیجیے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEEF AHMAD KHAN-03458815886

3۔ قومی یکجہتی کے فروغ کے لیے نظریہ پاکستان کی تعلیم کیا اہمیت رکھتی ہے؟

4۔ قومی یکجہتی میں اردو کی کیا اہمیت ہے؟

5۔ جمہوری نظام حکومت کا قیام قومی یکجہتی کے لیے کیوں ضروری ہے؟

6۔ مرکز گریز پر قوتوں سے کیا مراد ہے؟

7۔ دوایوانی مقننہ سے کیا مراد ہے؟

6۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

1۔ ایک اسلامی جمہوری ریاست میں قومی یکجہتی کی اہمیت بیان کیجیے۔

2۔ قومی یکجہتی اور ہم آہنگی کے راستے میں کون کون سی رکاوٹیں حائل ہیں؟

3۔ قومی یکجہتی کو کس قسم کے تعلیمی اور تبلیغی اقدامات کے ذریعے فروغ دیا جاسکتا ہے؟

4۔ قومی یکجہتی کے لیے کس قسم کے انتظامی اور سیاسی اقدامات کی ضرورت ہے؟

HDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN 03459315805

9

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اقتصادی منصوبہ بندی اور ترقی

پڑھیں

اقتصادی منصوبہ بندی کا مفہوم:۔

پروفیسر آرتھر لیوس نے اقتصادی منصوبے بندی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

''ایسا معاشی ضابطہ جس میں ملک کے معاشی مسائل کا خاکہ بنا کر اسے سرکاری اخراجات کی تفصیل اور نجی شعبے کی کارکردگی سے ہم آہنگ کیا جائے معاشی منصوبہ بندی کہلاتا ہے۔''

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEE AHMAD KHAN-03499815886

ترقی کے لیے منصوبہ بندی کی ضرورت

معاشی منصوبہ بندی ہر ملک کی معاشی ترقی کے لیے بنیادی اہمیت کی حامل ہے لیکن پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ پاکستان کے حوالے سے معاشی منصوبہ بندی اس لیے ضروری ہے کہ:

i۔ قومی آمدنی میں اضافہ کیا جائے۔

ii۔ فی کس سالانہ آمدنی میں اضافہ کر کے شہریوں کا معیار زندگی بلند کیا جائے۔

iii۔ بے روزگار آبادی کے لیے روزگار کے نئے مواقع پیدا کیے جائیں۔

iv۔ افراطِ زر پر قابو پا کر قیمتوں کو مستحکم کیا جائے۔

v۔ غذائی خود کفالت حاصل کی جائے۔

vi۔ مختلف طبقات کے درمیان معاشی عدم مساوات کو کم سے کم کیا جائے۔

vii۔ ملک کی زرمبادلہ کمانے کی صلاحیت میں اضافہ کر کے ادائیگیوں کا توازن بہتر بنایا جائے۔

viii۔ سرمایہ کاری کے عمل کو ایسے خطوط پر استوار کیا جائے کہ اس سے سرمایہ کاروں کے ذاتی مفاد کی بجائے وسیع تر قومی مفادات کا تحفظ ہو۔

ix۔ محنت کشوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے تاکہ ان کی اجرتوں اور شرائط کار کو بہتر بنایا جاسکے۔

x۔ طویل المیعاد منصوبے بنا کر ٹھوس اور پائیدار اقتصادی ترقی کے لے مناسب حالات پیدا کیے جائیں۔

زرعی ترقی

پاکستان کی معیشت میں زراعت کی اہمیت:۔

پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ مندرجہ ذیل حقائق پر ایک نظر ڈالنے سے ہماری قومی معیشت میں زراعت کی اہمیت کا بخوبی اندازلگایا جاسکتا ہے۔

i۔ پاکستان کی قومی دولت کا 21 فیصد زراعت سے حاصل ہوتا ہے۔

ii۔ ہمارا ملک اپنی زرمبادلہ کی 70 سے 80 فیصد تک آمدنی زرعی برآمدات سے حاصل کرتا ہے۔

iii۔ پاکستان میں زراعت پر کام کرنے والی آبادی کا تناسب 39 فیصد ہے۔

iv۔ بالواسطہ طور پر ملک کی تقریباً 79 فیصد آبادی کے روزگار کا انحصار زرعی شعبے کی آمدنی پر ہے۔

v۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہماری زراعت نہایت پسماندہ ہے مثلاً امریکہ میں گندم کی فی ایکٹر پیداوار کی اوسط 50 من ہے جبکہ ہمارے ہاں یہ صرف 20 من ہے۔اسی طرح اٹلی میں چاول کی فی ایکٹر پیداوار 50 من ہے۔ ہمارے ملک میں یہ اوسط صرف گیارہ من ہے۔

vi۔ زراعت پر انحصار کرنے والی آبادی میں سے 30 فیصد نیم بے روزگاری کی حالت میں زندگی بسر کررہی ہے۔

vii۔ ملک کی دو تہائی فیصد آبادی دیہات میں آباد ہے جس کی اکثریت کا انحصار زراعت پر ہے۔

viii۔ چند بڑے زمینداروں کو چھوڑ کر یہ عام آبادی ناقابل بیان تنگ دستی میں زندگی بسر کررہی ہے۔

ix۔ زرعی پسماندگی کی وجہ سے دیہات میں بے روزگاری عام ہے۔ مکمل بے روزگار آبادی کو چھوڑ کر تقریباً 30 فیصد دیہی آبادی ایسی ہے جو نیم بے روزگاری کے عالم میں زندگی بسر کررہی ہے۔

x۔ زرعی پس ماندگی اور غربت کی وجہ سے دیہات میں خواندگی کا تناسب شہروں سے تقریباً نصف ہے۔

xi۔ ملک کی بہت بڑی دیہی آبادی پختہ سڑکوں، تار، ٹیلیفون اور ریلوے لائن جیسی اہم ضروریات سے محرومی کی حالت میں زندگی گزار رہی ہے۔

xii۔ یہ تمام حقائق ہمیں اس نتیجے کی طرف لے جاتے ہیں کہ پاکستان کی معیشت کی پس ماندگی کا ایک اہم سبب زراعت اور دیہات کی پس ماندگی میں ہے اگر ہم اپنے ملک کو معاشی طور پر مستحکم بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے ان دو پہلوؤں کی ترقی کی طرف توجہ دینی پڑے گی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

صنعتی ترقی

پس منظر:۔

پاکستان نے آزادی کے وقت نہایت کمزوری کی حالت میں اپنے صنعتی سفر کا آغاز کیا۔ بھارت نے برطانوی حکومت کے تحت جتنی صنعتی ترقی حاصل کی تھی وہ ساری کی ساری چند بڑے شہروں مثلاً کلکتہ، ممبئی اور مدراس میں مرتکز تھی۔ تقسیم ہند کے نتیجے میں یہ تمام شہر بھارت کے حصے میں چلے گئے۔ تقسیم کے وقت بھارت میں قائم کی گئی بڑی بڑی صنعتیں یہ تھیں: سوتی کپڑے کی صنعت، پٹ سن، چینی، لوہا، فولاد، سیمینٹ، کاغذ اور شیشے کی صنعتیں۔

تقسیم کے وقت بھارت کے پاس کل 921 کارخانے تھے ان میں پاکستان کے حصے میں صرف 34 آئے (یعنی چار فیصد سے بھی کم) حالانکہ پاکستان کی آبادی متحدہ ہندوستان کی کل آبادی کا 20 فیصد تھی۔ ان صنعتوں میں روزگار کے مواقع کے صورتحال اور زیادہ مایوس کن تھی۔ ہندوستان کے کل صنعتی یونٹس میں روزانہ 11،37،150 افراد کو روزگار فراہم کرنے کی گنجائش تھی۔ جبکہ پاکستان کے حصے میں آنے والے صنعتی یونٹوں کی روزگار فراہم کرنے کی صلاحیت صرف 26,400 افراد روزانہ تھی۔ یعنی صرف 2.32 فیصد

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN 03450815886

قومی ترقی میں صنعتوں کی اہمیت:۔

جیسا کہ ہم نے پہلے مطالعہ کیا پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ ہمارے ماہرین کا خیال ہے کہ ہماری معیشت کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے ہمارا زرعی طور پر ترقی یافتہ ہونا ضروری ہے۔ لیکن ہمارے لیے صنعتی ترقی کی اہمیت بھی کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس کی وجوہ درج ذیل ہیں۔

i۔ اب زراعت بھی بڑی حد تک مشینی ہو گئی ہے۔ زرعی شعبے کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے کھادوں، کیڑے مار ادویات، آلات اور زرعی مشینری کی ضرورت ہے ظاہر ہے کہ یہ تمام ضرورتیں صنعتی شعبہ ہی پوری کر سکتا ہے۔

ii۔ زرعی پیداوار سے زیادہ زرمبادلہ کمانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو خام حالت کی بجائے تیار شدہ مصنوعات کی شکل میں برآمد کیا جائے۔ پراسیسنگ کے لے صنعتی مشینری ضروری ہے۔

iii۔ پاکستان اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے دوسرے ممالک سے خام اور تیار شدہ مال بڑے پیمانے پر درآمد کرتا ہے۔ اس لیے اگر ہم درآمدات اور برآمدات میں توازن قائم رکھنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ تیار شدہ مال باہر بھیجیں، نیز اپنی صنعت کو ترقی دے کر اپنی ضرورت کی اشیاء خود تیار کریں تاکہ درآمدات کا بوجھ کم ہو اور زرمبادلہ کی بچت ہو۔

iv۔ صنعتی شعبے کو ترقی دے کر ہم زیادہ سے زیادہ لوگوں کو روزگار فراہم کر سکتے ہیں۔ اس سے بے روزگاری کا مسئلہ کم ہو سکتا ہے۔ اس طرح ہم اپنی اس اسی فیصد آبادی کا معیارِ زندگی بلند کر سکتے ہیں جو دیہات میں رہتی ہے۔

ٹریڈ اور کامرس

ٹریڈ سے مختلف ممالک کا آپس میں سامان کی خرید و فروخت کا عمل مراد ہے۔ بعض اوقات اس کا اطلاق کسی خاص کاروبار پر بھی کیا جاتا ہے مثلاً کاٹن ٹریڈ، کامرس کا لفظی مطلب سامان اور خدمات کی خرید و فروخت ہے۔

کسی ملک میں ٹریڈ اور کامرس کی ترقی سے اس ملک کی عمومی ترقی کا درجہ متعین کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملکوں میں منصوبہ بندی کو اقتصادی ترقی کی بنیادی ضرورت سمجھا جاتا ہے۔

ہماری خارجہ تجارت کے بنیادی حقائق درج ذیل ہیں:

i۔ ہماری برآمدت کا حجم کم ہے۔ ہماری درآمدات کے مقابلے میں دوگنی ہیں۔

ii۔ ہماری صنعتوں کی بنیاد درآمد پر ہے۔ ہم اپنی درآمدات پر جو رقم خرچ کرتے ہیں اس میں سے ایک تہائی سے زائد صنعتی خام مال کی درآمد پر خرچ ہو جاتا ہے۔

iii۔ ہم ایک صارفین کا معاشرہ ہیں۔ آبادی بڑھ رہی ہے جس کے ساتھ صارفین بھی بڑھ رہے ہیں، خرچ کرنے کا رجحان بھی ترقی پذیر ہے لیکن پیدا کرنے کا رجحان ترقی نہیں کر رہا۔

iv۔ قدیم زرعی طور طریقوں پر عمل کی وجہ سے زرعی پیداوار میں کمی ہو رہی ہے اسی طرح بہت سے صنعتی یونٹ بھی بیماری کی حالت سے دوچار ہیں۔ قیام پاکستان کے ابتدائی سالوں میں پیداوار کا حصہ نصف سے زائد تھا۔ جو آج ایک چوتھائی سے بھی کم رہ گیا ہے۔ خصوصاً بیرونی سرمایہ کاری تیزی سے کم تر رہی ہے۔

v۔ سیاسی بے چینی اور دہشت گردی کی کارروائیوں کے نتیجے میں بیرونی سرمایہ کاری کا راستہ رک گیا ہے۔

vi۔ روپے کی قیمت میں کمی اور افراط زر کے رجحانات کے باعث صنعتی خام مال نیز پٹرولیم اور گیس کی قیمتیں مسلسل بڑھ رہی ہیں۔ اس سے ہمارے صنعتکاروں کے لیے روز بروز بین الاقوامی مارکیٹ میں اور اندرون ملک درآمدی اشیاء سے مقابلہ کرنا مشکل تر ہوتا جارہا ہے۔

حالیہ برسوں میں کامرس میں ایک نیا رجحان پیدا ہوا ہے۔ جسے ای کامرس (E-Commerce) کا نام دیا جاتا ہے۔ ای کامرس کی اصطلاح میں E کا لفظ Electronic کا مخفف ہے۔ ای کامرس سے ایسی تجارت یعنی اشیاء اور خدمات کی ایسی خرید و فروخت مراد ہے جو نیٹ ورکس یعنی انٹرنیٹ اور ای میل وغیرہ کے ذریعہ کی جائے۔ وقت کے ساتھ ساتھ کرنسی نوٹوں کے بجائے پلاسٹک منی یعنی کریڈٹ کارڈز وغیرہ کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ انٹرنیٹ اور کریڈٹ کارڈز ایسے وسیلے ہیں جن کے ذریعے ملکی حدود سے ماورا تجارتی لین دین بھی ممکن ہو گیا ہے اور تجارتی لین دین کے راستے میں حائل بہت سے حدود اور پابندیاں خود بخود ختم ہو گئی ہیں۔

MADE BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-03338813986

آئی ٹی (انفرمیشن ٹیکنالوجی)

دورِ حاضر میں کمپیوٹر استعمال کرنے والے نیز اطلاعات اور تعلیم کے شعبوں میں کام کرنے والے تمام لوگ انفرمیشن ٹیکنالوجی یا آئی ٹی کی اصطلاح سے پوری طرح واقف ہو چکے ہیں۔ معاشرتی زندگی کے ہر شعبے میں انفرامیشن ٹیکنالوجی نے دخل حاصل کر لیا ہے۔ گذشتہ پندرہ بیس سال میں پرسنل کمپیوٹر نے معلومات کی تحصیل، ترتیب، ترسیل اور تحفیظ کے ایک طاقتور ذریعے کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

نہایت ترقی یافتہ ڈیٹا بیس ٹیکنیکس کے ذریعے معلومات کو جمع کرنا ان کو محفوظ رکھنا اور بوقتِ ضرورت استعمال کے لیے ان تک رسائی حاصل کرنا اب ممکن ہو گیا ہے۔ نیٹ ورکس اور ٹیلی مواصلاتی آلات کے ذریعے معلومات کو جمع کر کے نشر بھی کیا جا سکتا ہے انٹرنیٹ اس کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ اب یہ کہا جانے لگا ہے کہ ہماری دنیا ایک گاؤں میں تبدیل ہو چکی ہے یعنی جس طرح گاؤں میں سب کچھ ہمارے قریب ہی موجود ہوتا ہے اب جدید مواصلاتی وسائل نے دنیا کو بھی ایک عالمی گاؤں میں گلوبل ولیج میں بدل دیا ہے۔ انفرامیشن ٹیکنالوجی سے آگاہی حاصل کرنا، اس کے آلات کو سمجھنا، اس کی زبان سے واقفیت حاصل کرنا اور یہ معلوم کرنا کہ اس کے اندر ہمارے لیے کیا کیا امکانات پوشیدہ ہیں، اب ایک جدید انسان کے لیے اتنا ہی ضروری بن گیا ہے جتنا کچھ عرصے پہلے بنیادی خواندگی حاصل کرنا ضروری تھا۔

انفرمیشن ٹیکنالوجی نے ہمیں مستقبل کے بارے میں ایک واضح تصوّر دیا ہے۔ اس نے ہمیں وہ آلات فراہم کیے ہیں جن کی مدد لے کر ہم معاشرے میں تہذیب اور تعلیم کو ترقی اور اپنے ذخیرہ علم واطلاع کو وسعت دے سکتے ہیں۔ تمام ترقی یافتہ ملکوں کی طرح پاکستان کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے انفرمیشن ٹیکنالوجی کے بنیادی ڈھانچے کو انقلابی بنیادوں پر ترقی دے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم آئی ٹی کے ماہرین کی ایک پوری نسل پیدا کریں اور ایک ایسا ماحول تخلیق کریں جو انفرمیشن ٹیکنالوجی کی ترقی کے لیے سازگار ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کے لیے سب سے پہلے کمپیوٹر کی بنیادی تعلیم کو عام کرنا اور لوگوں کے لیے ہر سطح پر کمپیوٹر تک رسائی کو ممکن بنانا ضروری ہے۔ معاشرے کے تمام طبقات میں انفرمیشن ٹیکنالوجی کی ٹیکنیکس کے بارے میں آگاہی کو عام کرنا چاہیے اور نسبتاً کم ترقی یافتہ علاقوں کو اس معاملے میں اوّلیت دینی چاہیے۔ اس کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ ملک کے دور افتادہ ترین علاقوں کو انٹرنیٹ سے منسلک کیا جائے۔

پاکستان کے تمام ترقیاتی منصوبوں کا جائزہ

پہلا پانچ سال منصوبہ (1955)

حکمت عملی:

اس منصوبے میں اولین ترجیح دیہی اور زرعی ترقی کو دی گئی لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا کہ صنعت اور زراعت کے درمیان ایک توازن قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اخراجات کا 29 فیصد حصہ پانی اور توانائی کے وسائل کی ترقی کے لیے وقف کیا گیا۔ اس منصوبے میں آمدنی کے لیے زیادہ تر انحصار داخلی وسائل پر کیا گیا۔

اہداف:۔

پہلے پانچ سالہ منصوبے کے اہداف درج ذیل تھے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03459815986

i۔ لوگوں کا معیار زندگی بلند کرنا۔

ii۔ برآمدات میں اضافہ کر کے ادائیگیوں کے توازن کو بہتر بنانا۔

iii۔ ملک میں روزگار کے مواقع میں اضافہ کرنا۔

iv۔ صحت، تعلیم اور سماجی خدمات کی حالت بہتر بنانا

کامیابیاں اور ناکامیاں :۔

i۔ قومی آمدنی میں 11 فیصد اضافہ ہوا، ہدف 15 فیصد تھا۔

ii۔ فی کس آمدنی میں اضافہ 1.6 فیصد رہا جب کہ ہدف 7 فیصد تھا۔

iii۔ 15 لاکھ کے ہدف کے مقابلے میں صرف 10 لاکھ ایکٹر نیا رقبہ زیر کاشت لایا جا سکا۔

iv۔ نئی صنعتیں قائم ہوئیں۔

v۔ روڈ ٹرانسپورٹ اور ریلوے کے شعبوں میں ترقی ہوئی۔

vi۔ معدنیات کے شعبے میں سوئی گیس کے علاوہ کوئی قابل ذکر کامیابی نہیں ہوئی۔

دوسرا پانچ سالہ منصوبہ (1960-65):۔

دوسرے پانچ سالہ منصوبے کا آغاز جولائی 1960ء میں ہوا۔

حکمت عملی:۔

اس منصوبے کی حکمت عملی یہ تھی کہ پہلے پانچ سالہ منصوبے میں حاصل کی گئی کامیابیوں کو مستحکم کیا جائے اور اس کی غلطیوں سے بچا جائے۔ معیشت کے مختلف شعبوں کی متوازن ترقی کی حکمت عملی اپنائی گئی توقع کی گئی کہ ایک متعین مدت کے اندر معیشت خود کار ترقی کے درجے تک پہنچ جائے گی۔ تیزی سے نتائج ظاہر کرنے والے منصوبوں کو اوّلیت دی جائے گی۔

اہداف:۔

i۔ قومی آمدنی میں 24 فیصد اضافہ۔

ii۔ فی کس سالانہ آمدنی میں 12 فیصد اضافہ۔

iii۔ خوردنی اجناس کی پیداوار میں 21 فیصد اضافہ۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499015886

iv۔ متوسط اور بڑی صنعتوں کی پیداوار میں 20 فیصد اضافہ۔

v۔ روزگار کے 30 لاکھ نئے ذرائع پیدا کرنا۔

vi۔ زرمبادلہ سے ہونے والی آمدنی میں 5 سال میں 15 فیصد اضافہ کرنا۔

کامیابیاں:۔

یہ منصوبہ پورے طور پر کامیاب ہوا، اس کی کامیابیوں کا اندازہ درج ذیل حقائق سے لگایا جاسکتا ہے۔

i۔ قومی آمدنی میں اضافہ 24 فیصد کے ہدف کے مقابلے میں 37 فیصد تھا۔

ii۔ داخلی بچتوں کی شرح 1145 کروڑ کی بجائے 1880 کروڑ رہی۔

iii۔ فی کس سالانہ آمدنی میں 12 فیصد کے ہدف سے بھی زیادہ یعنی 14 فیصد اضافہ ہوا۔

iv۔ غلے کی پیداوار 21 فیصد کے ہدف کے مقابلے میں 27 فیصد بڑھی۔

v۔ صنعتی پیداوار 40 فیصد کے ہدف کے مقابلے میں 61 فیصد بڑھی۔

vi۔ زرمبادلہ کمانے کی صلاحیت کو 3 فیصد بڑھانے کا ہدف تھا لیکن اس میں 7 فیصد اضافہ ہوا۔

تیسرا پانچ سالہ منصوبہ (1965-1970)

حکمت عملی:۔

تیسرا پانچ سالہ منصوبہ 20 سالہ پرسپیکٹو پلان (Perspective Plan)، (85-1965) کے پہلے مرحلے کے طور پر متعارف کرایا گیا تھا۔ نوٹ کیا گیا کہ پچھلے دونوں منصوبوں میں ایسی ترقیاتی حکمت عملی اختیار کی گئی تھی جس میں ترقی ہوئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ مختلف طبقات کی آمدنیوں کے تفاوت میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اس منصوبے میں عدم توازن کو دور کرنے کے لیے حکمت عملی وضع کی گئی۔

اہداف:۔

i۔ ترقیاتی ہدف دوسرے منصوبے کے 5.2 فیصد کے مقابلے میں 6.5 فیصد کر دیا گیا۔

ii۔ زرعی ترقی کا ہدف جو دوسرے منصوبے میں 3.4 فیصد سالانہ تھا اس منصوبے میں 3 فیصد سالانہ مقرر کیا گیا۔

iii۔ بچت کی اوسط سطح جو سابقہ منصوبے میں 10 فیصد سالانہ تھی بڑھا کر 13.6 فیصد سالانہ اضافہ کا ہدف مقرر کیا گیا۔

iv۔ برآمدات کو کم کر کے درآمدات میں 9.5 فیصد سالانہ اضافہ کا ہدف مقرر کیا گیا۔

v۔ بے روزگاری میں 17 فیصد کمی کے لیے روزگار کے 5.5 ملین نئے مواقع پیدا کرنے کا ہدف مقرر کیا گیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

کامیابیاں اور ناکامیاں:۔

اس منصوبے کو متعدد عوامل کی وجہ سے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

i۔ 1965ء میں پاک بھارت جنگ ہو گئی۔

ii۔ امریکی امداد معطل ہو گئی۔

iii۔ قحط سالی، سیلاب اور طوفانوں نے معیشت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔

ان تمام عوام کے باوجود جی این پی میں 5.8 فیصد اضافہ ہوا۔ ازرعی پیداوار میں تقریباً 4 فیصد اضافہ ہوا۔ اس منصوبے میں حاصل ہونے والا ہر اضافہ مقرر کئے گئے اہداف سے بہت کم تھا۔ مثلاً بچتوں کی شرح 20 فیصد کی بجائے 6 فیصد رہی۔

چوتھا پانچ سالہ منصوبہ (1970-1975):۔

یہ منصوبہ بھی طویل المیعاد پر سپیکٹو پلان (Perspective Plan)، (1965-85) کے ایک جزو کے طور پر تیار کیا گیا۔ اس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے پلاننگ کمیشن نے کہا:

> "ہماری تمام کوششوں کا بنیادی ہدف یہ ہے کہ ہم ایک منصفانہ معاشرہ قائم کریں۔ ہو سکتا ہے کہ آج ہمارے پاس ایسے وسائل نہ ہوں کہ ہم غربت کا ازالہ کر سکیں لیکن ہم غربت سے پیدا ہونے والی کچھ قباحتوں کو ضرور دور کر سکتے ہیں۔ ہر شخص کو خواہ اس کا سماجی مرتبہ کچھ ہی کیوں نہ ہو یہ موقع ملنا چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دلوا سکے، اسے اس کی محنت کا مناسب معاوضہ ملے اور وہ زندگی کی دوڑ میں اتنا آگے بڑھے کہ جتنا وہ اپنی محنت اور ذہانت کے بل پر آگے بڑھ سکے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں سہولتیں مساوات کی بنیاد پر فراہم کی جانی چاہئیں۔"

یہ منصوبہ 1971ء میں مشرقی پاکستان کے بحران اور پاک بھارت جنگ کی وجہ سے جاری نہ رکھا جا سکا۔ للہٰذا اس کی کامیابیوں اور ناکامیوں پر گفتگو لاحاصل ہے۔

پانچواں پانچ سالہ منصوبہ (1978-1983):۔

1971ء کی جنگ اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے پیدا ہونے والے حالات کے باعث چوتھے پانچ سالہ منصوبے کو ترک کرنا پڑا اور سالانہ منصوبہ بندی کے ذریعے کام چلانے کی کوشش کی گئی لیکن نتائج حاصل نہ ہونے کی وجہ سے 1978ء میں پھر پانچ سالہ منصوبہ بندی کا آغاز ہوا۔

اہداف:۔

i۔ آبادی کو بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی۔

ii۔ تیز رفتار ترقی کے ذریعے روزگار کی سہولتوں اور آمدنی میں اضافہ۔

iii۔ صحت، تعلیم، ٹرانسپورٹ اور پانی کی سہولتوں میں اضافہ۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-03499

iv۔ پسماندہ علاقوں کو بنیادی ضروریات فراہم کر کے ترقی دینا۔

v۔ بنیادی صنعتیں قائم کر کے طویل المیعاد اقتصادی ترقی کی بنیاد رکھنا۔

کامیابیاں اور ناکامیاں:۔

i۔ GNP میں اضافے کا ہدف 7 فیصد تھا، اضافے کی شرح 6 فیصد رہی۔

ii۔ زرعی شعبے کے ہدف 95 فیصد حاصل کر لیے گئے۔

iii۔ صنعتی شعبے میں ترقی کا ہدف بھی قریب قریب حاصل کر لیا گیا۔

iv۔ فی کس سالانہ آمدنی میں اضافہ ہوا۔

v۔ توانائی کے شعبے میں 93 فیصد ہدف حاصل کر لیے گئے۔

vi۔ ٹرانسپورٹ کے شعبے میں کامیابی کی شرح 106 فیصد رہی۔

vii۔ پبلک سیکٹر میں سرمایہ کاری کی شرح میں 33% فیصد کمی ہوئی۔

چھٹا پانچ سالہ منصوبہ (1988-1983)

چھٹے پانچ سالہ منصوبے پر عملدرآمد کا آغاز یکم جولائی 1983ء سے ہوا۔

حکمت عملی:۔

i۔ مضبوط ترقیاتی بنیاد کے لیے معاشرتی شعور کی بیداری ضروری ہے۔

ii۔ اقتصادی ترقی کے فوائد عام آدمی کو اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک آبادی کی اکثریت کو اقتصادی عمل میں شریک نہ کیا جائے۔

iii۔ نجی شعبے کی شراکت میں اضافہ۔

اہداف و مقاصد:۔

i۔ بنیادی ضروریات مثلاً پرائمری تعلیم، پینے کے پانی اور صحت کی بنیادی سہولیات کو اولین ترجیح دی گئی۔

ii۔ دیہی علاقوں میں بنیادی سہولیات (انفراسٹرکچر) کی فراہمی۔

iii۔ بلوچستان جیسے پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ علاقوں کی ترقی پر خصوصی توجہ۔

iv۔ معاشرے کے غریب ترین طبقات کا تحفظ۔

v۔ ماں اور بچے کی صحت کے اقدامات۔

vi۔ روزگار کے مواقع میں اضافہ۔

vii۔ ترقیاتی اخراجات کے لیے مختص کی گئی کل رقم کا تقریباً 13 فیصد اس منصوبے میں سماجی شعبے یعنی، صحت، تعلیم اور آبادی کی فلاح کے مقاصد کے لیے رکھا گیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03495315696

کامیابیاں اور ناکامیاں:۔

i۔ جی ڈی پی میں اضافے کا ہدف حاصل کر لیا گیا۔

ii۔ زرعی شعبے میں ترقی ہوئی لیکن ہدف حاصل نہ کیا جاسکا۔

iii۔ توانائی کے شعبے میں خاطر خواہ کامیابیاں حاصل کی گئیں۔

iv۔ تعلیم کے شعبے میں خاطر خواہ ترقی ہوئی 12 ہزار پرائمری سکول اور 17 ہزار مسجد / سکول کھولے گئے۔

v۔ خواندگی کی شرح بلند کرنے میں کامیابی نہیں ہو سکی۔ خواندگی کی شرح کو 48 فیصد تک بڑھانے کا ہدف مقرر کیا گیا تھا لیکن یہ شرح 30 فیصد سے آگے نہ بڑھ سکی۔

vi۔ دیہی اور شہری سطح پر ڈاکٹرز کی تعداد میں اضافہ ہوا لیکن باقی مقاصد پورے نہ ہو سکے۔

vii۔ افراط زر کی شرح میں اضافہ پانچویں منصوبے کے مقابلے میں کم رہا۔

ماہرین اقتصادیات نے اس منصوبے کو مجموعی طور پر کامیاب قرار دیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-03459315246

ساتواں پانچ سالہ منصوبہ (1988-1993)

حکمت عملی:۔

ساتویں پانچ سالہ منصوبے کا مرکزی خیال یہ تھا کہ پیداوار میں اضافہ کیا جائے اور لوگوں کے معیار زندگی کو بہتر بنایا جائے۔ کہا گیا کہ اخراجات اور بچتوں کے مابین تقریباً 95 بلین روپے کا خلاء بیرونی وسائل سے پورا کیا جائے گا۔

اہداف:۔

i۔ جی ڈی پی اور فی کس سالانہ آمدنی میں اضافہ۔

ii۔ زیر زمین اور بالائے زمین آبی وسائل کی ترقی۔

iii۔ بجلی کی پیداوار میں اضافہ۔

iv۔ بچتوں میں اضافہ۔

v۔ صنعتی شعبے کی پیداوار میں اضافہ

vi۔ بنیادی سماجی سہولتوں مثلاً صحت، تعلیم اور پینے کے پانی کی فراہمی کو بہتر بنانا۔

کامیابیاں اور ناکامیاں:۔

حکومتوں کی بار بار تبدیلی نیز غیر مستحکم عالمی صورتحال کی وجہ سے ساتواں پانچ سالہ منصوبہ اپنے اکثر اہداف حاصل نہ کر سکا۔ تاہم حالات کے تناظر میں اس کو مکمل طور پر ناکام قرار نہیں دیا جاسکتا۔

آٹھواں پانچ سالہ منصوبہ (1993-1998)

حکمت عملی:۔

اس منصوبے کی بنیادی حکمت عملی یہ تھی کہ:

i۔ انفرادی صلاحیت کو مضبوط تر بنایا جائے گا۔

ii۔ نجی کاروباری سرگرمی کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

iii۔ منڈی کے نظام اور طریق کار کو بہتر بنایا جائے گا۔

iv۔ غربت میں کمی کے لیے پبلک سیکٹر سے مدد حاصل کی جائے گی۔

اہداف:۔

i۔ جی ڈی پی میں 40 فیصد اور فی کس سالانہ آمدنی میں 22 فیصد اضافہ۔

ii۔ زرعی شعبے کی پیداوار میں تقریباً 5 فیصد اور مینوفیکچرنگ کے شعبے کی پیداوار میں تقریباً 10 فیصد اضافہ۔

iii۔ بجٹ خسارے میں کمی۔

iv۔ قومی بچتوں میں اضافہ۔

v۔ روزگار کی سہولتوں میں اضافہ۔

vi۔ خواندگی کے تناسب کو 35 فیصد سے بڑھا کر 45 فیصد کرنا۔

vii۔ صحت کی سہولتوں کو بہتر بنانا۔

کامیابیاں اور ناکامیاں:۔

i۔ اقتصادی شرح نمو کا ہدف 7 فیصد سالانہ مقرر کیا تھا لیکن شرح نمو 5 فیصد سے بھی کم رہی۔

ii۔ اقتصادی شعبے میں ترقی کی شرح ہدف سے زیادہ رہی۔

iii۔ آبادی میں اضافے کی شرح کو، 2.9 سے کم کر کے 2.7 پر لانے کا ہدف مقرر کیا گیا تھا۔ یہ ہدف حاصل کر لیا گیا۔ ماہرین کی رائے ہے کہ مجموعی طور پر آٹھویں پانچ سالہ منصوبے کی کارکردگی غیر تسلی بخش رہی۔

قدرتی وسائل۔ تحفظ اور ترقی:۔

''وسائل''(Resources) ایک بہت وسیع مفہوم رکھنے والی اصطلاح ہے۔ ایسی تمام اشیاء جو انسانی ترقی میں مددگار ہوتی ہیں، انسان کو آرام پہنچاتی ہیں یا مشکل اور ضرورت کے وقت اس کے کام آتی ہیں، وسائل کہلاتی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انسان خود بھی اس تعریف میں شامل ہے۔ ذیل کے نقشے سے وسائل کی اقسام کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499

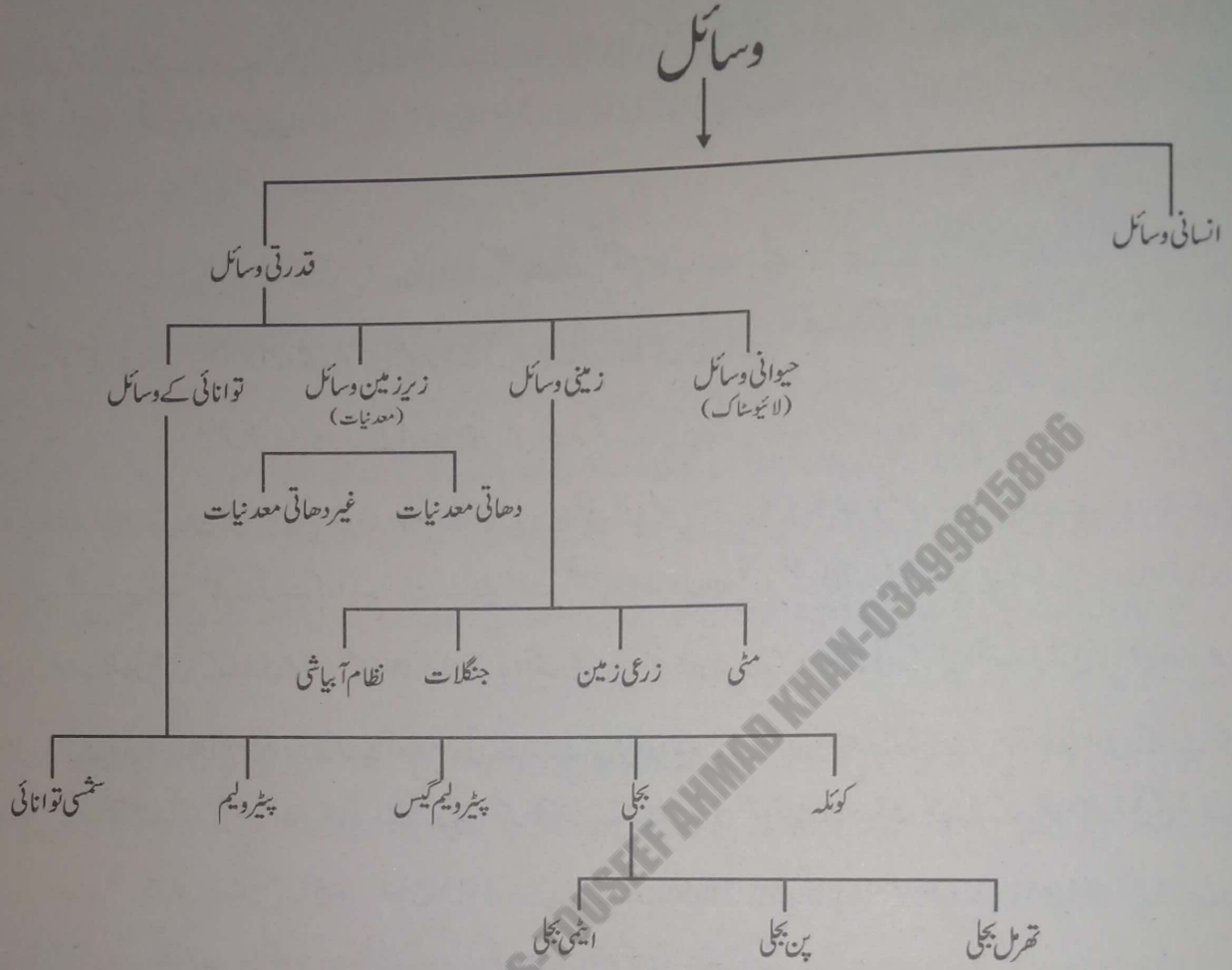

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD KHAN-03499815886

قدرتی وسائل کسی ملک کی ترقی میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ لیکن پاکستان دریافت شدہ معدنی وسائل کے اعتبار سے ایک پس ماندہ ملک ہے۔ ماضی میں ہمارے ہاں معدنی وسائل کی ترقی پر بہت کم توجہ دی گئی۔ ان وسائل کی دریافت پر ماضی میں قومی آمدنی کا صرف ایک فیصد خرچ کیا جاتا رہا جو ترقی یافتہ ممالک کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ پاکستان کی سرزمین قدرتی وسائل کی دولت سے محروم ہے۔ معاملہ وسائل کی کمی کا نہیں بلکہ ان کی دریافت کا ہے۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

> ”پاکستان اب ایک حقیقت بن چکا ہے۔ پاکستان قدرتی وسائل اور نعمتوں سے مالا مال ہے۔ اب یہ اس کے لوگوں پر منحصر ہے کہ وہ ان کو کیسے دریافت کرتے ہیں اور ان سے کس طرح استفادہ کرتے ہیں اس کے لیے دیانت داری سے اور انتھک محنت کی ضرورت ہے۔“

ایک اور اہم معاملہ جو دور جدید میں وسائل کی دریافت سے بھی زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے وسائل کو ضائع ہونے سے بچانے کا ہے۔ اس کے لیے Conservation of Resources کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ کرہ ارض پر انسانی آبادی بڑھ رہی ہے اور وسائل پر بوجھ بھی بڑھ رہا ہے۔ قدرتی انسانی وسائل تمام بنی نوع انسان کی مشترکہ میراث ہیں۔ اگر ہم ان کو ضائع کریں گے تو ہماری آنے والی نسلیں ان نعمتوں سے محروم ہو جائیں گی۔ آج دنیا کے اقتصادی ماہرین کہہ رہے ہیں کہ تیسری عالمی جنگ پانی کے مسئلے پر لڑی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اگر تم دریا کے کنارے بیٹھ کر وضو کر

رہے ہو تو پانی ضائع نہ کرو۔ ظاہر ہے کہ ایک آدمی کے وضو کرنے سے دریا میں پانی کی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اس حکم سے صرف یہ مقصود تھا کہ انسانوں میں خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر و قیمت کا احساس پیدا ہو اور وہ ان نعمتوں کا استعمال اس احساس کے ساتھ کریں کہ ہمیں ان نعمتوں میں سے صرف اتنا ہی حصہ لینا ہے جتنا ہماری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے شدید ضروری ہے۔

صحت اور تعلیم سب کے لیے

ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ سن 2000ء میں ہیومن ڈویلپمنٹ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"انسانوں کی کام کرنے کی صلاحیتوں میں اضافہ کر کے ان کی پسندیدہ اشیاء کو بڑھانے کا عمل۔"

یہ پسندیدہ اشیاء کیا ہیں یقیناً ان میں "آمدنی" کو ایک اہم مقام حاصل ہے لیکن کیا محض "آمدنی" ہی انسان کا مکمل سرمایہ حیات ہے۔ رپورٹ میں نہایت حقیقت پسندانہ طریقے سے یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ ایک انسان کے لیے صحت، تعلیم، اچھا ماحول اور فکر و عمل کی آزادی تمام چیزیں یکساں اہمیت کی حامل ہیں۔

ان چیزوں کو اب انسانی ترقی کے بنیادی عوامل سمجھا جاتا ہے اور جدید اقتصادی ماہرین کا رجحان یہ ہے کہ انسانی ترقی کے بغیر اقتصادی ترقی نامکمل اور ادھوری ہے۔

انسانی ترقی کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ یہ اقتصادی ترقی کے مقابلے میں زیادہ پائیدار ہے۔ لوگوں کی صحت کو بہتر بنا کر ہم آئندہ نسلوں کے لیے بھی بہتر صحت کی ضمانت حاصل کر لیتے ہیں۔ انہیں تعلیم دے کر ہم ایک ایسے فروغ پذیر عمل کا آغاز کرتے ہیں جو مسلسل نشوونما پاتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ترقی کی طرف بڑھتا ہے۔

جدید علم اقتصادیات میں ایک نئی اصطلاح HDI رواج پا رہی ہے جو Human Development Index کا مخفف ہے۔ اس کا ترجمہ ہم انسانی ترقی کا اشاریہ کر سکتے ہیں۔ یہ اشاریہ تین پہلوؤں سے کسی ملک کی ترقی کا جائزہ لیتا ہے۔

i۔ لوگوں کی طویل اور صحت مند زندگی (اس کی پیمائش اوسط عمر سے کی جاتی ہے)

ii۔ لوگوں کی علمی سطح (خواندگی کے معیار اور مقدار کو پیش نظر رکھا جاتا ہے)

iii۔ لوگوں کا اچھا معیار زندگی (اس کا پیمانہ اوسط فی کس سالانہ آمدنی ہے)

سن 2003ء ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ میں ان معیارات کو سامنے رکھ کر دنیا کے 189 ممالک کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان ممالک میں پاکستان 144 ویں نمبر پر آتا ہے۔ اس سے پہلی رپورٹ میں پاکستان کا درجہ 138 تھا۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے 76 فیصد سے زیادہ ملکوں کی تعلیم، صحت اور معیار زندگی کی صورت حال پاکستان کے مقابلے میں بہتر ہے۔ یہ صورت حال ہمارے پالیسی سازوں کے لیے ایک بہت بڑے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔

پاکستان میں اقتصادی منصوبہ بندی کا ایک طائرانہ جائزہ

پاکستان میں اقتصادی منصوبہ بندی کا عمل پچاس کی دہائی میں شروع ہوا۔ پہلا پانچ سالہ منصوبہ مئی 1956ء میں شائع کیا گیا۔ اس کے بعد سات دوسرے منصوبے یکے بعد دیگرے روبہ عمل آئے۔ ان سب کے ہم الگ الگ مختصر جائزہ لے چکے ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN

1950ء کے بعد سے پاکستان کی ترقیاتی حکمت عملی میں مسلسل تبدیلیاں آرہی ہیں۔ 1950ء کی دہائی میں سب سے زیادہ زور صنعتی ترقی پر تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صنعتی ترقی کی رفتار تو تیز رہی لیکن آمدنیوں کا تفاوت ہولناک حد تک بڑھ گیا۔ اس کا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ زرعی شعبہ جو ملکی معیشت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے نظر انداز ہو گیا۔

ساٹھ کی دہائی میں حکمت عملی تبدیل کی گئی اور زراعت کو بھی صنعت جتنی ہی اہمیت دی گئی۔ اس عرصے میں امداد قرضوں اور سرمایہ کاری کی شکل میں آنے والی بیرونی امداد کو ملکی معیشت کی نشوونما کے لیے ضروری خیال کیا گیا ہے۔ یہ پالیسی کامیاب رہی اور ملک نے 7 فیصد سالانہ ترقی کا ہدف حاصل کر لیا۔ لیکن اس سے کچھ مسائل بھی پیدا ہوئے۔ مثلاً غریب اور امیر کے درمیان فرق بہت بڑھ گیا۔ بیرونی امداد پر انحصار بڑھ گیا۔ جو صنعتیں لگائی گئیں وہ صرف اشیائے صرف پیدا کرنے والی صنعتیں تھیں۔ خام مال اور مشینی پرزوں کی درآمد پر خرچ ہونے والے زرمبادلہ کی شرح بڑھ گئی۔ درآمدات زیادہ برآمدات کم ہو گئیں۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان عدم مساوات شدت اختیار کر گئی جس کا نتیجہ بالآخر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی صورت میں نکلا۔

ستر کی دہائی میں ترقیاتی حکمت عملی پر دوبارہ نظر ثانی کی گئی۔ اس میں منصفانہ ترقی کو ہدف بنایا گیا۔ اس مقصد کے لیے 32 بڑے صنعتی یونٹوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔ بعد میں بہت سے چھوٹے صنعتی یونٹ بھی قومی ملکیت میں لیے گئے۔

نیشنلائزیشن کا نتیجہ یہ ہوا کہ نجی سرمایہ کار خوف کا شکار ہو گئے اور سرمایہ کاری کا عمل رک گیا۔ نیشنلائزیشن کی پالیسی بری طرح ناکام ہو گئی۔ صنعتی مشینری تباہ ہو گئی۔ پیداوار کم ہو گئی اور مزدوروں نے کام کے بجائے احتجاج اور توڑ پھوڑ کا راستہ اپنا لیا۔ بیرونی امداد پر انحصار میں اضافہ ہوا۔ قرضوں اور لیے جانے والے قرضوں کی واپسی پر سود کی ادائیگی سب سے بڑا مسئلہ بن گئی۔

غربت کے منحوس پہیے کی حرکت تیز تر ہو گئی۔ ستر کی دہائی کے آخری سالوں میں نیشنلائزیشن کی بجائے پھر پرائیویٹائزیشن کی پالیسی اختیار کی گئی، نجی سرمایہ کاری کے لیے ترغیبات فراہم کی گئیں۔ صنعت اور زراعت کی ترقی میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ قومی بچتوں میں اضافے اور بیرونی سرمایہ کاری پر انحصار میں کمی کی حکمت عملی اختیار کی گئی، سماجی خدمات کا دائرہ وسیع کرنے کا عزم کیا گیا۔ آخری دو دہائیوں میں آنے والی سب سے اہم تبدیلی یہ ہے کہ پہلی بار انسانی وسائل کی ترقی Human Resources Development کی طرف کچھ اشارے کئے گئے ہیں۔ یعنی اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ آمدنی میں اضافے اور خوشحالی کا خواب اس وقت تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا جب تک انسانی وسائل کی ترقی پر توجہ نہ دی جائے اور انسانی وسائل کی ترقی کی سب سے اہم بنیاد بلاشبہ تعلیم ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN 03499815886

مشق

1۔ خالی جگہ ایسے الفاظ سے پُر کیجیے کہ بیان بامعنی ہو جائے۔

1۔ پاکستان کی قومی دولت کا ______ فی صد زراعت سے حاصل ہوتا ہے۔

2۔ پاکستان کی ______ فی صد آبادی دیہات میں آباد ہے۔

3۔ تقسیم ہند کے وقت پاکستان کے حصے میں صرف ____________ کارخانے آئے۔

4۔ پہلا پانچ سالہ منصوبہ سن ____________ میں شروع ہوا۔

5۔ آٹھویں پانچ سالہ منصوبے کا آغاز سن ____________ میں ہوا۔

2۔ ہر سوال کے آگے قوسین میں دیئے گئے تین جوابات میں سے مناسب ترین جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔ ہمارا ملک اپنی زر مبادلہ کی آمدنی کا ____________ سے ____________ فیصد زرعی برآمدات حاصل کرتا ہے

(30-20،60-50،70-80)

2۔ تقسیم کے وقت پاکستان کی آبادی متحدہ ہندوستان کی آبادی کا تقریباً ____________ فیصد تھی۔(50,20,25)

3۔ پاکستان کی معیشت کی پس ماندگی کا ایک اہم بنیادی سبب ____________ کی پس ماندگی ہے۔ (زراعت، صحت، ٹرانسپورٹ)

4۔ دوسرے پانچ سالہ منصوبے میں قومی آمدنی میں اضافے کی شرح 24 فیصد کے ہدف کی بجائے ____________ فیصد رہی۔

(48،38،28)

5۔ پاک بھارت جنگ سن ____________ میں ہوئی۔ (1992،1975،1965)

3۔ ص (صحیح) یا غ (غلط) کے اوپر دائرہ لگا کر درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ ہماری تقریباً 30 فیصد دیہی آبادی نیم بے روزگاری کی حالت میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ ص غ

2۔ دیہات میں خواندگی کا تناسب شہروں کے مقابلے میں تقریباً نصف ہے۔ ص غ

3۔ ہم ایک صارفین کا معاشرہ ہیں۔ ص غ

4۔ دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے دوران قومی آمدنی میں 24 فیصد اضافہ ہوا۔ ص غ

5۔ پانچواں پانچ سالہ منصوبہ مشرقی پاکستان کے بحران کی وجہ سے ترک کرنا پڑا۔ ص غ

4۔ کالم الف کے اندراجات کو کالم ب سے لائن کے ذریعے اس طرح ملایئے کہ دونوں کا تعلق واضح ہو جائے۔

کالم الف	کالم ب
سامان اور خدمات کی خرید و فروخت	وسائل
قدیم زرعی طریقے	کمپیوٹر
ای کامرس	کامرس
انفرمیشن ٹیکنالوجی	زرعی پیداوار میں کمی
انسانی ترقی میں مددگار عوامل	انٹرنیٹ

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD KHAN-0349-3815886

5۔ ہر سوال کا جواب دو سے پانچ سطور میں لکھیے۔

1۔ پروفیسر آرتھر لیوس کے الفاظ میں اقتصادی منصوبہ کی تعریف نقل کیجیے۔

2۔ تقسیم ہند کے وقت صنعتی ترقی کے لحاظ سے پاکستان کی کیا حالت تھی؟

3۔ ٹریڈ اور کامرس کی تعریف کیجیے۔

4۔ ای کامرس پر مختصر نوٹ لکھیں۔

5۔ آئی ٹی سے کیا مراد ہے؟

6۔ قدرتی وسائل کی اقسام بیان کیجیے۔

7۔ HDI سے کیا مراد ہے؟ HDI کے اعتبار سے پاکستان کا درجہ کیا ہے؟

8۔ نیشنلائزیشن کی پالیسی کے قومی معیشت پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟

9۔ HRD کیا ہے اس کی اہمیت بیان کریں۔

10۔ توانائی کی بچت کی اہمیت رسول اللہ ﷺ کی مثال سے واضح کیجیے۔

6۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

1۔ ترقی کے لیے منصوبہ بندی کیوں ضروری ہے؟

2۔ پاکستان کی معیشت میں زراعت کی اہمیت بیان کیجیے۔

3۔ پاکستان میں صنعتی ترقی کا پس منظر اور قومی ترقی میں صنعتوں کی اہمیت بیان کیجیے۔

4۔ ٹریڈ اور کامرس سے کیا مراد ہے؟ ای کامرس کی اہمیت بھی بیان کیجیے۔

5۔ دور جدید میں انفرمیشن ٹیکنالوجی (IT) کی کیا اہمیت ہے؟

6۔ پاکستان کے پہلے سالہ منصوبے کی حکمت عملی، اہداف نیز کامیابیوں اور ناکامیوں پر روشنی ڈالیے۔

نوٹ: اس طرح کا سوال باقی تمام منصوبوں میں سے کسی کے بارے میں پوچھا جا سکتا ہے۔

7۔ قدرتی وسائل کے تحفظ اور ترقی کی اہمیت بیان کیجیے۔

8۔ ”صحت اور تعلیم سب کے لیے“ کے موضوع پر ایک مختصر مضمون لکھیے۔

9۔ پاکستان میں آج تک کی جانے والی اقتصادی منصوبہ بندی کا ایک طائرانہ جائزہ لیجیے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMED KHAN

10

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی خارجہ حکمتِ عملی

پڑھیں

خارجہ پالیسی کی تعریف:۔

ہمارے دور میں دنیا قوموں اور ملکوں کی ایک برادری کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ دنیا میں کوئی بھی ریاست الگ تھلگ رہ کر اور دوسروں سے کٹ کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ ہر ریاست اس بات پر مجبور ہے کہ وہ دوسری ریاستوں سے تعلقات قائم کرے۔ خارجہ پالیسی اس طرزِ عمل کا نام ہے جو ایک ریاست دوسری ریاستوں یا عالمی اداروں سے تعلقات قائم کرتے ہوئے اختیار کرتی ہے۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول:۔

پاکستان کی جارجہ پالیسی پانچ بنیادی اصول پر مبنی ہے:

i۔ عالمی امن کے قیام کی کوششوں میں اقوام متحدہ اور دیگر عالمی اداروں سے تعاون۔

ii۔ دنیا کی تمام قوموں سے دوستانہ تعلقات۔

iii۔ غیر جانبداری۔

iv۔ اسلامی ممالک سے خصوصی تعلقات۔

v۔ علاقائی تعاون۔

vi۔ اقتصادی ترقی

پاکستان کی خارجہ پالیسی کے مقاصد اور اہداف۔

1۔ قومی آزادی اور خود مختاری کا تحفظ:۔

پاکستان کے مسلمانوں نے انگریز اور ہندو سے اس لیے آزادی حاصل کی تھی کہ وہ ایک قوم کی حیثیت سے آزاد نہ زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ 1965ء اور 1971ء کی جنگیں ہمیں اپنی آزادی کی حفاظت کے لیے لڑنا پڑیں۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی میں قومی آزادی کو ہمیشہ سب سے بنیادی اصول کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN 03499

2۔دوسری قوموں کے حق خودارادیت کی حمایت:۔

پاکستان نے نہ صرف اپنی آزادی کی حفاظت کی بلکہ دنیا میں جہاں کہیں بھی کسی قوم نے آزادی کا مطالبہ کیا اور حق خوداختیاری کے لیے آواز اٹھائی پاکستان نے اس کا ساتھ دیا۔ ماضی میں ہم نے کمپوچیا، جنوبی افریقہ، بوسنیا، لیبیا، انڈونیشیا، اریٹریا اور بہت سے دوسرے افریقی اور ایشیائی ممالک کی تحاریک آزادی کی حمایت کی۔ آج بھی ہم فلسطین اور کشمیری عوام کی آزادی کے لیے پوری قوت سے آواز اٹھا رہے ہیں۔

3۔بین الاقوامی تعاون:۔

پاکستان اپنے قیام کے اگلے ہی ماہ اقوام متحدہ کا ممبر بن گیا تھا۔ پاکستان نے اقوام متحدہ کے ممبر کی حیثیت سے ہمیشہ اس بات کی حمایت کی ہے کہ ملکوں کے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں کو جنگ کے بجائے گفت وشنید کے ذریعے طے کیا جائے۔ پاکستان نے دنیا کے کئی ممالک کے درمیان گفت وشنید کے ذریعے مصالحت کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ مثلاً پاکستان نے "مسلم امہ امن کمیٹی" کے ممبر کی حیثیت سے ایران اور عراق کے درمیان جنگ بند کرانے کے لیے مسلسل کوششیں کیں۔

4۔غیر جانبداری:۔

دنیا کے ممالک کو دو بڑے بلاکوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ سوشلسٹ بلاک اور سرمایہ دار بلاک۔ پاکستان کا بنیادی نظریہ اسلام، دونوں بلاکوں کے نظریات سے مختلف ہے۔ اس لیے پاکستان نظریاتی طور پر کسی بلاک کا حصہ نہیں رہا۔ عملی طور پر پاکستان کی یہ خواہش رہی ہے کہ قومی مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے تمام ممالک سے دوستانہ تعلقات قائم رکھے جائیں۔ 1979ء میں پاکستان غیر جانبدار تحریک کا ممبر بن گیا۔

5۔علاقائی تعاون:۔

پاکستان کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ اپنے ہمسایہ ممالک سے بہتر تعلقات قائم کئے جائیں۔ ایران اور ترکی کے ساتھ پاکستان علاقائی تعاون برائے ترقی (آرسی ڈی) کے معاہدے میں شریک ہوا۔ اب اس ادارے کا نام ECO ہے اور وسطی ایشیا کی مسلم ریاستیں بھی اس کی ممبر ہیں۔ چین کے ساتھ پاکستان کے گہرے دوستانہ تعلقات ہیں۔ بھارت سے تعلقات بہتر بنانے کے لیے بہت سے کوششیں کی جا رہی ہیں، پاکستان نے بھارت کو جنگ نہ کرنے کے معاہدے کی پیشکش بھی کی لیکن بھارت نے اس کا کوئی مثبت جواب نہیں دیا۔

6۔عالم اسلام کا اتحاد:۔

دنیا کی مسلمان مملکتوں سے اتحاد کے رشتے کو مضبوط بنانا نظریۂ پاکستان کا ایک اہم تقاضا ہے۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ اتحاد عالم اسلامی کے زبردست علمبردار تھے۔ پاکستان کے آئین میں یہ بات ریاست کی بنیادی پالیسی کے طور پر درج کی گئی ہے کہ اسلامی ممالک سے پاکستان کے تعلقات کو خاص طور پر مضبوط بنایا جائے گا۔ اس وقت دنیا کے تمام اسلامی ممالک سے پاکستان کے بہت گہرے دوستانہ تعلقات قائم ہیں۔ پاکستان اسلامی کانفرنس سمیت تمام بین الاسلامی اداروں کا نہایت اہم ممبر ہے۔ پاکستان نے ہمیشہ فلسطین، قبرص، کشمیر اریٹریا اور بوسنیا غرضیکہ دنیا کے ہر حصے میں، مسلمانوں کی آزادی کی تحریکوں کی حمایت کی اور انہیں ہر ممکن اخلاقی اور سفارتی مدد دی ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN

7۔اقتصادی ترقی:۔

پاکستان بنیادی طور پر ایک ترقی پذیر ملک ہے۔اس لیے پاکستان معاشی خود کفالت کے حصول کے لیے دیگر ممالک سے دوستانہ تعلقات کا خواہاں ہے۔ جن کے ساتھ تجارت کے ذریعے معاشی ترقی کا حصول ممکن بنایا جاسکے۔امریکہ، چین، یورپی ممالک کے ساتھ قریبی تعلقات کی بڑی وجہ اقتصادی تعاون ملے۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی کا رخ متعین کرنے والے عوامل:۔

کسی بھی ملک کی پالیسی خلا میں بیٹھ کر مرتب نہیں کی جاتی یہ بعض حالات کے تابع ہوتی ہے۔وہی خارجہ پالیسی کامیاب سمجھی جاتی ہے جس کی بنیاد مفروضوں اور خواہشات کی بجائے زمینی حقائق اور زمانی تقاضوں پر رکھی گئی ہو۔بلاشبہ ہمارے لوگوں کے کچھ آدرش اور عقائد ہیں لیکن ہمیں ان آدرشوں کو بروئے کارلانے کے لیے عملی حقائق کو پیش نظر رکھنا ہے۔وہ عوامل جو پاکستان کی خارجہ پالیسی کا رخ متعین کرتے ہیں، درج ذیل ہیں۔

1۔نظریۂ پاکستان:۔

پاکستان ایک نظریے یا عقیدے کی بنیاد پر وجود میں آیا۔قیام پاکستان کا مقصد جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو ایک ایسا آزاد وطن فراہم کرنا تھا جس میں رہتے ہوئے وہ اپنی جمہوری امنگوں کو بروئے کار لاسکیں۔کوئی منفی نظریہ جس کی بنیاد انسانیت کی تخریب اور کسی گروہ کی دشمنی پر دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔نظریۂ پاکستان بھی بلاشبہ ایک مثبت نظریہ ہے۔بانیان پاکستان مسلمانوں کے جداگانہ تشخص پر زور دیتے رہے لیکن انہوں نے کسی قوم کی دشمنی کو اپنی جدوجہد کی بنیاد نہیں بنایا۔ نظریہ پاکستان کا تقاضا ہے کہ سب قریبی ہمسایہ ممالک کے ساتھ اچھی ہمسائیگی کے تعلقات کو فروغ دیا جائے۔رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اصول قائم کر دیا تھا کہ اگر امن قائم کرنے کے لیے ایک فریق اپنے ناجائز موقف سے پیچھے نہ ہٹ رہا ہو تو دوسرے کو یک طرفہ ایثار سے کام لے کر اپنے جائزہ موقف سے پیچھے ہٹ جانا چاہیے۔بعض اوقات قومیں جنگ وجدال کے ذریعے کچھ بھی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتیں۔لیکن امن کے ذریعے انسانیت کا نقصان کیے بغیر وہ سب کچھ حاصل کر لیتی ہیں (فتح مکہ اس کی سب سے روشن مثال ہے)۔

2۔علاقائی حقائق:۔

پاکستان دنیا کے ایک ایسے خطے میں واقع ہے جو قیام پاکستان سے پہلے ہی بڑی طاقتوں کی کشمکش کی آماج گاہ بن چکا تھا۔سویت یونین کی شکست کے بعد دنیا کی سیاحت میں دور رس تبدیلیاں آئیں لیکن پاکستان کی اہمیت میں کوئی کمی نہیں آئی۔نئی دنیا کی تیزی سے ابھرتی ہوئی اقتصادی طاقت، چین سے پاکستان کے تعلقات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔گذشتہ کئی دہائیوں سے افغانستان میں تیزی سے تبدیلیاں آرہی ہیں۔ایران بھی 1979ء کے انقلاب کے بعد قدامت اور جدیدیت کی کشمکش سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔وسطی ایشیا کی ریاستیں سمندر تک رسائی کے لیے پاکستان کی مرہونِ منت ہیں۔پھر ان کا پاکستان سے مذہب کا رشتہ بھی ہے۔یہ وہ تمام حقائق ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے ایک متوازن اور ترقی پذیر خارجہ پالیسی تشکیل دینا بلاشبہ پاکستان کے پالیسی سازادروں کے لیے بڑا چیلنج ہے۔

3۔اسلامی تشخص:۔

پاکستان ایک وسیع تر اسلامی برادری کا رکن ہے۔افریقہ سے مشرق بعید تک پھیلے ہوئے اسلامی ممالک کی لڑی میں پاکستان کو ایک مرکزی مقام حاصل ہے۔بانیٔ پاکستان سے لے کر موجودہ قیادت تک پاکستان کی ہر قیادت نے مسلم ممالک سے پاکستان کے رشتۂ اتحاد کو خصوصی اہمیت دی ہے۔دوسری طرف دنیا کے دوسرے ممالک بھی خواہ وہ عرب ہوں یا غیر، عرب (مثلاً ایران، ترکی، غیر عرب، افریقی ممالک، انڈونیشیا، ملائشیا اور وسطی ایشیا کی مسلم ریاستیں) اتحاد عالم اسلامی

کے معاملے میں پاکستان کو رہنمائی کے منصب کا اہل سمجھتے ہیں۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ اپنے تحفظ اور ترقی کے تقاضوں کو اوّلیت دیتے ہوئے عالم اسلام کے مثبت اتحاد کے لیے کوشاں رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے تحت مکہ کی مشرک حکومت کے جبر کا شکار مسلمانوں کو مدینہ کی اسلامی ریاست سے کوئی مدد پہنچانے سے انکار فرمادیا تھا اور ان کو ہدایت فرمادی تھی کہ وہ مکہ کی ریاست کے پابند قانون شہری بن کر رہیں۔ اگرچہ اس وقت تک یہ ایک تلخ اور ناگوار فیصلہ تھا لیکن وقت نے ثابت کیا کہ ایک اسلامی ریاست خود کو امن اور تعمیری عمل کے ذریعے مستحکم کر کے دنیا کے باقی مسلمانوں کو جو فائدہ پہنچا سکتی ہے وہ ان کو اشتعال دلا کر بغاوت پر اکسا کر نہیں پہنچا سکتی۔ پر امن حکیمانہ اور صابرانہ جدوجہد کا آخری نتیجہ فتح مکہ ہے اور اشتعال اور بے صبری کا نتیجہ وہ تباہی جس سے موجود دنیا کے مسلمان دوچار ہیں۔ پاکستان کے پالیسی سازوں کو اپنی خارجہ پالیسی مرتب کرتے وقت ان حقائق کو ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیے۔

پاکستان کے خارجہ تعلقات، پاکستان اور عوامی جمہوریہ چین

پاکستان کا عظیم شمالی ہمسایہ عوامی جمہوریہ چین آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ ماؤزے تنگ کی قیادت میں عوامی جمہوریہ چین کا قیام یکم اکتوبر 1949ء کو عمل میں آیا۔ جنوری 1950ء پاکستان نے عوامی جمہوریہ چین کی انقلابی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ عوامی جمہوریہ چین کے قائم ہو جانے کے بعد طویل عرصے تک اقوام متحدہ میں چین کی نمائندگی کا حق چیانگ کائی شیک کی نیشنلسٹ حکومت کو حاصل رہا جو کمیونسٹوں سے شکست کھانے کے بعد تائیوان میں پناہ گزین ہو گئی تھی۔ پاکستان نے 1950ء میں یہ موقف اختیار کیا کہ اقوام متحدہ میں چین کی نمائندگی کا حق پیپلز ری پبلک آف چائنا کی کمیونسٹ حکومت کو حاصل ہے۔ 1950ء میں چین نے تبت پر قبضہ کرنے کے لیے کارروائی کی تو پاکستان غیر جانبدار رہا۔ 1954ء میں پاکستان سیٹو اور 1955ء میں سینٹو معاہدوں کا رکن بن کر امریکہ کا باضابطہ اتحادی بن گیا۔ 1955ء میں بنڈونگ میں ہونے والی غیر جانبدار کانفرنس میں پاکستان کے وزیر اعظم محمد علی بوگرہ نے چین کے وزیر اعظم چواین لائی سے ملاقات کر کے ان کو یقین دہانی کرائی کہ سینٹو اور سیٹو معاہدوں میں شرکت چین کے خلاف نہیں ہے چواین لائی نے کانفرنس میں اپنی تقریر کے دوران اس وضاحت پر باضابطہ پاکستان کا شکریہ ادا کیا۔ 1959ء میں پاکستان نے امریکی موقف کی حمایت کرتے ہوئے پہلی مرتبہ عوامی جمہوریہ چین کو اقوام متحدہ کا ممبر بنانے کے خلاف ووٹ دیا تو چین کی حکومت نے اس پر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا اور مسئلہ کشمیر پر بھارت کی حمایت سے گریز کیا۔ دراصل چین کی دانشمندانہ قیادت محسوس کر رہی تھی کہ بھارت کی حکومت خطے میں بالادستی کے جنون میں مبتلا ہے اگر چین بھارت کے چیلنج کو قبول کر کے اس کے ساتھ جنگ جوئی کی پالیسی اختیار کرتا ہے تو وہ اپنی کثیر آبادی کے لیے خوش حالی اور اقتصادی ترقی کے عظیم چیلنج سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکے گا لہٰذا اس نے بھارت سے براہ راست اُلجھنے سے گریز کیا۔ چین کی حوصلہ افزائی اور امداد سے پاکستان کو وہ قوت حاصل ہوئی کہ وہ بھارت کے لیے موثر خطرہ بن سکا۔ اس کا فائدہ بالواسطہ طور پر چین کو پہنچا کیونکہ اس طرح چین بھارتی خطرے سے محفوظ ہو گیا۔

1962ء میں سرحدوں کے تعین کے مسئلے پر بھارت چین لڑائی میں چین نے بھارت کو مختصر اور تیز رفتار فوجی کاروائی کے ذریعے اچھا سبق سکھایا لیکن اس مسئلے کو طول دینے کی کوشش نہیں کی۔ دوسری جانب پاکستان نے چین کے ساتھ اپنے سرحدی تنازعات کو حل کرنے کی پیشکش کی جس کے نتیجے میں فروری 1963ء میں دونوں ملکوں کے درمیان سرحدی معاہدہ طے پا گیا۔ بھارت اس بات پر خوش تھا کہ اسے چین سے شکست کھانے کے بعد مغرب سے بڑے پیمانے پر فوجی امداد ملنا شروع ہو گئی لیکن دراصل بھارت کی یہ سوچ دانشمندانہ نہیں تھی۔ پاکستان اور بھارت نے ایک مشکل ترین ہدف کے لیے کافی جانی اور مالی نقصان اٹھایا۔ وہ ناقابل حصول ہدف کے پیچھے بھاگتے رہے اور ان کے عوام غربت اور جہالت کی پست ترین سطح سے بھی نیچے اترتے چلے گئے۔

1963ء میں پاکستان اور چین کے درمیان ایئر ٹرانسپورٹ کا پہلا معاہدہ ہوا۔ 1964ء میں چین نے کشمیر کے معاملے پر پاکستان کے موقف کی کھلم کھلا حمایت شروع کر دی۔ اس کے جواب میں پاکستان نے چین کو اقوام متحدہ کا رکن بنانے کی حمایت کی پالیسی اپنائی۔

1965ء کی جنگ میں چین نے بھارت کے مقابلے میں پاکستان کی کھل کر حمایت کی۔ البتہ 1971ء کی جنگ میں چین روسی مخالفت کے پیش نظر پاکستان کی کھل کر حمایت نہ کر سکا۔ لیکن اس نے جنگ کے بعد پاکستان کو وسیع پیمانے پر فوجی اور اقتصادی امداد دی۔

عوامی جمہوریہ چین کے قیام کے وقت چین امریکہ تعلقات بہت کشیدہ تھے۔ امریکی صدر نکسن نے مفاہمت کی ضرورت محسوس کی، دوسری طرف چینی قیادت کے رویے میں بھی نرمی آگئی۔ ان حالات میں پاکستان نے دونوں ملکوں کو قریب لانے میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر پاکستان سے خفیہ طور پر پرواز کر کے چین پہنچے جس سے دونوں ملکوں کے تعلقات کا آغاز ہوا۔ امریکی مخالفت ختم ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے قیام کے 21 سال بعد عوامی جمہوریہ چین اقوام متحدہ کا ممبر بننے میں کامیاب ہوا۔ دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی اور ثقافتی تعاون کے معاملات و معاہدات کی فہرست بہت طویل ہے۔ سربراہی دوروں میں سب سے اہم دورہ چین کے وزیر اعظم چو این لائی کا دورۂ پاکستان تھا جو انھوں نے 1956ء میں کیا۔ وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کا فروری 1972ء کا دورہ چین بھی خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔

1972ء سے لے کر آج تک چین پاکستان کا انتہائی قابل اعتماد دوست رہا ہے۔ دونوں ممالک کی دوستی کے اس سفر میں بہت سے نازک لمحات آئے۔ اس کے باوجود باہمی تعلقات ہر دور میں مستحکم تر ہوتے چلے گئے۔ ان تعلقات کا دائرہ سفارتی سطح کے ساتھ ساتھ دیگر شعبوں تک پھیل گیا۔ ان میں سائنسی، تکنیکی، تعلیمی اور دفاعی شعبے میں شامل ہیں۔ باہمی تعاون کی بہترین مثالیں درج ذیل ہیں۔

1۔ شاہراہ قراقرم کی تعمیر:۔

1978ء میں شاہراہ قراقرم کے افتتاح سے دونوں ملکوں کے درمیان دوستی کے نئے باب کا اضافہ ہوا۔ شاہراہ قراقرم کے ذریعے دونوں ممالک کے درمیان زمینی رابطہ ممکن ہوا۔ اور اس سے باہمی تجارت کو بے پناہ فروغ حاصل ہوا۔ اس کی تعمیر کے دوران لاتعداد پاکستانی اور چینی کارکنوں نے اپنی جان نذرانہ پیش کیا۔ شاہراہ قراقرم کی لمبائی 900 میٹر سے زیادہ ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN

2۔ پاکستان ایروناٹیکل کمپلیکس۔ کامرہ:۔

جہاں جنگی طیاروں کی مرمت کے علاوہ مشاق طیارے تیار کیے جاتے ہیں۔

3۔ گوادر بندرگاہ کا منصوبہ:۔

اس منصوبے کی پاکستان کے لیے ایک خصوصی اہمیت ہے۔ اس منصوبے کی تکمیل سے جہاں پاکستان کے تجارتی روابط وسط ایشیا کی ریاستوں سے استوار ہوں گے وہاں یہ ملک کے اندر ایک نیا معاشی انقلاب برپا کرے گا۔ اس کے علاوہ پاکستان کے پاس کراچی کے ساتھ ایک متبادل بندرگاہ معاشی نقطۂ نظر کے ساتھ ساتھ دفاعی لحاظ سے انتہائی اہمیت کی حامل ہوگی۔

4۔ سینڈک پروجیکٹ :۔

بلوچستان میں تانبے کے وسیع ذخائر جو مالی وسائل اور تکنیکی مہارت کی عدم دستیابی کے سبب آج تک استعمال میں نہ لائے جاسکے تھے۔ چین کے تعاون سے اس منصوبے کو قابل عمل بنایا جارہا ہے۔

5۔ پاکستان ریلوے سے تعاون :۔

چین کے تعاون سے پاکستان ریلوے کے نظام کو جدید تقاضوں کے مطابق ترقی دی جارہی ہے۔ حال ہی میں قراقرم ایکسپریس کے نام سے ایک نئی ٹرین متعارف کروائی گئی۔ جو بین الاقوامی معیار کے مطابق تمام سہولتوں سے آراستہ ہے۔

6۔ ایٹمی شعبے میں تعاون :۔

چین کے تعاون سے پاکستان میں ایٹمی بجلی گھر تعمیر کیے گئے ہیں جو توانائی کے متبادل ذرائع کے طور پر پرامن مقاصد کے لیے استعال کیے جارہے ہیں۔

مندرجہ بالا نمایاں خصوصیات کے حامل منصوبوں کے علاوہ بے شمار ایسے اور منصوبے ہیں جن میں چین کی معاونت کسی نہ کسی صورت میں شامل ہے۔ دونوں ملکوں کے تعلقات انتہائی دوستانہ اور مثالی ہیں۔ جو پرامن بقائے باہمی کے اصولوں پر مبنی ہیں اور کسی تیسرے ملک کے خلاف عزائم میں ملوث نہیں ہیں۔

پاکستان اور بھارت

1947ء میں تقسیم ہند کے فارمولے پر عملدرآمد کے دوران ہی بھارت اور پاکستان کے درمیان کشمیر کے مسئلے کا تنازعہ پیدا ہوگیا۔ تنازعۂ کشمیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشترک سرحد کے باوجود دونوں ملکوں کے درمیان کبھی اچھی ہمسائیگی کے تعلقات قائم نہ ہوسکے۔

دونوں ملکوں کے درمیان قیام امن کی بہت سی کوششیں ہوئیں۔ مثلاً اقلیتوں کے تحفظ کا 1950ء کا نہرو لیاقت معاہدہ۔ 50-1949ء میں بھارت نے جنگ نہ کرنے کے معاہدے کی پیش کش کی اس کے جواب میں پاکستان نے دونوں ملکوں کے مشترکہ دفاع کی تجویز پیش کی لیکن اس کو مسئلہ کشمیر کے حل سے مشروط رکھا۔ یہ تجویز بھارت کے لیے قابل قبول نہیں تھی اس لیے 1963ء میں واپس لے لی گئی۔

1954ء اور 1955ء میں پاکستان سیٹو (Seato) اور سینٹو (Cento) کا ممبر بن گیا۔ یہ دونوں دفاعی معاہدے دراصل سوویت یونین کے خلاف تھے۔ جن میں امریکہ پاکستان کو روس کے خلاف فرنٹ لائن سٹیٹ کے طور پر سامنے لانا چاہتا تھا۔ ان معاہدوں کے تحت پاکستان کو امریکہ سے بھاری فوجی امداد ملی۔ اس امداد کو بھارت نے اپنے لیے خطرہ محسوس کیا اور پاک بھارت کشیدگی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کے جواب میں بھارت نے 1954ء میں عوامی جمہوریہ چین سے دوستی کا معاہدہ کرلیا لیکن بھارتی قیادت کے غیر دانشمندانہ اقدامات کے باعث یہ دوستی زیادہ دن نہ نبھ سکی۔ 1962ء میں چین اور بھارت کے درمیان جنگ ہوئی جس میں بھارت کو شکست ہوئی۔ لیکن بھارت کی اس شکست سے پاکستان اور بھارت کی قیادت نے جو نتائج اخذ کئے وہ بہت مہلک تھے۔ پاکستان کی قیادت میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ بھارت پاکستان کے لیے بھی قابل تسخیر ہے جبکہ بھارت کی قیادت نے چین کے ہاتھوں اٹھائی جانے والی ذلت کا بدلہ پاکستان سے لینے کا فیصلہ کیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815686

1965ء کی پاک بھارت جنگ اسی گمراہ کن نفسیاتی کیفیت کا نتیجہ تھی۔ اس جنگ میں جو 6 ستمبر سے شروع ہوئی اور سترہ روز جاری رہی دونوں ملکوں نے بھاری نقصان اٹھایا۔ لیکن اس نقصان سے سبق سیکھ کر کوئی مثبت طرزِ عمل اختیار کرنے کی بجائے بھارت میں فوجی قوت کو مزید بڑھانے اور ایٹمی قوت بننے کا جنون پیدا ہوا۔ جس کے نتیجے میں پاکستان میں بھی ایسا ہی ردعمل پیدا ہوا۔ پاکستان کا ایٹمی پروگرام ردعمل کی اسی نفسیات کا نتیجہ تھا۔

1971ء تک پاکستان اور بھارت کے درمیان فوجی عدم توازن بہت بڑھ چکا تھا۔ بھارت ابتدا ہی سے مشرقی پاکستان میں علیحدگی کی تحریکوں کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔ 1970ء کے انتخابات کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جس سیاسی تدبر اور حوصلہ مندی کی ضرورت تھی پاکستان کے حکمران اور سیاستدان اس کا مظاہرہ نہ کرسکے۔ جس کے نتیجے میں 1971ء میں مشرقی بازو پاکستان سے الگ ہو گیا۔ 1972ء میں شملہ کے مقام پر پاکستان کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو اور بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کے درمیان مذاکرات ہوئے اور ایک معاہدہ طے پایا۔ اس معاہدے کی رو سے بھارت نے پاکستان کے جنگی قیدی رہا کر دیئے۔ دونوں ملکوں نے مسئلہ کشمیر سمیت اپنے تمام تنازعات باہمی گفت وشنید اور پرامن طریقے سے طے کرنے پر اتفاق کیا۔

1974ء میں جب بھارتی حکومت نے راجستھان میں پہلا ایٹمی دھماکہ کیا تو پاکستان میں شدید عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوا۔ جس کے نتیجہ میں پاکستانی ایٹمی صلاحیت کا حصول عمل میں آیا۔ وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ دونوں ملکوں کے لوگوں کو ایٹمی ٹیکنالوجی کی قیمت ادا کرنے کے لیے واقعی اپنے معیار زندگی کی قربانی دینا پڑی۔

1980ء کے بعد جب بھارتی پنجاب میں سکھوں کی خالصتان تحریک نے زور پکڑا تو بھارت نے پاکستان پر سکھوں کی پشت پناہی کا الزام لگایا۔ اکتوبر 1984ء میں ایک سکھ کے ہاتھوں اندرا گاندھی کے قتل کے بعد پاکستان اور بھارت کے تعلقات بے حد کشیدہ ہو گئے۔ اندرا گاندھی کے بیٹے اور جانشین وزیراعظم راجیو گاندھی نے پاکستان پر اپنی والدہ کے قتل میں ملوث ہونے کا الزام لگایا۔ یہاں تک کہ 1987ء میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب یہ محسوس ہونے لگا کہ دونوں ملکوں میں کسی بھی وقت جنگ چھڑ سکتی ہے لیکن اس وقت کے صدر ضیاء الحق کرکٹ میچ دیکھنے بھارت گئے اور انہوں نے راجیو گاندھی سے ملاقات کر کے جنگ کے خطرے کو ٹال دیا۔

1988ء میں پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کے بعد پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں بہتری کا عمل شروع ہوا۔ 1988ء میں وزیراعظم پاکستان بے نظیر بھٹو اور بھارت کے وزیراعظم راجیو گاندھی کے درمیان ملاقات ہوئی اور ایک دوسرے کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہ کرنے اور سیاچن سے فوجوں کی واپسی کا معاہدہ طے پایا۔ لیکن 1990ء میں جب مقبوضہ کشمیر میں بھارتی قبضے کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز ہوا تو بھارت نے پاکستان پر دراندازی کا الزام لگایا اور ریاست میں مزید فوج بھیج دی۔ 1997ء تک دونوں ملکوں کے تعلقات میں بہت سے نشیب و فراز آئے لیکن غالب رجحان محاذ آرائی کا ہی رہا۔ 1997ء میں بھارتی وزیراعظم آئی کے گجرال اور پاکستانی وزیراعظم محمد نواز شریف نے صلح جوئی کے عمل کی طرف کچھ پیش قدمی کی۔ لیکن حکومتوں کی تبدیلی کے بعد یہ عمل تعطل کا شکار ہو گیا۔ 1999ء میں بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی بذریعہ بس پاکستان آئے۔ ان کے دورے پر پاکستان کی سخت موقف رکھنے والی جماعتوں کے احتجاج کے باعث اس دورے سے مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو سکے۔ مئی 1999ء میں کشمیری آزادی پسندوں نے کارگل دراس سیکٹر میں ایک اہم چوکی پر قبضہ کر لیا۔ پاکستان پر اس کاروائی کی پشت پناہی کا الزام لگایا گیا۔ بھارتی فوج نے کشمیری مجاہدین کو پاکستانی قرار دے کر لائن آف کنٹرول عبور کرنے کا الزام لگاتے ہوئے لائن آف کنٹرول کو عبور کر کے کچھ پاکستانی علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ یہ مجاہدین بھارت کی فوجی لحاظ سے نہایت اہم سڑک لداخ سیاچن شاہراہ پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد بھارت نے اس علاقے میں اپنی فوج کی تعداد میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔

2001ء میں پاکستان کی قیادت نے غیر مشروط مذاکرات کی کئی بار پیشکش کی جن کا بھارت نے مثبت جواب نہیں دیا۔ اس سے پہلے اکتوبر 1999ء میں بھارتی وزیر اعظم نے صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کو بھارت آکر مذاکرات کی دعوت دی۔ جو انہوں نے قبول کرلی۔ ان کے چار روزہ دورے کا آغاز 14 جولائی 2001ء سے ہوا۔ دونوں سربراہوں کے درمیان آگرہ کے مقام پر ملاقات 14 جولائی 2001ء کو ہوئی۔ طویل غور و فکر اور کشمیر سمیت متعدد موضوعات پر گفتگو کے بعد جب ایک مشترکہ اعلامیہ تیار کرلیا گیا تو بھارت کے سخت موقف رکھنے والے وزیر داخلہ اور وزیر خارجہ نے اعلامیہ کی عبارت میں کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کے لیے سرحد پار دراندازی کے الفاظ شامل کروادیئے اور پاکستانی صدر کے لیے یہ ناممکن بنادیا کہ اس اعلامیے پر دستخط کرسکتے۔

ایک سال کی سرد مہری کے بعد 2003ء کے آخری مہینوں میں ایک بار پھر صلح جوئی کے عمل کی طرف بعض مثبت اقدامات کیے گئے جن میں اہم ترین پیش رفت سارک سربراہ کانفرنس ہے جو 2004ء میں اسلام آباد میں منعقد ہوئی اور اس میں دیگر سربراہان کے علاوہ بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی نے بھی شرکت کی۔ کانفرنس کے دوران بھارتی وزیر اعظم کے صدر پاکستان اور وزیر اعظم پاکستان کے ساتھ اہم مذکرات ہوئے۔ ان مذاکرات کے نتیجے میں دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی میں کمی آئی اور باہمی تعلقات میں نمایاں بہتری کے آثار پیدا ہوئے ہیں۔ دانشوروں فنکاروں اور سیاستدانوں کے دوروں سے فضا میں ایک مثبت تبدیلی آرہی ہے۔ مارچ اپریل 2004ء میں ہونے والی کرکٹ سیریز اس سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ (SAF) سیف گیمز کا اسلام آباد میں انعقاد ہوا جو کئی برس سے التوا میں تھا۔

پاکستان اور ایران

پس منظر:۔

موجودہ پاکستان جس علاقے پر مشتمل ہے اس علاقے کے ایران سے تعلقات کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی تاریخ۔ ابتدائی دور اسلام میں وہ بیشتر مسلمان مبلغین اور صوفیا جن کے وسیلے سے اس خطے میں اسلام کی روشنی پھیلی۔ ایران کے راستے ہی برصغیر میں وارد ہوئے۔ بعد کے دور حکومتی اور اور عوامی سطح پر ان دو مسلم خطوں کے درمیان تعلقات میں تیزی سے ترقی ہوئی۔ ایران کی زبان فارسی مسلمان حکومتوں کے دور میں صدیوں تک ہندوستان کی سرکاری اور علمی زبان رہی۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بجا طور پر فرمایا تھا کہ اسلامی اخوت کی بنیاد پر پاکستان جن ملکوں سے دوستی اور تعاون کی امید رکھ سکتا ہے ان میں ایران سرفہرست ہے۔

سفارتی اور سیاسی روابط:۔

1۔ آزادی کے بعد پاکستان کو تسلیم کرنے والا سب سے پہلا ملک ایران تھا۔

2۔ مئی 1949ء میں پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے ایران کا دورہ کیا جس کے جواب میں مارچ 1950ء میں شہنشاہ ایران نے پاکستان کا دورہ کیا۔

3۔ 1955ء میں پاکستان، ایران، ترکی اور عراق کے درمیان معاہدہ بغداد عمل میں آیا۔

4۔ عراق اس معاہدے سے الگ ہوگیا تو اسے Cento کا نام دیا گیا۔ (یہ معاہدہ مارچ 1979ء میں ختم ہوگیا)۔

5۔ 1963ء میں شہنشاہ ایران کی کوششوں سے پاکستان اور افغانستان کے منقطع سفارتی تعلقات بھی بحال ہوئے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN

6۔ شہنشاہ ایران کی کوششوں سے ملائیشیا اور پاکستان کے سفارتی تعلقات بھی بحال ہوئے جو 1965ء کی جنگ میں ملائیشیا کی طرف سے بھارت کی حمایت کی وجہ سے منقطع ہو گئے تھے۔

7۔ 12 جولائی 1964ء کو پاکستان، ایران اور ترکی کے درمیان، آر سی ڈی (RCD) نامی معاہدے کے ذریعے دوستی اور تعاون کے نئے دور کا آغاز ہوا۔

8۔ انقلاب ایران کے نتیجے میں چند سال کے تعطل کے بعد 1985ء میں آر سی ڈی کو اقتصادی تعاون کی تنظیم ای سی او یا ایکو (ECO) کے نام سے ایک نئی شکل دی گئی۔

ثقافتی تعاون:۔

1965ء میں پاکستان اور ایران کے درمیان ایک ثقافتی معاہدہ ہوا جس کے تحت دونوں ملکوں کے طلبا، اساتذہ، ادیبوں اور فنکاروں کو ایک دوسرے کے ملک کا دورہ کرنے کا موقع ملا۔ ثقافتی ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیے دونوں ملکوں میں ایک دوسرے کے ثقافتی مراکز مستقل بنیادوں پر قائم ہیں۔

موقف میں ہم آہنگی:۔

پاکستان اور ایران نے کم و بیش تمام علاقائی اور بین الاقوامی معاملات مثلاً فلسطین، اریٹریا، افغانستان اور کشمیر وغیرہ کے معاملے میں یکساں موقف اختیار کیا۔

مارچ 1951ء میں جب ایران نے اپنی تیل کی صنعت کو برطانوی تسلط سے آزاد کرانے کی جدوجہد کی تو برطانیہ نے ایران کی ناکہ بندی کر دی۔ اس موقع پر پاکستان نے برطانیہ کے اس اقدام کی شدید مذمت کی اور ایران کی مکمل حمایت کا اعلان کیا۔

1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں ایران نے پاکستان کی بھرپور مادی اور سفارتی امداد کی۔ کشمیر کے مسئلے پر ایران کی ہر حکومت نے پاکستان کے موقف کی غیر مشروط حمایت کی۔

اقتصادی تعاون:۔

1۔ فروری 1973ء میں ایران اور پاکستان کے درمیان اقتصادی تعاون کے فروغ کے لیے ایک مشترکہ اقتصادی کمیشن قائم کیا گیا۔

2۔ اسی معاہدے کے تحت ایران نے پاکستان میں ریلوے کی توسیع، ٹیکسٹائل، کیمیاوی کھاد، چینی، ٹائر سازی اور زرعی آلات کے کارخانے قائم کرنے کے لیے مالی امداد فراہم کی، طے یہ ہوا کہ ایران ان کارخانوں کی پیداوار کا ایک حصہ خود خریدے گا۔

3۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد ایران نے پاکستان کی زرمبادلہ کی مشکلات کو دور کرنے میں مدد دی۔

4۔ تیل کی قیمتوں میں خصوصی رعایت کے علاوہ ماضی میں ایران کی مدد سے تکمیل پانے والے لاتعداد منصوبوں سے پاکستان کو بے پناہ اقتصادی فوائد حاصل ہوئے۔

5۔ 1976ء میں پاکستان کے زلزلہ زدگان کی امداد کے لیے ایران نے خطیر رقم بطور عطیہ دی۔ 1979ء میں ایران کے شہر کرمان کے زلزلہ زدگان کی مشکلات پر ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے پاکستان نے امدادی سامان ایران بھیجا۔

6۔ ایران کے تعاون سے کراچی میں تیل صاف کرنے کا ایک بہت بڑا کارخانہ لگایا گیا۔

UPLOADED BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD KHAN 03499815886

پاکستان اور ایرانی انقلاب:۔

ایران کے عوام نے شہنشاہ ایران کے استبداد اور اسلام دشمن پالیسیوں کے خلاف تحریک چلائی تو بیرون ملک سے ایرانی عوام کو سب سے زیادہ حمایت پاکستان سے ملی۔ فروری 1979ء میں شہنشاہ کا تختہ الٹ کر برسر اقتدار آنے والی انقلابی حکومت کو پاکستان نے فوراً تسلیم کر لیا۔ پاکستانی علما اور صحافیوں نے ایران کے کئی دورے کئے اور ایرانی عوام سے یک جہتی کا اظہار کیا۔

انقلاب کے بعد ایران میں امریکی یرغمالیوں کے مسئلے پر پاکستان نے ایران کے موقف کی بھرپور حمایت کی، ایران عراق جنگ ایرانی انقلاب کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ تھی۔ اس وقت کے صدر پاکستان نے "مسلم امہ امن کمیٹی" کے ممبر کی حیثیت سے اس جنگ کو بند کرانے کی ان تھک کوششیں کیں۔

پاکستان اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ

پاکستان اس زمانے میں آزاد ہوا جب سرد جنگ اپنے عروج پر تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد دونوں بڑی طاقتیں امریکہ اور سوویت یونین دنیا میں اپنا اپنا حلقہ اثر قائم کرنے کی کوشش میں مصروف تھیں۔ پاکستان کے بانی قیادت جمہوری مزاج رکھتی تھی اور اس کا عمومی، رجحان سوویت یونین کے کمیونسٹ نظریے کے خلاف تھا لہٰذا پاکستان کے سوویت یونین کے مقابلے میں امریکہ سے تعلقات کو فروغ حاصل ہوا۔

امریکہ نے تحریک پاکستان کے دوران مسلم لیگ کے موقف کی کبھی حمایت نہیں کی تھی۔ اس کے باوجود قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے قیام پاکستان کا فیصلہ ہوتے ہی امریکی سفیر سے ملاقات کی۔ امریکہ نے قیام پاکستان سے پہلے ہی قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نام مبارکباد کا پیغام بھیجا لیکن یہ ایک رسمی کارروائی تھی کیونکہ پاکستان میں پہلے امریکی سفیر کا تقرر برسوں بعد ہوا۔ دونوں ملکوں کے درمیان پہلا اعلیٰ سطحی رابطہ 1950ء میں ہوا جب لیاقت علی خان وزیراعظم پاکستان نے امریکہ کا دورہ کیا۔ انہیں سوویت یونین اور ریاستہائے متحدہ امریکہ دونوں کی طرف سے دورے کی دعوت موصول ہوئی تھی لیکن انہوں نے امریکہ جانے کا فیصلہ کر کے پاکستان کی مستقبل کی خارجہ پالیسی کا رخ متعین کر دیا۔ جبکہ امریکہ کی پہلی ترجیح یہ تھی کہ وہ بھارت کو اپنے حلقۂ اثر میں لے آئے اس کی متعدد وجوہ تھیں۔ بھارت پاکستان کے مقابلے میں بہت بڑا ملک تھا اور امریکی قیادت کا خیال تھا کہ چین اور روس (سوویت یونین) دنوں کمیونسٹ طاقتوں کا راستہ روکنے کے لیے بھارت اس کا موثر اتحادی ثابت ہوگا۔ لیکن بھارت کی قیادت نے سرد جنگ میں کمیونسٹ ممالک کے خلاف امریکہ کا اتحادی بننے سے گریز کیا۔

بھارت نے واضح طور پر یہ کہا کہ وہ غیر جانبدار رہنا چاہتا ہے لیکن عملی طور پر اس نے اپنی ضرورت کے مطابق سوویت یونین اور مغربی بلاک (امریکہ اور اس کے اتحادی کمیونزم کے خلاف ممالک) سے فائدہ اٹھایا۔ مثلاً ایک طرف تو اس نے سوویت یونین سے قریبی تعلقات قائم کئے دوسری طرف 1962ء میں چین سے اپنی مختصر جنگ کو بہانہ بنا کر امریکہ اور مغربی ممالک سے بھاری امداد حاصل کی۔

1950ء میں امریکہ نے یہ بات واضح کر دی کہ وہ سوویت یونین کے چاروں طرف ایک فوجی حصار قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے امریکہ کو سوویت یونین کے ہمسایہ ملکوں کی مدد کی ضرورت تھی۔ بھارت نے اس کمیونسٹ دشمن حصار میں امریکہ کا اتحادی بننے سے انکار کر دیا۔ 1953ء میں امریکہ کے صدر آئزن ہاور نے اعلان کیا کہ پاکستان ایران اور ترکی ایک کمیونسٹ دشمن معاہدے میں امریکہ کے شریک کار بننے پر تیار ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN-03499815886

1954ء میں ترکی، ایران، اور پاکستان کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا اس طرح پاکستان باضابطہ طور پر امریکی بلاک کا حصہ بن گیا۔ اس کے بعد 1955ء تک پاکستان نے تین مزید فوجی معاہدوں پر دستخط کئے۔ مئی 1954ء میں پاکستان اور امریکہ نے Mutual Defence & Assistance Agreement پر دستخط کئے۔ اسی سال SEATO (جسے اردو میں سیٹو اور سیاٹو دونوں طرح لکھا جاتا ہے) نامی معاہدے پر دستخط ہوئے۔ 1955ء میں ایران، عراق، ترکی اور برطانیہ نے بغداد پیکٹ پر دستخط کئے۔ بغداد پیکٹ سے عراق کے نکل جانے کے بعد اس کا نام بدل CENTO کے نام سے ایک نئے معاہدے کی شکل میں ڈھال دیا گیا۔ یہ معاہدہ امریکی مفادات کے تحفظ کے لیے کیا گیا لیکن امریکہ کبھی بھی اس کا ممبر نہیں بنا۔

بعد میں آنے والے حالات نے ثابت کیا کہ ان معاہدوں کا رکن بن کر پاکستان نے فائدہ کم اور نقصان زیادہ اٹھایا۔ پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ خان پر جو SEATO میں پاکستان کی شمولیت کے ذمہ دار تھے خود پاکستان کے حکومتی حلقوں میں تنقید کی گئی۔ حکومت پاکستان نے SEATO کی توثیق بھی چار ماہ بعد کی۔ SEATO میں فلپائن، تھائی لینڈ، فرانس، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ شامل تھے۔ اس معاہدے کا مقصد جنوبی ایشیا کے ممالک ویت نام، لاؤس اور کمبوڈیا کو کمیونسٹ خطرے سے محفوظ رکھنا تھا۔ امریکہ نے واضح کر دیا کہ بھارتی حملے کی صورت میں پاکستان کا تحفظ اس معاہدے کے دائرہ کار میں شامل نہیں۔ پاکستان نے تجویز پیش کی کہ معاہدے کے تمام ممبران کا تحفظ کرنے کے لیے ایک مستقل فوج قائم کی جائے لیکن اس تجویز کو مسترد کر دیا گیا۔ پاکستان کو مزید امداد بھی دینے سے انکار کر دیا گیا۔ دونوں پاک بھارت جنگوں میں پاکستان کو سیٹو ممالک سے کوئی امداد نہیں ملی آخر کار 1972ء میں پاکستان نے اس معاہدے سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔

1962ء کی بھارت چین جنگ کے بعد جب امریکہ نے بھارت کو بڑے پیمانے پر فوجی امداد دی تو یہ بات پاکستان کے لیے بہت تشویشناک تھی۔ 1962ء کے بعد پاک چین دوستی کا آغاز ہوا۔ پاکستان کے صدر محمد ایوب خان نے چین اور سوویت یونین کے دورے کئے جسے امریکی حکومت نے پسند نہیں کیا۔ 1965ء اور 1971ء کی جنگ میں پاکستان کو امریکی امداد حاصل نہ ہو سکی۔ اس دور کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کو پاک چین دوستی اور سوویت یونین سے پاکستان کے معمول کے تعلقات کی بحالی کا حقیقی ذمہ دار سمجھا جاتا تھا اس لیے بھٹو دور میں پاکستان کے امریکہ سے تعلقات میں عموماً سرد مہری رہی۔ جب بھٹو نے 1977ء میں امریکہ سے شکوہ کیا کہ وہ ان کے خلاف اپوزیشن کی تحریک کو سرمایہ فراہم کر رہا ہے تو امریکہ نے پاکستان کی امداد بند کر دی۔ 1977ء میں جنرل ضیاء الحق کے برسر اقتدار آنے کے بعد بھی یہ امداد بحال نہ ہوئی۔ لیکن دسمبر 1979ء میں افغانستان میں روسی مداخلت کے باعث یکایک پاکستان کو امریکی بلاک کے سب سے اہم ملک اور فرنٹ لائن کا درجہ حاصل ہو گیا۔ 1980ء میں امریکہ نے پاکستان کو 1.6 بلین ڈالر کی امداد دی۔ علاوہ ازیں پاکستان کو نہایت نرم شرائط پر 1.5 بلین ڈالر کے قرضے دیئے گئے اور ایف 16 طیاروں سمیت اعلیٰ درجے کا امریکہ اسلحہ خریدنے کی اجازت ملی۔ 1986ء میں امریکہ نے پھر پاکستان کے ساتھ 4.2 بلین ڈالر کے فوجی اور اقتصادی امداد کے سمجھوتے پر دستخط کئے۔ تاہم 1989ء میں سوویت یونین کے خاتمے کے بعد امریکہ سے تعلقات میں گرمجوشی کم ہو گئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہی گروپ جو امریکی اور پاکستانی امداد کے بل پر سوویت یونین کو افغانستان سے نکالنے میں کامیاب ہوئے تھے جب انہیں افغانستان میں حکومت بنانے کا موقع ملا تو باہم دست و گریبان ہو گئے۔ اس صورتحال سے فائدہ اٹھا کر انہی گروپوں کے اندر سے ایک نیا گروپ طالبان کے نام سے ابھرا۔ طالبان نے تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے افغانستان کا اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا پاکستان کی حکومت نے طالبان کی حمایت کی لیکن 11 ستمبر 2001ء کو امریکی ٹریڈ سینٹر اور دفاعی مراکز پر دہشت گردانہ حملوں کا الزام امریکہ نے طالبان حکومت پر لگایا اور پاکستان سے یہ کہا کہ وہ دہشت گردی کے خلاف عالمی مہم کا حصہ بنے۔ پاکستان چونکہ خود دہشت گردی کا شکار رہا اور اس کے ہاتھوں خاصا جانی و مالی نقصان اٹھا چکا تھا لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے اس عالمی کوششوں میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے گا لہٰذا افغانستان میں اتحادی افواج کو لاجسٹک سپورٹ فراہم کی گئی۔

پاکستان اور افغانستان

پاکستان کی طویل ترین سرحد شمال مغرب میں واقع مسلم ملک افغانستان سے ملتی ہے۔ یہ سرحد ڈیورنڈ لائن کے نام سے منسوب ہے۔ برصغیر میں برطانیہ نے اپنے دور حکومت میں افغانستان کو کئی مرتبہ فتح کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بلاآخر اس وقت کی افغان حکومت اور برطانیہ کے درمیان اتفاق رائے سے جو سرحد تسلیم کی گئی اس کا نام ڈیورڈ لائن ہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد یہی سرحد پاکستان اور افغانستان کی تسلیم شدہ بین الاقوامی سرحد کا درجہ رکھتی ہے۔ تاہم افغانستان کی حکومت کے اس سرحدی حد بندی کے بارے میں بعض تحفظات کا اظہار ہوتا رہا۔ اپنے ان تحفظات کی تکمیل میں افغانستان کی مختلف حکومت نے پاکستان میں صوبہ کے پی کے کے عوام کو گمراہ کرنے کی کئی کوششیں کیں تاہم پاکستان کی جانب سے ہمیشہ خیر سگالی، بھائی چارہ اور اسلامی اخوت کے جذبے کا اظہار ہوتا رہا۔ اسی جذبے کے تحت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پہلے فوجی حکم میں پاک افغان سرحد پر قائم فوجی چوکیوں کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ پاکستان کی طرف سے خیر سگالی کے اعلانات کے باوجود جب ستمبر 1947ء میں پاکستان کی اقوام متحدہ میں رکنیت کا مسئلہ پیش ہوا تو افغانستان دنیا کا واحد ملک تھا جس نے پاکستان کی رکنیت کی مخالفت کی۔ اس کے چند ماہ بعد ہی کراچی میں پاکستان اور افغانستان کی قیادت کے درمیان مذاکرات ہوئے جن میں افغانستان نے ایک بار پھر ان سرحدی تحفظات کا مسئلہ اٹھایا اور کہا کہ افغانستان کو پاکستان کے راستے سمندر تک رسائی کا راستہ ملنا چاہیے۔ اس کے جواب میں پاکستان نے یہ موقف اختیار کیا کہ افغانستان اگر ان سرحدی تحفظات کو دور بلکہ ختم کر دے تو پاکستان اسے راہداری کی سہولتیں فراہم کر سکتا ہے۔ افغانستان نے پاکستان کی تجویز ماننے کی بجائے فوراً سوویت یونین سے ایک تجارتی معاہدہ کر لیا۔ افغان پالیسی کے دفاع میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس کے حکمران اپنی کمزور پوزیشن کے باعث سوویت یونین کی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے اور یہ کہ پاکستان کے بارے میں افغان پالیسی دراصل سوویت یونین کی پالیسی تھی جو پاکستان کے نظریے اور قیادت سے شدید اختلافات رکھتا تھا۔ افغان حکمرانوں نے سرحدی تحفظات کے مسئلے کو محض گفتگو کی حد تک محدود رکھا انہوں نے اس کے لیے کبھی کوئی عملی اقدام نہیں کیا۔ بلکہ 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں جب افغانستان پاکستان کے لیے شدید مشکلات پیدا کر سکتا تھا افغانستان نے ایسا نہیں کیا۔

1955ء میں کابل میں ایک ہجوم نے پاکستانی سفارت خانے پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں دونوں ملکوں کے درمیان سفارتی تعلقات منقطع ہو گئے اور پاکستان کی حکومت نے 5 ماہ کے لیے افغان سرحد کو سیل کیے رکھا۔ 1956ء میں صدر سکندر مرزا کے دورہ افغانستان سے تعلقات میں کچھ بہتری آئی اور دونوں ملکوں کے درمیان معمولی نوعیت کے کچھ معاہدات ہوئے۔ 1961ء میں ایک مرتبہ پھر سفارتی تعلقات منقطع ہونے کی نوبت آ گئی۔ افغانستان کے وزیراعظم سردار داؤد پاکستان کے خلاف سخت رویہ رکھتے تھے۔ 1963ء میں ان کی برطرفی کے بعد ہی تعلقات میں بہتری کی صورت پیدا ہوئی۔

1972ء میں پاکستان نے افغانستان کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اقتدار سنبھالنے کے پہلے ماہ میں وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے افغانستان کا دورہ کیا۔ 1973ء میں سابق وزیراعظم سردار داؤد نے افغانستان کے بادشاہ ظاہر شاہ کا تختہ الٹ کر اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بھٹو افغانستان کی دوستی کو بہت اہمیت دیتے تھے انہوں نے یہ کوشش کی کہ یک طرفہ حسن سلوک کے ذریعے افغان حکومت کے دل جیتے جا سکیں۔ انہوں نے افغانستان کے لیے راہداری کی سہولتوں میں اضافہ کیا اور 1976ء میں افغانستان کے زلزلہ زدگان کے لیے فیاضانہ امداد بھیجی۔ 1976ء میں پاکستان اور افغانستان کے وزرائے اعظم (بھٹو اور داؤد) نے ایک دوسرے کے ملکوں کے دورے کیے اور ایسے آثار نظر آنے لگے کہ سردار داؤد کے دل میں پاکستان کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو چکا ہے۔ بھٹو کے بعد آنے والے پاکستانی سربراہ جنرل محمد ضیاء الحق نے بھی افغانستان سے دوستی کی پالیسی کو قائم رکھا اور کامیابی سے آگے بڑھایا

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN

انہوں نے 1977ء میں افغانستان کا دورہ کیا اس کے جواب میں سردار داؤد نے 1978ء پاکستان کا دورہ کیا اور پاکستان کے لیے نیک جذبات کا اظہار کیا۔ لیکن افغانستان واپسی کے چند ہی ماہ بعد افغانستان میں انقلاب آیا اور سردار داؤد کو قتل کر دیا گیا۔ نئی حکومت سوویت یونین کی حامی تھی لیکن خود کمیونسٹ پارٹی کے اندر اقتدار کی رسہ کشی جاری رہی اور چند سال میں کئی انقلاب آئے۔ دسمبر 1979ء میں 80ہزار روسی فوجیوں نے براہ راست افغانستان میں داخل ہو کر وہاں کے سیاسی معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ روسی مداخلت کے خلاف افغانستان میں مسلح مزاحمت شروع ہوئی اور اس کے نتیجے میں 3 ملین افغان مہاجرین سرحد عبور کر کے پاکستان آگئے۔ روسی قبضے کے خلاف مزاحمت کرنے والے مجاہدین کے گروپ روس کے خلاف کاروائیاں کرتے رہے۔ تمام روس مخالف فوجی سرگرمیوں کو امریکہ کی مکمل مالی اور فوجی امداد حاصل تھی۔ پاکستان کو افغان مہاجرین کی امداد کی بہت زیادہ قیمت ادا کرنا پڑی، اسی عرصے میں پاکستان میں ہیروئن متعارف ہوئی۔ ناجائز اسلحہ کی بھرمار ہوگئی، دہشت گردی کو فروغ ملا۔ افغان پاکستان اور امریکہ اتحادی کی موثر مزاحمت کے نتیجے میں آخر کار ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ سوویت یونین کو افغانستان سے اپنی فوجیں واپس بلانا پڑیں نہ صرف یہ بلکہ اس جنگ نے سوویت یونین کی داخلی کمزوریوں کو بے نقاب کر دیا اور آخر کار 1989ء میں دنیا کی دوسری بڑی طاقت کا شیرازہ بکھر گیا۔

لیکن روس کی پسپائی کے بعد افغان مجاہدین کے دھڑے آپس میں دست و گریباں ہوگئے۔ پاکستان کی کوششیں بھی افغانستان میں ایک مستحکم حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ اس صورت حال میں مدارس کے طالب علموں کا ایک تازہ دم گروپ، طالبان کے نام سے افغانستان کے سیاسی مطلع پر نمودار ہوا۔ طالبان حیرت انگیز سرعت سے پیش قدمی کرتے ہوئے افغانستان کی حکومت پر قابض ہوگئے۔ لیکن 11 ستمبر 2000ء میں امریکی ٹریڈ سینٹر اور دفاعی مراکز پر دہشت گردانہ حملوں کا الزام امریکہ نے طالبان حکومت پر لگایا اور پاکستان کی حکومت سے کہا کہ وہ دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ میں عالمی برادری کا ساتھ دے۔ اس موقع پر حکومت پاکستان نے عالمی برادری کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا

پاکستان اور سعودی عرب

دینی روابط:۔

پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات میں ہمیشہ ایک غیر معمولی گرم جوشی اور اخوت کا جذبہ کار فرما رہا ہے۔ بیت اللہ اور مسجد نبوی ﷺ کی محبت ہر مسلمان کے ایمان کا جزو اوّل ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے ہر مرحلے پر تمام مصلحتوں کو بلائے طاق رکھ کر سعودی عرب کی حمایت کی، سعودی حکومت کی طرف سے بھی ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا گیا۔ سعودی عرب کے شاہ فیصل پاکستان کو اپنا دوسرا وطن قرار دیتے تھے۔ اسلام آباد کی فیصل مسجد سعودی عرب سے ہمارے دینی روابط کی ایک خوبصورت اور زندہ علامت ہے۔

اقتصادی تعاون:۔

1967ء میں پاکستان نے سعودی عرب کو دفاعی اور فنی امداد باہم پہنچانے کا سلسلہ شروع کیا۔ اب تک سعودی عرب کے لاتعداد طلباء پاکستان سے میڈیکل اور انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر چکے ہیں اور بہت بڑی تعداد میں پاکستانی ماہرین سعودی عرب کی تعمیر و ترقی کے لیے مختلف شعبوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دونوں ممالک کے اقتصادی تعاون سے تکمیل پانے والے چند اہم منصوبے درج ذیل ہیں:

پاکستان میں سعودی امداد سے سیمنٹ، کھاد اور پولی ایسٹر کے کارخانوں کی تعمیر، میرپور ماتھیلو میں پاک سعودی فرٹیلائزر فیکٹری، پاکستان سعودی جائنٹ انویسٹمنٹ کمپنی، الجزیرہ بینک

تجارت کے میدان میں دونوں ممالک ایک دوسرے کو "نہایت محبوب اتحادی" کا درجہ دیتے ہیں۔ دونوں ممالک کے درمیان درآمد و برآمد کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔

موقف کی ہم آہنگی:۔

تحریک پاکستان کے دور میں جب بہت سے عرب ممالک کانگریس کی ہم نوائی کر رہے تھے۔ سعودی حکومت اور عوام نے کھل کر مسلمانان ہند کے موقف کی حمایت کی۔ 1946ء میں وزیر خارجہ کی حیثیت سے شاہ فیصل مرحوم نے مسلمانان ہند کے اس وفد کو مکمل تعاون کا یقین دلایا جسے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں مسلم ممالک کی حمایت حاصل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد سعودی حکومت نے پاکستان کو تسلیم کر لیا۔ 1951ء میں پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان تعاون اور دوستی کا پہلا معاہدہ ہوا۔ 1954ء میں شاہ سعود بن عبدالعزیز نے پاکستان کا دورہ کیا تو ان کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ مسئلہ کشمیر پر سعودی عرب نے ہمیشہ پاکستان کے موقف کی حمایت کی 1965ء اور 1971ء کی جنگوں میں سعودی عرب نے صرف سفارتی تائید پر اکتفا نہ کیا بلکہ پاکستان کو ٹھوس مالی امداد بھی فراہم کی۔

بنگلہ دیش کے مسئلے پر سعودی حکومت نے پاکستان کے موقف سے مکمل ہم آہنگی کا اظہار کیا اور اس وقت تک بنگلہ دیش کو تسلیم نہیں کیا جب تک خود پاکستان نے اسے تسلیم کرنے کا اعلان نہیں کر دیا۔

افغانستان میں روسی جارحیت سے پاکستان کے لیے سنگین مسائل پیدا ہو گئے تھے، 1980ء میں اسلام آباد میں ہونے والی اسلامی وزرائے خارجہ کی گیارہویں کانفرنس میں سعودی عرب نے ان کے حل کے لیے نہایت مضبوط موقف اختیار کیا۔ اس طویل اور صبر آزما جنگ کے دوران سعودی عرب نے افغانستان اور پاکستان کو بھرپور اخلاقی اور مالی امداد باہم پہنچائی۔

اعلیٰ سطحی رابطے:۔

سعودی عرب اور پاکستان کے درمیان ابتدا ہی سے اعلیٰ سطحی روابط قائم رہے ہیں۔ تمام سعودی سربراہوں نے پاکستان کے متعدد دورے کئے۔ پاکستان کے بھی کم و بیش تمام سربراہان مملکت و حکومت سعودی عرب کے دورے کرتے رہے۔ فروری 1974ء میں لاہور میں ہونے والی اسلامی سربراہی کانفرنس کو کامیاب بنانے میں شاہ فیصل نے کلیدی کردار ادا کیا۔

داخلی مشکلات کے حل میں تعاون:۔

1954ء میں شاہ سعود بن عبدالعزیز نے پاکستان کا دورہ کیا اور مہاجرین کی آبادکاری کے لئے خطیر رقم عطیہ کے طور پر دی۔

1977ء کے متنازعہ انتخابات کے نتیجے میں جب پاکستان میں ایک عوامی تحریک چلی تو شاہ خالد نے ذاتی دلچسپی لے کر اپنے ایک نمائندے کے ذریعے اس وقت کی حکومت اور حزب اختلاف کے درمیان مصالحت کی کوشش کی۔

سعودی عرب نے پاکستان میں نظام زکوٰۃ کے قیام، عربی زبان کی ترویج اور قوانین کی اسلامی تشکیل کے سلسلے میں قابل قدر امداد دی۔ ستمبر 1978ء

MEDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD KHAN

میں شاہ خالد نے اپنے نمائندے کو پاکستان بھیجا تاکہ وہ اسلامی قوانین کی تشکیل اور نفاذ کے سلسلے میں حکومت پاکستان کی مدد کر سکیں۔ اسلامی یونیورسٹی (اسلام آباد) کا قیام سعودی تعاون کا ایک بہت بڑا عملی مظہر ہے۔

1980ء میں جب باغیوں نے بیت الحرام کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے اس پر قبضہ کر لیا تو پاکستان کی حکومت اور عوام نے اس پر سخت رنج و غم کا اظہار کیا اور بیت اللہ کو باغیوں سے واگزار کرانے میں پاکستانی کمانڈوز نے سعودی حکومت سے تعاون کیا۔

کویت پر عراقی جارحیت کے نتیجے میں جب سعودی عرب پر ایک ناخوشگوار جنگ مسلط کی گئی تو پاکستان نے حرمین الشریفین کی حفاظت کے لیے اپنی فوج سعودی عرب بھیجی اور سفارتی سطح پر سعودی عرب اس کے اتحادیوں کی ہر ممکن مدد کی۔ پاکستان میں زلزلوں، سیلاب کی تباہ کاریوں اور معاشی بحرانوں کے زمانے میں ہر مرحلے پر سعودی عرب نے دست تعاون بڑھایا اور پاکستان کی توقع سے بڑھ کر امداد کی۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان دوستی اور محبت کے یہ رشتے ڈپلومیسی اور قومی مفادات کی ان تمام مصلحتوں سے بالاتر ہیں جن پر بالعموم بین الاقوامی برادری کے ملک اپنے تعلقات کی بنیاد پر رکھتے ہیں۔ پھر یہ رشتے محض حکومت کے ایوانوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کی جڑیں عوام کے دلوں میں پیوست اور بہت گہری ہیں۔ آج پاکستان میں مشکل ہی سے کوئی قابل ذکر شہر ایسا ہوگا جس میں فیصل چوک نام کو کوئی مرکزی چوک اور شاہراہ فیصل نام کی کوئی اہم شاہراہ موجود نہ ہو، یہ سب اسی جذبہ اخوت کے مظاہر ہیں جو اسلام کے نام پر دونوں ممالک کو ایک بنائے ہوئے ہیں۔

عالمی معاملات اور ہماری خارجہ پالیسی کی کامیابیاں اور ناکامیاں:۔

بھارت، پاکستان، جاپان اور چین نے قریب قریب ایک ہی زمانے میں اپنی نئی قومی زندگی کا آغاز کیا۔ بھارت اور پاکستان کے پاس حکومت برطانیہ کا فراہم کردہ بنیادی ڈھانچہ خاص طور پر ریلوے اور آبپاشی کا نہایت عمدہ نظام موجود تھا۔ قدرتی اور انسانی وسائل کے اعتبار سے بھی یہ دونوں ملک بہت سی نعمتوں سے مالا مال تھے۔ ان کے مقابلے میں چین کی قیادت چودہ سال کی خانہ جنگی کے بعد آزادی کی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی تھی اور چین کی معیشت کو دنیا کی ایک تہائی آبادی کا بوجھ اٹھانا تھا۔ جاپان نے بھی طویل جنگ لڑی تھی اور امریکہ کے ایٹمی حملوں نے اس کی کمر توڑ دی تھی۔ اس کے باوجود ان دونوں ملکوں نے اپنی دانشمندانہ حکمت عملی کے باعث ایسی شاندار کامیابیاں حاصل کیں جنہوں نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ جاپان اس وقت فی کس سالانہ آمدنی اور زر مبادلہ کے ذخائر کے اعتبار سے دنیا کا امیر ترین ملک ہے۔ چین نے فی کس سالانہ آمدنی میں اضافے کی نہایت اونچی شرح کو سالہا سال تک قائم رکھ کر جو ریکارڈ قائم کیا ہے۔ اسے دنیا کی اقتصادی تاریخ کا ایک عجوبہ سمجھا جاتا ہے۔ ان دونوں ملکوں نے یہ حیرت انگیز کامیابیاں جس اصول کو اپنا کر حاصل کی ہیں وہ اصول امن پسندی ہے۔ اگست 1945ء میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکی ایٹم بم سے ہونے والی تباہی کے بعد جاپان کے بادشاہ ہیروہیٹو نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ اسے مستقبل کی جنگ تعلیمی اداروں، تجربہ گاہوں اور فیکٹریوں میں لڑنی ہے۔ کیونکہ مستقبل کی روایتی جنگ اتنی ہولناک اور مہنگی ہوگی کہ نہ تو انسانیت اس کی ہولناکیوں کی تاب لا سکے گی اور نہ کسی ملک کے لئے اس کی قیمت ادا کرنا ممکن ہوگا۔ جاپانی امریکہ کے ہاتھوں شکست کے باوجود اپنے اس عزم پر قائم رہے۔ یہی فیصلہ عوامی جمہوریہ چین کی قیادت نے یکم اکتوبر 1949ء کو کیا۔

بھارت کی انتہا پسند قیادت نے برصغیر میں روز اوّل سے ہی ایک تباہ کن جنگ جوئی کی بنیاد رکھ دی۔ دونوں ملکوں کی بدقسمتی ہے کہ بعد کے دور میں بھی اُن کے ہاں ایسی قیادت پیدا نہ ہو سکی جو اس جنگ جوئی کی ہولناک نتائج کا اندازہ کر کے اس کے خاتمے کی تدبیر کر سکتی۔ دونوں ملکوں کی سیاسی اور فوجی قیادت، دانشور اور اہل فکر و نظر سب اب اس بات کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ ان کے ہدف غیر حقیقت پسندانہ رہے ہیں ان کو حاصل کرنا کسی کے لیے بھی ممکن نہیں۔ پھر کس

مقصد کے لیے دونوں ملکوں کے لوگوں کو جہالت اور افلاس کی چکی میں پیسا جا رہا ہے اور ایسا کب تک ہوتا رہے گا۔ دونوں ملکوں کی قیادت یہ سمجھ چکی ہے کہ انسانی تہذیب کی ترقی کے لیے علم اور امن سب سے بنیادی قدریں ہیں۔ امن کبھی حق اور برابری کی بنیاد پر قائم نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے کسی فریق کو یک طرفہ ایثار کرتے ہوئے اپنے حقوق سے عارضی طور پر دستبردار ہونا پڑتا ہے (اہل پاکستان کے لیے صلح حدیبیہ اس کی سب سے بڑی مثال ہے) یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ دوست بدلے جا سکتے ہیں، ہمسائے نہیں بدلے جا سکتے۔ پاکستان اور بھارت کی قیادت کو نئے تقاضوں کا ادراک کرتے ہوئے روایتی سوچ کو ترک کر کے اپنی خارجہ پالیسی کو زمانے کے بدلے ہوئے حقائق کی روشنی میں از سر نو ترتیب دینا چاہیے اور ماضی کی بجائے مستقبل کی طرف دیکھنا چاہیے۔

مشق

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03495

1۔ خالی جگہ ایسے الفاظ سے پُر کیجیے کہ بیان بامعنی ہو جائے۔

1۔ پاکستان نے مسلم امہ امن کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے عراق اور ________ کے درمیان جنگ بند کرانے کی کوشش کی۔

2۔ سن ________ میں پاکستان غیر جانبدارانہ تحریک کا ممبر بن گیا۔

3۔ صلح ________ یک طرفہ ایثار کے ذریعے امن قائم کرنے کی عمدہ مثال ہے۔

4۔ 1954ء میں پاکستان دفاعی معاہدے ________ کا رکن بن گیا۔

5۔ سن ________ میں مشرقی بازو پاکستان سے الگ ہو گیا۔

2۔ ہر سوال کے آگے قوسین میں دیئے گئے تین جوابات میں سے مناسب ترین جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پر کیجیے۔

1۔ پاکستان اپنے قیام کے ________ اقوام متحدہ کا ممبر بن گیا تھا۔ (اگلے سال، اگلے ماہ، دن سے ہی)

2۔ آر سی ڈی کا نیا نام ________ ہے۔ (CENTO، PWD، ECO)

3۔ جاپان کے بادشاہ ________ نے اپنی قوم کو "امن کے ذریعے فتح" کا راستہ دکھایا۔ (چواین لائی، ہیروہیٹو، ناگاساکی)

4۔ امریکہ نے اگست ________ میں جاپان کے دو شہروں کو ایٹم بم کے ذریعے تباہ کر دیا۔ (1945ء، 1947ء، 1939ء)

5۔ ________ میں اسلامی یونیورسٹی کا قیام سعودی عرب کے تعاون سے عمل میں آیا۔ (راولپنڈی، اسلام آباد، لاہور)

3۔ ص (صحیح) یا غ (غلط) کے اوپر دائرہ لگا کر درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ پاکستان عالمی جھگڑوں کو طاقت کے ذریعے حل کرنے پر یقین رکھتا ہے۔ ص غ

2۔ صلح حدیبیہ امن کے لیے اپنے جائز حق کی قربانی دینے کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ ص غ

3۔ SEATO معاہدے کا نیا نام ECO ہے۔ ص غ

4۔ عوامی جمہوریہ چین کا قیام یکم اکتوبر 1949ء کو عمل میں آیا۔ ص غ

5۔ 50-1949ء میں بھارت کی طرف سے جنگ نہ کرنے کے معاہدے کی پیش کش کے جواب میں پاکستان نے مشترکہ دفاع کی تجویز پیش کی۔ ص غ

4۔ **کالم الف کے اندراجات کو کالم ب سے لائن کے ذریعے اس طرح ملایئے کہ دونوں کا تعلق واضح ہو جائے۔**

کالم الف	کالم ب
عوامی جمہوریہ چین کا قیام	1954ء
اسلام آباد اسلامی وزرائے خارجہ کی گیارہویں کانفرنس	1980ء
شاہ سعود بن عبدالعزیز کا دورہ پاکستان	یکم اکتوبر 1949ء
اقوام متحدہ میں پاکستان کی رکنیت کی مخالفت	سوویت یونین
1989ء میں کمیونسٹ نظام کا خاتمہ	افغانستان

5۔ **ہر سوال کا جواب دو سے پانچ سطور میں لکھیے۔**

1۔ خارجہ پالیسی کی تعریف لکھیے۔

2۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کے 5 رہنما اصول بیان کیجیے؟

3۔ صلح حدیبیہ خارجہ پالیسی کے سلسلے میں کس طرح ہماری رہنمائی کر سکتی ہے؟

4۔ پاکستان کی امداد سے چین کو عالمی سطح پر کس قسم کے فوائد حاصل ہوئے؟

5۔ پاکستان بھارت تعلقات کی تازہ ترین صورت حال پر چند سطور تحریر کیجیے۔

6۔ **مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔**

1۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کے مقاصد اور اہداف بیان کیجیے۔

2۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا رخ متعین کرنے والے اہم عوامل کون کون سے ہیں؟

3۔ پاکستان اور عوامی جمہوریہ چین کے تعلقات پر روشنی ڈالیے۔

(نوٹ: اس طرح کا سوال پاکستان، بھارت، ایران، ریاست ہائے متحدہ امریکہ، افغانستان اور سعودی عرب سے تعلقات کے بارے میں بھی پوچھا جا سکتا ہے۔)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD KHAN-03499055886

وفاقی وزارتِ تعلیم (شعبہ نصاب) حکومت پاکستان اسلام آباد سے منظور شدہ
بحوالہ لیٹر نمبر :F.11-9/2004-SS-1 مورخہ 8 جون 2004ء

قومی ترانہ

پاک سَر زمین شاد باد! کشورِ حسین شاد باد!
تو نِشانِ عزمِ عالی شان ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد!

پاک سر زمین کا نِظام قُوّتِ اُخوّتِ عوام
قوم ، مُلک ، سلطنت پائندہ تابندہ باد!
شاد باد منزلِ مُراد!

پرچَمِ سِتارہ و ہِلال رہبرِ ترقی و کمال
ترجُمانِ ماضی، شانِ حال جانِ اِستقبال
سایۂ خُدائے ذُوالجلال!

نیشنل بک فاؤنڈیشن
بطور
وفاقی ٹیکسٹ بک بورڈ، اسلام آباد